M

3 — 6
3 — 6
2 — 2
2 —
2 — 9
— 9
6

14 — 9

Kimti

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی اعلی اللہ مقامہٗ کی بے مثل تصنیف

سلسلہ صفحہ ۱۸۰

الغزالی

(زیر نگرانی جناب مولوی میر کاظم علی صاحب مستعد معتمد مجلس)

آبپاشی و رہنمائی و نگرانی سررشتہ علوم و فنون ریاست حیدرآباد

بماہ نومبر ۱۹۲۵ء

حسب فرمائش محمد نذیر حسین و شریف حسین

تاجر کتب

مطبوعہ رحمانی پریس دہلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فہرست کتب خانہ

نام کتاب	قیمت
رباعیات عمر خیام۔ فارسی ۴۷۶، باضافہ ترجمہ نظم اردو ملج الکلام ۴۷۶، رباعی ۲ ۹ ا صفحے مع سوانح عمری عمر خیام ۸۰ صفحے جنمیں عمر خیام کا عکسی فوٹو بھی شامل ہے پونے تین سو صفحات کا بے مثل ذخیرہ مع محصولڈاک	عجر
رباعیات سرمد مرحوم معہ ترجمہ نظم معروف منظوم فارسی در ترجمہ مجموعی ۲ ۴ ۶ رباعیاں ابتدا میں واقعہ قتل وسوانح سرمد شہید بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے درج ہے۔ قیمت معہ محصولڈاک	عہ/
دونوں جلدوں کے خریدار سے مع محصول صرف تین روپیہ لئے جائیں گے ❖	سے/
کلام اکبر الہ آبادی قیمت	۶/
صد پارۂ دل یعنی تذکرۂ مشاہیر عالم۔ مولفہ مولوی عبدالحکیم شرر لکھنوی جسمیں مندرجہ ذیل سوانحمریاں درج ہیں:۔ خلیفہ ناصرالدین اللہ۔ ابن بطوطہ زبیر ابن عوام۔ بقراط مانی جالینوس سائدین۔ دلہمی۔ عزالدین حسین سباطائی۔ سیوطی۔ حاتم طائی۔ محمد بن تومرت المہدی۔ المغربی جبلہ ابن ایہم۔ ابو عثمان۔ سعید بن مسیح ومسق جام بنی امیہ سب کے جدا جدا تاریخی حالات درج ہیں قیمت	عہر
ایضاً حصہ دوم۔ اس میں حسب ذیل سوانحمریاں ابوالاسود دولی احمد بن طولون۔ عمرو بن سعدی کرب زبیدی زبیانی ابو صحاک سموان ابن قراقر سلمنا الحکم المستنصر۔ محمد ابو عبداللہ الرقیم۔ مندر بن مغیرہ حجاج	

نام کتاب	قیمت
دمشقی مہدس مسجد اقصٰی سکندر اعظم قیمت	۱۲/ ہر
بزم آخر۔ اجڑنے والی دلی شہر کی آخری جس نے دیکھی اس کے کلیجے پر بس سانپ لوٹتا ہے مسلمانوں اور مغل ایمپائر کا چراغ جس آنکھ نے آخری جھلملاتا دیکھا ہو اور پھر اسکا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اصل رنج والم سے بے اختیاری دو آنسو اس پر بہا سکتا ہے منشی فیض الدین صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دہلی کے لال قلعہ کی آخری گھڑیاں دیکھیں اور پھر غدر ۱۸۵۷ء کی بربادی بھی آنکھوں کے سامنے سے گذری پس ان کا کچھ لکھنا اور موثر زبان میں لکھنا ظاہر ہے کہ کس قیامت کا ہوگا اور پھر قلعہ کی بیگمات کی زبان میں قیمت	عہ/
کمال راسخ۔ اس دیوان دوم میں جناب مولانا مولوی محمد عبدالرحمن صاحب راسخ مرحوم دہلوی کا وہ تمام کلام موجود ہے۔ جو مولانا کا آخر حصہ عمر کا سرمایہ گنجینہ راز کی طرح مخفی تھا اس میں وہ منتخب غزلیات و رباعیات وغیرہ شامل ہیں جن کا ایک ایک شعر نازک خیالی معاملہ بندی اور راز و نیاز کا مرقع ہے خیالات کی بلند پردازی اور معنی آفرینی کو سلاست بیان۔ قادر الکلامی اور سہل الممتنع گوئی نے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں آخر میں مولانا نے مرحوم کی سوانح عمری اور پیشانی پر عکسی فوٹو بھی بطور یادگار شامل کر دیا ہے دو شعر نمونتاً درج ہیں۔	

ملنے کا پتہ:۔ نذیر حسین و شریف حسین تاجران کتب محلہ گڑھیا دہلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فہرست مضامین الغزالی

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	٦	امام الحرمین کی وفات اور ان کا		ایک کتاب کا تصنیف کرنا۔	١٣
امام غزالی	٧	ماتم۔	٩	امام صاحب کے وعظوں کا مجموعہ۔	″
امام صاحب کی ولادت۔	″	امام غزالی کا نیشاپور سے نکلنا۔	″	**تعلقات کا ترک اور**	
غزالی کی وجہ تسمیہ۔	″	اس وقت کی ملکی حالت۔	″	**عزلت و سیاحت**	
امام صاحب کی تعلیم کا بندوبست۔	″	خاندان سلجوقیہ۔	١٠	مختلف فرقوں سے مل کر امام صاحب	
ابتدائی تعلیم۔	٨	ملک شاہ۔	″	کے مذہبی خیالات کا انقلاب۔	″
تعلیم کا طریقہ۔	″	ملک شاہ کی وسعت سلطنت اور	″	امام صاحب کے خیالات خود	
امام صاحب کی یادداشتوں کا		ملک کا امن وامان۔	″	ان کی زبان سے۔	″
لٹ جانا۔	″	نظام الملک۔	″	علم کلام کا ناکافی ہونا۔	١٤
امام صاحب پر ایک قزاق کے		نظام الملک کے زمانہ میں مصارف		فلسفہ۔	″
طعنہ کا اثر۔	″	تعلیم کی تعداد۔	″	باطنیہ۔	″
امام صاحب کا تکمیل تحصیل کی		امام غزالی کا نظام الملک کے دربار		تصوف۔	″
غرض سے نیشاپور کا سفر۔	″	میں پہنچنا اور علماء سے مناظرہ۔		امام صاحب کا حالت بیخودی	
امام الحرمین کی شادی۔	″	امام صاحب کا ٣٤ برس کی عمر میں		میں بغداد سے نکلنا۔	١٥
نیشاپور کی علمی حالت۔	″	نظامیہ کا مدرس اعظم مقرر ہونا۔	″	دمشق کا قیام اور مراقبہ و مجاہدہ	″
امام الحرمین کا مختصر حال۔	″	مدرسہ نظامیہ کی مدرسی کس رتبہ		امام صاحب کے پیر شیخ فارمدی	″
سلطان وقت کے دربار میں		کی چیز تھی۔	١٢	شیخ فارمدی سے امام صاحب نے	
امام الحرمین کی عزت۔	٩	دار الخلافہ میں امام صاحب کا		کس زمانہ میں بیعت کی ہوگی۔	″
امام الحرمین کے شاگردوں		اقتدار و اثر۔	″	بیت المقدس میں پہنچنا۔	″
کی تعداد چار سو تھی۔	″	امام صاحب کا ایک بڑی ملکی مہم	″	حج و زیارت۔	١٦
جنمیں تین شخص بڑے ممتاز تھے	″	حل کرنا۔	″	سفر کے بعض دلچسپ حالات۔	″
امام غزالی کا نائب رئیس مقرر ہونا		خلیفہ مستظہر باللہ کی فرمائش سے	١٣	مقام خلیل میں تین باتوں کا عہد	″

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مضمون	صفحہ
اسی سفر میں احیاء العلوم لکھی۔	۱۷
دوبارہ درس تدریس۔	//
نظامیہ نیشاپور میں تدریس۔	//
نظامیہ سے کنارہ کشی۔	۱۸
امام صاحب کے حاسدین۔	//
امام صاحب کی مخالفت۔	//
سلطان سنجر کا امام صاحب کو طلب کرنا	//
امام صاحب کا خط	۱۹
امام صاحب کا سنجر کے دربار میں جانا	//
سنجر پر امام صاحب کی تقریر کا اثر	۲۰
امام صاحب کا نظامیہ بغداد کے درس کے لئے طلب ہونا۔	//
وزیر اعظم کا خط۔	//
دربار خلافت سے امام صاحب کا طلب کیا جانا۔	//
امام صاحب کا انکار اور معذرت	۲۱
امام صاحب کا فن حدیث کی تکمیل کرنا۔	//
اخیر عمر کی تصنیف	//
وفات	۲۲
امام صاحب کے شاگرد۔	//
حصہ دوم تصنیفات	//

مضمون	صفحہ
تصنیفات کی کثرت	۲۲
تصنیفات کی اجمالی فہرست	//
مضامین کے لحاظ سے تصنیفات کی تقسیم	۲۵
مبحوث فیہ تصنیفات	//
منخول۔	//
مضمون۔	//
النفخ والتسویہ	۲۶
سر العالمین۔	//
تصنیفات پر مختلف حیثیتوں سے بحث	//
تصنیفات کیساتھ علما کا اعتناء	۲۷
امام صاحب کی تصنیفات اور یورپ	۲۸
مقاصد الفلاسفہ	۲۹
المنقذ	//
تہافۃ الفلاسفہ	//
میزان العمل	//
امام صاحب کے اشعار	//
رباعیاں	۳۰
قطعہ	//
عربی اشعار	۳۱
علوم وفنون	//
فلسفہ اخلاق اور احیاء العلوم	//

مضمون	صفحہ
فلسفہ اخلاق پر یونانی تصنیفات	۳۱
اور انکے ترجمے عربی میں۔	//
حکمائے اسلام کی تصنیفات	۳۲
فن اخلاق میں مذہبی طرز کی تصنیفات	//
دونو قسم کی تصنیفات کے مقبول عام نہ ہونے کی وجہ۔	//
احیاء العلوم دونو طرزوں کی جامع ہے۔	۳۳
مختصر احیاء العلوم	//
احیاء العلوم کی عام خصوصیت	//
احیاء العلوم جن کتابوں کے نمونہ پر لکھی گئی۔	۳۴
قوت القلوب اور احیاء العلوم کا باہم مشابہ ہونا۔	//
احیاء العلوم کا زمانہ تصنیف	۳۵
احیاء العلوم کی خصوصیات۔	//
پہلی خصوصیت۔	//
دوسری خصوصیت۔	//
تیسری خصوصیت۔	//
چوتھی خصوصیت۔	۳۶
پانچویں خصوصیت۔	۳۷
احیاء العلوم کو فلسفہ اخلاق	۴۰

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مضمون	صفحہ
احیاء العلوم کا جسقدر حصہ حکمائے یونان سے ماخوذ ہے	۴۵
امام صاحب نے فلسفہ اخلاق پر کیا اضافہ کیا	״
ریائے جلی۔	۴۹
ریائے خفی۔	״
ریائے اخفا۔	״
اخلاقی امراض کا علاج۔	۵۰
امراض اخلاقی کے اسباب اور علاج	״
غیبت	״
غیبت کے اسباب۔	״
غصہ و غضب	
غصہ کی قوت انسان کو کیوں دی گئی۔	״
حسد اور رشک	۵۳
حسد کے پیدا ہونے کا سبب۔	״
اخلاق کی غرض وغایت۔	۵۵
علم کلام	۵۶
امام صاحب اور علم کلام۔	״
ابن خلدون کی غلطی کا اظہار۔	״
علم کلام کے دو مختلف طریقے۔	״
عقلی علم کلام۔	״
منقولی علم کلام۔	״
فلسفہ کا ابطال	״
فن منطق میں امام صاحب کی تصنیفات	۵۶
بعض مسائل منطق پر امام صاحب کے اعتراض۔	۵۷
امام صاحب کی تصنیفات فلسفہ میں۔	۵۹
امام صاحب کی طرز تحریر سے فلسفہ کو کیا فائدہ پہنچا۔	״
فلسفہ کا رد تہافۃ الفلاسفہ۔	״
امام صاحب نے جن مسائل فلسفہ کو باطل کیا۔	۶۱
ایک خاص مسئلہ کا ذکر۔	۶۲
اثبات عقائد	۶۴
عقائد کے متعلق امام صاحب کی تصنیفات کا باہم اختلاف۔	״
اختلاف کی وجہ۔	۶۵
قدیم علم کلام کے مسائل۔	۶۹
قدیم علم کلام کی نسبت امام صاحب کی رائے۔	۷۱
امام صاحب نے علم کلام میں کیا اصلاحیں کیں۔	״
التفرقہ بین الاسلام و الزندقہ	۷۳
وجود کے مراتب۔	۷۴
تاویل کے متعلق امام صاحب کی رائے۔	۷۵
قدیم علم کلام کا طرز استدلال۔	۷۶
امام صاحب کا خاص علم کلام	״
صفات باری تنزیہ و تشبیہ۔	״
نبوت	۷۸
معجزات	۸۰
خرق عادات	״
تکلیفات شرعیہ عذاب و ثواب	۸۴
معاد یا حالات بعد الموت۔	״
روح کی حقیقت۔	۸۵
واقعات بعد الموت۔	۸۶
تصوف	۸۹
صوفی کا لقب کب سے شروع ہوا	״
تصوف کی حقیقت۔	۹۰
سب سے پہلے امام صاحب نے تصوف کو علمی حیثیت سے مدون کیا۔	״
امام صاحب نے جو تصوف کی حقیقت بیان کی۔	״
تصوف کا اثر اعمال پر۔	۹۴
تصوف کے لفظ کی تحقیق۔	״
مجددیت	״

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مضمون	صفحہ
امام صاحب کے زمانہ میں تقلید کا عام تسلط۔	۹۴
عقلیات میں تقلید۔	۹۵
اشاعرہ اور حنبلیہ کی نزاعیں۔	〃
اعتقادات کے لحاظ سے اسلامی ممالک کی تقسیم۔	〃
امام صاحب کا تقلید کو چھوڑنا۔	۹۶
عقائد کی اصلاح	〃
جن عقائد پر کفر و اسلام کا مدار ہے اون کی تشریح۔	〃
تکفیر کے وجوہ کی غلطی کا اظہار۔	۹۷
نصوص کی تاویل۔	〃
تاویل کا اصول۔	〃
تواتر۔	〃
اجماع۔	۹۸
امام صاحب کی اصلاح کا علمی اثر۔	〃
مناظرہ و مباحثہ کی اصلاح۔	۹۹
جن مسائل کا اثر دماغی اور تمدنی ترقی پر پڑتا تھا ان کی اصلاح۔	〃
عقل و نقل کی تطبیق۔	〃
اسباب و علل کا سلسلہ۔	۱۰۰
عذاب و ثواب کی حقیقت۔	〃
الٰہیات اور معاد میں جمعیت کا خلاصہ۔	〃
مذہب کی غرض و غایت۔	۱۰۱
تعلیم کی اصلاح	
مذہبی اور غیر مذہبی علوم کی تفریق۔	۱۰۲
فقہ کو امام صاحب نے علوم دنیاوی میں داخل کیا۔	〃
علوم شرعیہ کا غلط استعمال۔	۱۰۳
فقہ میں زیادہ مصروفیت کا اثر۔	〃
فقہی مناظرات سے احتراز۔	〃
قرون اولیٰ میں علم توحید کس کو کہتے ہیں۔	〃
کس علم کا سیکھنا فرض عین ہے	۱۰۴
کن علوم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے	〃
نصاب تعلیم میں منطق و فلسفہ داخل ہوگئے۔	۱۰۵
اخلاق کی اصلاح	
علماء کی اصلاح۔	۱۰۶
مفتی۔	۱۰۷
ارباب مناظرہ۔	〃
متکلمین۔	〃
واعظین۔	〃
علماء کے اخلاق کی خرابی کے اسباب۔	۱۰۷
مناظرہ و مجادلہ۔	۱۰۸
وظیفہ خواری کی برائی۔	۱۰۸
اصلاح ملکی	۱۰۹
بادشاہ وقت کے نام ہدایت نامہ۔	۱۱۲
امام صاحب کی کوششوں کے نتائج۔	〃
وزرا اور امراء کے نام خطوط۔	۱۱۳
امام صاحب پر اسباب خارجی کا اثر	۱۱۶
امام صاحب فلسفہ کا اثر۔	۱۱۹
احیاء العلوم اور ابن مسکویہ کی کتاب کا موازنہ۔	〃
امام صاحب کا اثر عقائد علوم فنون اور شاعری پر۔	۱۲۲
امام صاحب کا اثر علم کلام پر۔	۱۲۳
امام صاحب کا اثر تصوف پر۔	〃
امام صاحب کا اثر فلسفہ پر۔	۱۲۴
فارسی لٹریچر اور شاعری۔	۱۲۵
امام صاحب کا اثر فارسی شاعری پر۔	۱۲۶
امام صاحب کی مخالفت۔	〃
خاتمہ	۱۲۸

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمہید

۷۸۶

از جناب مولوی میر کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات عامہ وغیرہ و نگران کار سررشتہ علوم و فنون

جس وقت پیروان دین اسلام نے عرب کے ریگستان سے قدم باہر نکالا اور اعلائے کلمتہ اللہ سے فارغ ہوئے تو انکی ترقی تمدنی کا پہلا کام یہ ہوا کہ مشرق و مغرب کے علوم و فنون کو زبان عربی کی فصاحت و بلاغت کا زیور پہنایا اور بے بہا قدیم تصنیفات یونان و روم کی اجڑی خانقاہوں اور ہندوستان و ایران کے افسانہ آمیز کتابوں میں چھپی ہوئی تہیں انکو نہ فقط تلف ہونے سے بچایا بلکہ ترجموں کے ذریعہ سے انکو ایسی زبانوں میں زندہ و سلامت رکھا جب یورپ جہالت و تاریکی میں گھرا ہوا اور انہی تراجم کی بدولت یورپ نے وہ جدید نشو و نما پائی جس کا نام تاریخ میں نشأۃ الثانی رکھا گیا۔

دوسری صدی ہجری کا آغاز تھا کہ ۱۲۳ھ میں ہشام عبد الملک کے حکم سے فارس کی سب سے مفصل تاریخ کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس صیغہ ترجمہ نے وہ وسعت حاصل کی کہ دنیا کی تمام قوموں کا علمی ذخیرہ زبان عربی میں آگیا۔ اسلام کی حکومت اندلس میں بھی پہلے یہی طریقہ جاری رہا اور اس کے بعد علمی اور عملی تحقیقات ہوئیں جس سے آج تک مسلمانوں کا نام روشن ہے۔

تمدن اسلامی کی وہ فطرت جس کا بہت بڑا جز ترقی علوم و فنون ہے ہندوستان کے سلاطین مغلیہ میں بھی اعلی درجہ پر رہی البیرونی اور ابو الفضل و فیضی کے سے نامور علما و محققین نے ہندوستان ہی کے سلاطین اسلامیہ کے دربار میں نام و عزت حاصل کی دکن کے سلاطین بہمینہ بھی علم ادب کے قدردان تھے انہی کے سایہ عاطفت میں ابو القاسم فرشتہ نے وہ بےنظیر تاریخ ہندوستان و دکن کی لکھی جو اسوقت تک بھی ایک بہت معتبر ذخیرہ تاریخ ہے۔

دولت آصفیہ خلد اللہ تعالی نے بھی جو وقتاً فوقتاً ترقی علوم میں کوشش کی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن اس دولت ابد قرار میں کوئی ایسا مستقل سررشتہ تراجم و تصنیفات کا جسکے ذریعہ سے علوم مغربیہ کی اشاعت زبان اردو میں ہو سکے نہ تھا۔

ناظرین کو حضرت خاقان ابن خاقان سکندر شوکت دارا دربان اعلی حضرت قدر قدرت میر محبوب علیخان بہادر فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی۔ والی دکن کا ممنون و مشکور ہونا چاہیئے کہ جنہوں نے ایک صیغہ علوم و فنون قائم فرمایا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ مفید اور کار آمد کتابیں مختلف السنہ یورپ سے اردو زبان میں ترجمہ ہوں اور نیز جدید تصنیفات تحقیقات علمیہ ایسی زبان میں شائع کرانی چاہئیں جس سے اردو زبان میں نہ فقط مضامین مختلفہ کے بیان سے وسعت تامہ پیدا ہو بلکہ علوم و فنون تاریخ کے زبان ملکی میں ہو جانیسے تعلیم قومی میں ترقی ہو یہ امر خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے کہ سال رواں میں ہندوستان کی گورنمنٹ نے اپنی انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۷ میں جہاں تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا ہے الغزالی کو تمام کتابوں پر ترجیح دی ہے اور نہایت مدحیہ الفاظ میں (جو اس سررشتہ کیلئے تمغہ امتیازی ہیں) اسکا تذکرہ کیا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تمہید

از مصنف

ما طفل کم سوادیم و سبق قصہا دوست
صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۵

علم کلام جو مسلمانوں کی خاص ایجادات میں سے ایک مہتم بالشان علم اور ان کا سرمایۂ ناز ہے آجکل اسکی نہایت مبسوط تاریخ لکھ رہا ہوں اور اس کے چار حصے قرار دئے ہیں۔

(۱) علم کلام کی ابتدا۔ اس کی مختلف شاخیں۔ عہد بعہد کی تبدیلیاں اور ترقیاں۔

(۲) علم کلام نے اثبات عقائد اور ابطال فلسفہ کے متعلق کیا کیا؟ اور کس حد تک کامیابی حاصل کی۔

(۳) ائمہ کلام کی سوانح عمری۔

(۴) جدید علم کلام۔

پہلا حصہ بقدر معتد بہ لکھا جا چکا تھا کہ بوجوہ چند رک گیا اور تیسرا حصہ شروع ہو گیا اس حصہ میں امام غزالی کی سوانح عمری شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے ایک مستقل کتاب بن گئی چونکہ پوری کتاب کی تیاری کو عرصہ درکار تھا مناسب معلوم ہوا کہ بلا انتظار باقی یہ حصہ الگ شائع کر دیا جائے امام صاحب کے حالات میں ان کے اصول عقائد اور طرز استدلال کی تفصیل بھی اس طرح علم کلام کے اکثر مہتم بالشان مسائل بھی اس کتاب میں آ گئے ہیں۔

امام غزالی کی سوانح عمری میں کوئی مستقل کتاب تو غالباً لکھی نہیں گئی لیکن رجال تراجم کی کتابوں میں عموماً انکے حالات کسی قدر تفصیل کیساتھ مذکور ہیں۔ انہیں سے تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری اور طبقات الشافعیہ خاص ذکر کے قابل ہیں۔

پہلی کتاب علامہ ابن عساکر دمشقی مشہور محدث کی تصنیف ہے یہ کتاب اصل میں امام اشعری کے حالات میں ہے لیکن اشاعرہ میں جو لوگ مشاہیر تھے انکا بھی تذکرہ ہے اس تقریب سے امام غزالی کے بھی حالات لکھے ہیں اور چونکہ عبد الغافر فارسی کے حوالہ سے لکھے ہیں اور جو خود امام غزالی کے ہمعصر تھے اسلئے جسقدر لکھا ہے حرف حرف سند کے قابل ہے یہ کتاب یورپ میں چھپ گئی ہے۔

دوسری کتاب۔ علامہ ابن السبکی کی تصنیف ہے جو مشہور محدث تھے یہ کتاب اس جامعیت سے لکھی گئی ہے کہ مجموعی حیثیت سے رجال کی کوئی کتاب اسکی ہمسری نہیں کر سکتی امام غزالی کا حال جسقدر اس کتاب میں ہے کسی کتاب میں اس سے زیادہ کیا اسکے برابر بھی نہیں مل سکتا اس لئے میں نے سوانحعمری کے متعلق زیادہ تر انہی دونو کتابوں پر مدار رکھا باقی امام صاحب کے اصول اور مسائل تو اسکے لیے خود امام صاحب کی تصانیف کافی تھیں جن کا بہت بڑا ذخیرہ میرے پاس موجود تھا۔ امام صاحب اس رتبہ کے شخص تھے کہ ایک مدت تک انکی تصانیف کا یورپ میں بھی چرچا رہا اور بہت سے نامور مصنفوں نے انکی تصانیف پر شروح و حواشی لکھے فلسفہ کی جو تاریخیں لکھی گئی ہیں انمیں امام صاحب کا ذکر خاص طور پر کیا گیا اور بعض کتابیں خاص امام صاحب کی تصنیفات کے متعلق لکھی گئی ہیں انمیں سے دو تصنیفیں میرے پاس موجود ہیں پروفیسر گوشی کی کتاب (الغزالی) اور پروفیسر مونک کی کتاب الرابطہ بین فلسفہ الیہود والاسلام۔ پہلی کتاب جرمن زبان میں تھی اسلئے میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ دوسری کتاب سے مینے فائدہ اٹھایا ہے اور جا بجا اسکے حوالے دئے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام غزالی

امام صاحب کی ولادت

محمد نام حجۃ الاسلام لقب غزالی عرف، سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن محمد بن احمد خراسان کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام طوس ہے اسمیں دو شہر ہیں طاہران و طوقان امام صاحب ۴۵۰ھ میں طاہران میں پیدا ہوئے انکے باپ رشتہ فروش تھے اور اس مناسبت سے انکا خاندان غزالی کہلاتا تھا کیونکہ غزل کے معنی کاتنے کے ہیں عربی زبان میں جو نسبت کا قاعدہ ہے اسکی رو سے غزال کافی تھا لیکن خوارزم اور جرجان وغیرہ میں نسبت کا یہی طریقہ ہے چنانچہ عطار کو عطاری اور قصار کو قصاری کہتے ہیں علامہ سمعانی نے

غزالی کی وجہ تسمیہ

کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ غزالہ طوس کے ایک گاؤں کا نام ہے امام صاحب وہیں کے رہنے والے تھے" چنانچہ علامہ موصوف کے نزدیک غزالی تشدید نہیں بلکہ تخفیف ہے۔ ابن خلکان نے امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کے حال میں علامہ سمعانی کا یہ قول نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ تحقیق تمام مورخین کے خلاف ہے اگرچہ بعض بعض مورخین نے بھی علامہ سمعانی کی تائید کی ہے۔ چنانچہ فیومی نے مصباح میں شیخ محی الدین سے جو کہ ساتویں پشت میں امام غزالی کے نواسے تھے یہ روایت کی ہے کہ ہمارے نانا کا نام بہ تشدید نہیں بلکہ بتخفیف ہے لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ پہلی ہی روایت معتبر ہے اور بڑی دلیل اسکی یہ ہے کہ طوس کے ضلع میں غزالہ کوئی گاؤں نہیں۔

امام صاحب کے خاندانی پیشہ کے ذکر میں یہ بیان کرنا ناموزوں نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں اور اس سے پہلے مسلمانوں میں تعلیم اسقدر عام ہوگئی تھی کہ ادنی سے ادنی پیشہ والے بھی تعلیم سے محروم نہیں رہتے تھے یہانتک کہ انہی پیشہ وروں میں ایسے ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے کہ جنکو آج ہم امام اور علامہ کے لقب سے پکارتے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہ بزاز تھے شمس الائمہ حلوائی تھے امام ابو جعفر کفن دوز تھے علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے وغیرہ وغیرہ نوبت یہانتک پہنچی کہ تعلیم کی بدولت خود یہ پیشہ ذلیل نہ رہے بڑے بڑے علما یہ پیشے اختیار کرتے تھے اور انہی پیشوں کے انتساب سے انکا نام کیا جاتا تھا۔

امام صاحب کی تعلیم کا بندوبست

امام صاحب کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے جب مرنے لگے تو انہوں نے امام صاحب اور انکے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور کہا کہ مجکو نہایت افسوس ہے کہ میں پڑھنے لکھنے سے محروم رہ گیا اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ان دونو لڑکوں کو تعلیم دلائی جائے تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے انکے مرنے پر اس بزرگ نے امام صاحب کو تعلیم دلانی شروع کی چنانچہ ابتدائی مراحل طے کرائے لیکن چندروز کے بعد تعلیم کا کوئی سامان نہ رہا۔ امام صاحب کے والد جو رقم مصارف تعلیم کیلئے دے گئے تھے وہ ختم ہوچکی۔ اس بزرگ نے امام صاحب سے کہا کہ تمہارے والد کا سرمایہ ہوچکا اور میرے پاس کچھ مال متاع نہیں اسلئے تم دونو بھائی کسی مدرسہ میں داخل ہو جاؤ چنانچہ امام صاحب نے انکے حکم کی تعمیل کی اور اس زمانہ تک اگرچہ باقاعدہ مدارس بہت کم تھے لیکن خانگی درسگاہیں نہایت کثرت سے تھیں بڑے بڑے نامور ائمہ فن اپنے گھروں یا مسجدوں میں تعلیم دیتے تھے اور جسقدر طلبا انکے حلقہ درس میں تعلیم پاتے تھے انکے ہر قسم کے مصارف کا بندوبست شہر کے امرا اور رؤسا کیطرف سے کیا جاتا تھا اس بنا پر ہر شخص گو کیسا ہی کم مقدور ہو اعلی سے اعلی تعلیم حاصل کر سکتا تھا آج ہمارے ملک میں بھی تعلیم عام ہے لیکن یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

محض ابتدائی تعلیم ہو اعلی تعلیم صرف کالجوں میں ہوتی ہو اور وہ اسقدر گراں ہو کہ کم مایہ آدمی اس سے بہت کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں

ابتدائی تعلیم

امام صاحب نے فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد رازکانی سے پڑھیں یہ بزرگ امام صاحب کے شہر ہی میں مقیم تھے اور یہیں درس دیتے تھے اسکے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام ابو نصر اسمٰعیلی کی خدمت میں تحصیل شروع کی اس زمانہ میں درس کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد مطالب علمیہ پر جو تقریر کرتا تھا شاگرد اسکو قلم بند کرتے جاتے تھے اور نہایت احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان یادداشتوں کو تعلیقات کہتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب نے بھی تعلیقات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ چند روز کے بعد وطن کو واپس آئے اتفاق سے راہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کے پاس جو کچھ سامان تھا سب لٹ گیا اسمیں وہ تعلیقات بھی تھیں جو امام ابو نصر نے لکھوائی تھیں امام صاحب کو اسکے لٹنے کا نہایت صدمہ تھا۔ چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار کیپاس گئے اور کہا میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں نے انہی کے سننے اور یاد کرنے کیلئے یہ سفر کیا تھا" وہ ہنس پڑا اور کہا تم نے خاک سیکھا؟ جبکہ تمہاری یہ حالت ہو کہ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے، یہ کہکر اس نے وہ کاغذ واپس کر دئے اور امام صاحب پر اسکے طعنہ آمیز فقرے نے ہاتف غیبی کی آواز کا اثر کیا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر وہ یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کیں یہانتک کہ پور تین برس صرف کردئے۔ اور ان مسائل کے حافظ بنگئے۔

تعلیم کا طریقہ

امام صاحب کی یادداشتوں کا لٹ جانا۔

امام صاحب پر ایک قزاق کے طعنہ کا اثر

اب امام صاحب کی تحصیل علمی اس حدتک پہنچ گئی تھی کہ معمولی علماء انکی تشفی نہیں کرسکتے تھے اسلئے تکمیل علوم کیلئے وطن سے نکلنا چاہا اس زمانہ میں اگرچہ تمام ممالک اسلامیہ میں علوم و فنون کے دریا بہ رہے تھے ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مدرسوں سے معمور تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں سینکڑوں علماء موجود تھے اور ہر ایک عالم کی درس گاہ بجائے خود ایک مدرسہ تھا لیکن ان سب میں دو شہر علم و فن کے مرکز تھے۔ نیشاپور۔ بغداد۔ کیونکہ خراسان، فارس اور عراق کے تمام ممالک میں دو بزرگ استاد الکل تسلیم کئے جاتے تھے یعنی امام الحرمین اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی اور یہ دونو بزرگ انہی دونو شہروں میں درس دیتے تھے نیشاپور چونکہ قریب تھا اسلئے امام صاحب نے وہیں کا قصد کیا اور امام الحرمین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام صاحب کا تحصیل کی غرض سے سفر کرنا۔ نیشاپور کو

نیشاپور کی علمی حالت یہ تھی کہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ جو تعمیر ہوا یہیں ہوا اور اسکا نام مدرسہ بیہقیہ تھا امام الحرمین (امام غزالی کے استاد) نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی عام شہرت ہو کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا چنانچہ ابن خلکان نے بھی یہی دعوی کیا ہو لیکن واقعہ یہ ہو کہ یہ فخر بغداد کے بجائے نیشاپور کو حاصل ہو بغداد کا نظامیہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں بڑے بڑے دار العلوم قائم ہوچکے تھے ایک وہی بیہقیہ جسکا ذکر ابھی گذر چکا ہو۔ دوسرا سعدیہ۔ تیسرا نصریہ جسکو سلطان محمود کے بھائی نصر بن سبکتگین نے قائم کیا تھا سوا اور بھی مدرسے تھے جنکا سرتاج نظامیہ نیشاپور تھا۔ امام الحرمین اسی مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔

امام الحرمین کی شاگردی نیشاپور کی علمی حالت

امام الحرمین کا اصلی نام عبد الملک اور لقب ضیاء الدین تھا ابتدائی کتابیں آپنے انسے پڑہیں انکے انتقال کے بعد ابو القاسم اسکافی کے شاگرد ہوئے جو مدرسہ بیہقیہ کے مدرس اعظم تھے فراغ تحصیل کے بعد بغداد گئے اور وہاں بڑے بڑے نامور علماء کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے بغداد سے واپس آکر نیشاپور کی مسند درس پر بیٹھے لیکن اسی زمانہ میں عمید کندری کی تحریک سے الپ ارسلان سلجوقی نے حکم دیا تھا کہ مساجد میں امام ابو الحسن

امام الحرمین کا مختصر حال

معرنزی جلد دوم صفحہ ۳۶۳۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اشعری پر خطبہ میں لعنت پڑہی جائے امام الحرمین سلسلہ اشعریہ میں داخل تھے انکو نہایت ناگوار ہوا اور ناراض ہو کر حرمین چلے گئے وہاں انکی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور انکا حلقہ درس ملجائے عام بن گیا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے فتوی انہیں کے پاس آتے تھے اسی بنا پر امام الحرمین کے لقب سے پکارے جانے لگے عمید کندری کے بعد الپ ارسلان نے نظام الملک کو وزیر مقرر کیا نظام الملک کی بے تعصبی عدل و انصاف اور قدر دانی کی شہرت بہت جلد پھیل گئی۔ امام الحرمین یہ حالات سنکر حرمین سے واپس آگئے اور نظام الملک نے خاص انکے لئے ایک بہت بڑا مدرسہ نیشاپور میں تعمیر کیا جسکا نام نظامیہ رکھا۔

سلطان وقت کے دربار میں امام الحرمین کی عزت

امام الحرمین درس و تدریس کے علاوہ تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے وعظ۔ امامت خطابت اور تمام ممالک اسلامیہ کے اوقاف انہیں کے سپرد تھے، سلاطین وقت انکا یہ احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے ملک شاہ سلجوقی کے ایک حکم کے مقابلہ میں اعلان کرا دیا کہ ملک شاہ کا حکم غلط ہی اور اسکو اس قسم کے حکم دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ ملک شاہ نے بجائے اسکے کہ مخالفت کرتا خود بھی اعلان کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا امام الحرمین کا حکم صحیح ہے[1]۔

امام الحرمین بہت بڑے مصنف تھے انکی مشہور تصانیف یہ ہیں۔ نہایت المطلب شامل برہان۔ ارشاد۔ مغیث الخلق۔ اخیر تصنیف جاری نظر گذری ہے غرض امام غزالی نے انکی خدمت میں پہونچکر نہایت جد و جہد سے علم کی تحصیل شروع کی یہانتک کہ تھوڑی مدت میں تحصیل سے فارغ ہو کر تمام اقران میں ممتاز ہو گئے، امام الحرمین کے حلقہ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے، انمیں تین شخص سب میں ممتاز تھے

امام الحرمین کے شاگردوں کی تعداد چار سو تھی جنمیں تین شخص سب میں ممتاز تھے

کیا ہراسی، احمد بن محمد خوافی۔ اور امام غزالی۔ چنانچہ امام الحرمین کہا کرتے تھے کہ غزالی دریائے ذخار ہی اور کیا شیر درندہ۔ اور خوافی آتش سوزاں، لیکن کیا اور خوافی کی ہمسری طالب علمی ہی کے زمانہ تک تسلیم کیجا سکتی ہی۔ ورنہ بالآخر امام غزالی نے جو رتبہ حاصل کیا وہ امام الحرمین کو بھی نہیں ہوا تھا۔

امام غزالی کا نائب مدرس مقرر ہونا

اس زمانہ میں نامور علماء کے یہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دیچکتے تھے تو شاگردوں میں جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتلائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا یہ منصب جسکو حاصل ہوتا تھا اسکو معید کہتے تھے چنانچہ امام غزالی کو بھی یہ منصب حاصل ہوا اور معید کہلائے۔ امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی

امام الحرمین کی وفات اور ان کا ماتم

انکی وفات کے دن نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا انکے شاگرد جو چار سو کے قریب تھے سب نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور سال بھر تک انکے ماتم میں مصروف رہے۔

امام غزالی نے جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے امام الحرمین کی زندگی ہی میں شہرت حاصل کر لی تھی اور صاحب تصنیف ہو گئے تھے یہانتک کہ امام الحرمین ان پر ناز کرتے تھے تاہم جبتک امام الحرمین زندہ رہے انکی صحبت سے علیحدہ نہ ہوئے ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں انکا کوئی ہمسر نہ تھا اسوقت انکی عمر صرف ۲۸ برس کی تھی۔

امام غزالی کا نیشاپور سے نکلنا

امام غزالی کے آئندہ واقعات اکثر سلطنت سے وابستہ ہیں اسلئے مختصر طور پر اسوقت کی ملکی حالت کا لکھنا ضروری ہے۔

اسوقت کی ملکی حالت

سلطنت عباسیہ کے کمزور ہونے پر ملک میں ہر طرف خود مختاری کی ہوا چل گئی، حکومت و سلطنت کے بہت سے دعویدار نکل آئے

[1] اخلاق جلالی میں مفصل مذکور ہی ۱۲ ابن خلکان تذکرہ امام الحرمین ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان سب میں ترکوں کا قدم سب سے آگے رہا اور دیکھتے دیکھتے وہ تمام دنیا پر چھا گئے، چنانچہ اسوقت سے دنیائے اسلام کا بڑا حصہ انہی کے قبضہ اقتدار میں رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان حال ترک ہیں، خدیو مصر ترک ہیں، کجکلاہ ایران ترک ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں انہی ترکوں میں سے سلجوقی خاندان فرمانروا تھا۔ اس خاندان کا سب سے پہلا تاجدار طغرل بیگ تھا جسنے ۴۲۹ھ میں اول اول طوس پر قبضہ کیا اور رفتہ رفتہ ۴۴۷ھ میں عراق پر قابض ہوگیا۔ طغرل ۴۵۵ھ میں انتقال کیا اسکے بعد اسکا بیٹا الپ ارسلان، اور اس کے بعد اسکا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا جسکے زمانہ میں سلجوقیہ کی حکومت انتہائے شباب کو پہنچ گئی اسکی نسبت ابن خلکان کے یہ الفاظ ہیں "ملک شاہ کی سلطنت نے وہ وسعت حاصل کی کہ کوئی سلطنت اس حد تک نہیں پہونچی اسکی سلطنت طول میں کاشغر سے لیکر جو ترکستان کا سب سے اخیر شہر ہے اور جس کی سرحد چین سے ملتی ہے بیت المقدس تک، اور عرض میں قسطنطنیہ سے لیکر بحر خزر تک پھیلی ہوئی تھی اس نے تمام ملک میں سرائیں اور پل تیار کرائے اور ہر قسم کے ٹیکس موقوف کردئے اس کے زمانہ میں امن امان کی یہ حالت تھی کہ ترکستان سے لیکر شام کے اخیر سرحد تک قافلہ بغیر کسی حفاظت اور بدرقہ کے سفر کرتے تھے اور ایک آدمی ہزاروں کوس جدھر چاہتا چلا جاتا تھا۔

خاندان سلجوقیہ

ملک شاہ کی وسعت سلطنت اور ملک کا امن و امان

لیکن اسکی حکومت کی عظمت و شان جو کچھ تھی اسکے وزیر نظام الملک کی بدولت تھی، اور چونکہ امام غزالی کے حالات کو اسکے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ اس لئے ہم اسکے حالات کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

نظام الملک

نظام الملک کا نام حسن بن علی ہے وہ امام غزالی کے ہم وطن یعنی طوس کے ایک گاؤں راذکان کا رہنے والا تھا اسکے باپ دادا ہوناں تھے اسنے حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور فراغ کے بعد دنیاوی اشغال میں مصروف ہوا یہانتک کہ حاکم بلخ کا میر منشی مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ اسقدر ترقی کی کہ الپ ارسلان کا وزیر ہوگیا۔ الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے مرنیکے بعد الپ ارسلان کے بیٹے نے سلطنت کیلئے معرکہ آرائیوں کے سامان کئے لیکن نظام الملک کی حسن تدبیر سے ملک شاہ کو تاج و تخت نصیب ہوا اور وہی سب بھائیوں میں ترجیح کا مستحق بھی تھا ملک شاہ نے تخت نشین ہوکر سلطنت کے تمام کاروبار نظام الملک کے ہاتھ میں دیدئے (ملک شاہ نے ۴۸۵ھ میں وفات پائی) نظام الملک نے ایکطرف تو سلطنت کو وہ رونق دی اور وسعت کہ خلفا کے بعد کبھی نہیں ہوئی تھی۔ امن و امان اور نظم و نسق کی بدولت تمام ملک کے ڈانڈے اسطرح ملائے کہ جب بادشاہ لشکر نہر جیحوں سے اترا کشتیوں کے کرایہ کا پروانہ جسکی تعداد گیارہ ہزار اشرفیاں تھیں شام کے عامل کے نام لکھا اور وہیں سے یہ رقم اداکی گئی دوسری طرف تعلیم و تدریس کو یہ ترقی دی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں چپہ چپہ پر مکاتب اور مدارس قائم کئے روضتین فی اخبار الدولتین میں لکھا ہے کہ "کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں اسکا تعمیر کردہ مدرسہ موجود نہ ہو یہانتک کہ جزیرہ بن عمر میں بھی جو بالکل ایک گوشہ میں واقع ہے اور کسی کا وہاں گذر نہیں ہوتا ایک بڑا مدرسہ وہاں موجود ہے"، علامہ قزوینی نے آثار البلاد میں تصریح کی ہے کہ اسکے زمانہ میں مدارس کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ اشرفیاں تھیں"، اسکے سوا اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کردیا تھا"، سلطنت سلجوقیہ کی اشرفیاں ہماری نظر سے گذری ہیں کم سے کم ۵ روپیہ کے برابر ہوتی ہیں اس بنا پر نظام الملک

نظام الملک کے زمانہ میں مصارف تعلیم کی تعداد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے خاص عطیہ کو چھوڑکر ایک کرور پچاس لاکھ کی سالانہ رقم شاہی خزانہ سے تعلیمات کیلئے مقرر تھی[5] اور اس زمانے کے لحاظ سے یہ رقم ایسی خطیر رقم ہے جسکی نظیر کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

نظام الملک خود صاحب علم و فضل اور اہل فضل و کمال کا بہت بڑا قدر داں تھا، ابو علی فارمدی جب اسکے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ انکے لئے مسند خالی کر دیا کرتا تھا[1] امام الحرمین اور ابو اسحق شیرازی کا نہایت ادب کرتا تھا اور جب وہ دربار میں آتے تھے تو سرو قد کھڑا ہو جاتا تھا اس قدر دانی اور پایہ شناسی نے اسکے دربار کو اہل کمال کا مرکز بنا دیا تھا سیکڑوں علما و فضلا ہمیشہ اسکے دربار میں حاضر رہتے تھے انکے علمی مناظرات میں شریک ہو کر خود بھی دخل دیتا تھا اور مستفید ہوتا تھا

امام غزالی کا مزاج ابتدا میں جاہ پسند تھا[2] امام الحرمین کی صحبت میں انہوں نے علما کی قدر و منزلت کا جو سماں دیکھا اس نے انکی طبیعت میں اس ولولے کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا انکے سامنے یہ واقعہ گذرا تھا کہ جب علامہ ابو اسحق شیرازی عباسیوں کی طرف سے سفیر ہو کر بغداد سے نیشاپور کو چلے تو جس جس شہر میں انکا گذر ہوتا تھا شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا تھا اور تمام دوکان دار اپنی اپنی دوکانوں کا اسباب و سامان انکے قدموں پر نثار کرتے جاتے تھے یہانتک کہ صراف روپیہ اور اشرفیاں لٹاتے جاتے تھے۔ نیشاپور پہونچے تو خود امام الحرمین انکا غاشیہ اپنے کاندھے پر رکھکر انکی رکاب میں چلے[3] غرض جاہ و منصب کی امید میں امام غزالی نے درس گاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کا رخ کیا چونکہ انکی علمی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی نظام الملک نے نہایت تعظیم و تکریم سے انکا استقبال کیا اسوقت فضیلت اور کمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا علمی مناظرات تھے رؤسا و امرا کے دربار میں علما و فضلا کا مجمع ہوتا تھا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگوئیں ہوتی تھیں جو شخص زور تقریر سے حریفوں کو بند کر دیتا تھا وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، اس طریقہ کو اسقدر وسعت ہوئی کہ بڑے بڑے شہروں میں بطور خود مناظرہ کی مجلسیں قایم ہوگئی تھیں، اور لوگ اپنے شوق سے ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے یہانتک کہ رفتہ رفتہ مناظرہ خود ایک فن بنگیا اور آج اس فن پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔

امام غزالی۔ نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سینکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا۔ نظام الملک نے مناظرہ کی مجلسیں منعقد کیں متعدد جلسے ہوئے اور مختلف مضامین پر بحثیں ہیں، ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام کی شہرت کو چمکا دیا اور تمام اطراف و دیار میں اسکے چرچے پھیل گئے[4]۔ نظام الملک نے انکو نظامیہ کے مسند درس کیلئے انتخاب کیا۔ امام صاحب کی عمر اسوقت ۳۴ برس سے زیادہ نہ تھی اس عمر میں نظامیہ کی افسری کا حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

امام غزالی کا نظام الملک کے دربار میں پہنچنا اور علما سے مناظرہ

امام صاحب کا ۳۴ برس کی عمر میں نظامیہ کا مدرس اعظم مقرر ہونا

نظامیہ کے قیام کی تاریخ اور اسکے حالات میں نے اپنے مجموعہ رسائل میں جو چھپکر شائع ہو چکا ہے تفصیل سے لکھے ہیں اس

[1] ابن الاثیر ذکر وفات ابو علی فارمدی [2] طبقات الشافعیہ بحوالہ عبد الغافر فارسی ج ۱۲ [3] ابن الاثیر ذکر سفارت ابو اسحق شیرازی [4] ابن خلکان تذکرہ امام غزالی

[5] گبن صاحب نے رومن امپائر میں لکھا ہے کہ اسکی تعمیر وغیرہ پر دو لاکھ دینار صرف ہوئے اور سالانہ خرچ پندرہ ہزار دینار تھا، چونکہ اس زمانہ کی اشرفی جو خود میری نظر سے گذری ہے ۲۵ روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔ اسلئے صرف تعمیر پچاس لاکھ اور سالانہ مصارف ڈھائی لاکھ روپیہ ہوئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مدرسہ نظامیہ کی مدرسی کس رتبہ کی چیز تھی۔

موقع پر صرف اس قدر لکھنا ضروری ہی کہ اسکی مدرسی کا منصب ایسا عظیم الشان رتبہ تھا کہ بڑے بڑے اہل کمال نے اسکی آرزو میں عمریں صرف کر دیں، اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں لیگئے۔ امام ابو منصور محمد بردی جو مدرسہ بہائیہ کے مدرس اعظم تھے۔ نظامیہ میں وعظ کہا کرتے تھے عین وعظ میں نظامیہ کی مسند درس کی طرف اشارہ کرتے اور یہ اشعار پڑھتے ؎

بکیت یا ربع حتی کدت ابکیکا — وجدت بی وبدمعی فی مغانیکا

نعم صباحا لقد هیجت لی شجنا — واردد تحیتنا انا محیوکا

ابن خلکان نے اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہی کہ امام موصوف اس رتبہ کے اہل تھے اور ان سے وعدہ بھی کیا گیا تھا لیکن موت نے جلدی کی اور ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔[۱]

فخر الاسلام شاشی (محمد بن احمد) جو بہت بڑے پایہ کے فاضل تھے، جب ۵۰۴ھ میں نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے اور مسند درس پر جا کر بیٹھے، تو بے اختیار ان پر رقت طاری ہوئی بار بار یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے ؎

خلت الدیار فسدت غیر مسوّدٖ — ومن الشقاء تفردی بالسؤددٖ

ملک بڑوں سے خالی ہوگیا تو میں ہی سردار بنا — اور میرا سردار بنا درحقیقت ملک کی بدنصیبی ہے

دار الخلافہ میں امام صاحب کا اقتدار اور اثر

غرض امام صاحب جمادی الاولی ۴۸۴ھ میں بڑی عظمت و شان و جاہ و حشم کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور نظامیہ کی مسند درس کی زینت دی۔ تھوڑے ہی دن میں انکے علم و فضل کا یہ اثر ہوا کہ ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے بلکہ جیساکہ سبکی نے طبقات میں لکھا ہے۔ انکے جاہ و جلال نے وزرا، امرا، کو بھی دبا لیا۔ یہانتک کہ سلطنت کے اہم اور مہتمم بالشان معاملات انکی شرکت کے بغیر انجام نہیں پا سکتے تھے اس زمانہ میں اسلام کے جاہ و جلال کے دو مرکز تھے، خاندان سلجوقی، اور آل عباس، امام صاحب دونو درباروں میں نہایت محترم تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خود اسبات کا ذکر کیا ہے۔ انکے الفاظ یہ ہیں۔ بست سال در ایام سلطان شہید (یعنی ملک شاہ سلجوقی) روزگار گذاشت و از و بہ اصفہان و بغداد اقبالہا دید، چند بار میان سلطان و امیر المؤمنین رسول بود در کارہای بزرگ۔[۲]

ملک شاہ سلجوقی نے ۴۸۵ھ میں جب وفات پائی تو شاہ محل ترکان خاتون نے امرا، اور اہل دربار کو اسبات پر آمادہ کیا کہ اس کا چہار سالہ بیٹا محمود تاج و تخت کا مالک ہو۔ اسکے ساتھ خلیفہ مقتدر باللہ سے جو اسوقت بغداد کے تخت خلافت پر متمکن تھا درخواست کی کہ خطبہ بھی اسی کے نام کا پڑھا جائے۔ خلیفہ نے اپنی کمزوری کے لحاظ سے یہ منظور کیا کہ سلطنت کے تمام کاروبار ترکان خاتون ہی کے زیر حکومت انجام پائیں لیکن خطبہ عباسی ہی خاندان میں قائم رہے۔ ترکان خاتون کو خطبہ اور سکہ پر اصرار تھا اور وہ کسی طرح اسکے خلاف راضی نہیں ہوتی تھی۔ جب یہ مشکل کسی طرح حل نہ ہو سکی تو امام غزالی کو سفیر بنا کر بھیجا گیا اور انکے حسن تقریر یا تقدس کے اثر سے خاتون راضی ہوگئی اور ایک بڑا فتنہ فرو ہوگیا۔[۳]

امام صاحب کا ایک بڑی ملکی مہم حل کرنا

۴۸۷ھ میں جب خلیفہ مقتدر باللہ نے وفات پائی اور خلیفہ مستظہر باللہ عہدہ خلافت کیلئے پیش کیا گیا تو اوس کی

[۱] ابن خلکان کا تذکرہ فخر الاسلام شاشی [۲] مکاتبات امام غزالی صفحہ، مطبوعہ آگرہ [۳] کامل ابن اثیر واقعات ۴۸۵ھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیعت میں اور اراکین سلطنت کیساتھ امام غزالی بھی شریک تھے مستظہر نہایت علم دوست اور قدر دان تھا اسلئے امام صاحب سے خاص قسم کا ربط رکھتا تھا فرقہ باطنیہ نے جب زور پکڑا تو خلیفہ مذکور نے امام صاحب کو حکم بھیجا کہ انکے رد میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ امام صاحب نے خلیفہ ہی کے نام سے اس کتاب کو منسوب کیا اور مستظہر نام رکھا چنانچہ خود امام صاحب نے المنقذ من الضلال میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

یہ حکومت وخلافت کے تعلقات کی حالت تھی علمی پایہ یہ تھا کہ انکے درس میں تین سو مدرسین اور سو امرا اور رؤسا حاضر ہوتے تھے، درس کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے اور چونکہ وہ وعظ میں ہمیشہ علمی مطالب بیان کرتے تھے یہ وعظ بھی در حقیقت علمی لکچر ہوتے تھے، چنانچہ ان وعظوں کو شیخ صاعد بن الفارس المعروف بابن اللبان قلمبند کرتے جاتے تھے اسطرح اکیسو تراسی وعظ قلمبند کئے گئے جنکا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوا امام صاحب نے اس مجموعہ پر نظر ثانی کی اور اسکا نام مجالس غزالیہ رکھا

تعلقات کا ترک اور عزلت وسیاحت

امام صاحب کے ترک تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جاسکتا ہے دنیاوی تعلقات اور بہت سے بزرگوں نے بھی ترک کئے ہیں لیکن امام صاحب کی بے تعلقی کے اسباب بالکل نئی قسم کے ہیں، امام صاحب نے منقذ من الضلال میں خود اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے ہم اسکو مزید تفصیل کیساتھ جو اور کتابوں سے حاصل کی گئی ہے اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب نے جس قسم کی تعلیم وتربیت پائی تھی اس کا مقتضا یہ تھا کہ وہ اپنے اہل مذہب کے طریقہ کے سوا کسی طرف التفات نکرتے چنانچہ انکے تمام ہمعصروں کی یہی حالت تھی لیکن امام صاحب ابتدا ہی سے ایک خاص قسم کی طبیعت رکھتے تھے انکا مذاق یہ تھا کہ انکے سامنے جسقدر مذہبی فرقہ موجود تھے اور انکے خیالات تھے سب پر وہ غور کی نگاہ ڈالتے تھے نیشاپور وغیرہ میں سلجوقیہ اثر کی بدولت دوسرے مذہب کا بہت کم چرچا تھا لیکن بغداد دنیا بھر کے عقاید اور خیالات کا دنگل تھا اس زمین پر قدم رکھکر ہر شخص پورا آزاد ہو جاتا تھا اور جو کچھ چاہتا تھا کہہ سکتا تھا شیعی سنی معتزلی زندیق ملحد مجوسی عیسائی۔ بغداد ہی کے دنگل میں باہم علمی لڑائیاں لڑتے تھے۔ اور کوئی شخص ان سے معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ اس آزادی کی بدولت ہر قسم کے مختلف عقاید وخیالات پھیلے ہوئے تھے امام غزالی بغداد پہنچے تو ایک ایک فرقہ اور اہل مذہب سے ملے اور انکے خیالات سے وہ خود لکھتے ہیں کہ میں ایک ایک باطنی۔ ظاہری فلسفی۔ متکلم۔ زندیق سے ملتا اور انکے خیالات دریافت کرتا تھا، ان مختلف فرقوں کیساتھ ملنے جلنے سے امام صاحب پر جو اثر ہوا جس نے انکی زندگی کا قالب بالکل بدل دیا اسکو ہم امام صاحب ہی کے الفاظ میں نہایت اختصار کیساتھ لکھتے ہیں۔

چونکہ میری طبیعت ابتدا سے تحقیقات کی طرف مائل تھی اسلئے رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے انکی وقعت جاتی رہی میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقاید تو عیسائی

لہ امام صاحب نے خود منقذ من الضلال کے صفحہ ۲۰۸ میں تین سو کی تعداد بیان کی ہے لیکن انکو طالب علموں کے لفظ سے تعبیر کیا ہے علامہ مرتضی نے صفحہ ۲۵ میں طلبا کے بجائے مدرس لکھا ہے دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ امام غزالی سے جو طلبا تعلیم پاتے تھے وہ تقریباً فارغ التحصیل ہوتے تھے اسلئے انکو مدرس بھی کہا جاسکتا ہے اور طالبعلم بھی لیکن امرا اور رؤسا کی تعداد کا ذکر صرف علامہ مرتضی نے کیا ہے ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہودی سبھی رکھتے ہیں۔ حقیقی علم اسکا نام ہی کہ کسی قسم کے شبہہ کا احتمال تک نہ رہنے پائے مثلاً یہ امر یقینی ہی کہ دس کا عدد تین سے زائد ہی اب اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں تین زاید ہی اور اسکے ثبوت میں وہ شخص یہ کہے کہ میرا دعوی حق ہی کیونکہ میں عصا کو سانپ بنا سکتا ہوں اور وہ بنا کر دکھا بھی دے) تو میں کہوں گا کہ بے شبہہ عصا کا سانپ بنجانا سخت حیرت انگیز ہے لیکن اس سے اس یقین میں فرق نہیں آسکتا کہ دس تین سے زائد ہے۔

اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم مجکو کس حد تک ہی معلوم ہوا کہ صرف حسیات اور بدیہیات لیکن جب کد و کاوش بڑہی تو حسیات میں بھی شک ہونے لگا، یہانتک کہ کسی اسمی کی نسبت یقین نہیں رہا قریباً دو مہینہ تک یہی حالت رہی، پھر خدا کے فضل سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کی نسبت جو شکوک تھے باقی رہے۔ اس وقت جسقدر فرقے موجود تھے چار تھے متکلمین، باطنیہ۔ فلاسفہ۔ صوفیہ، میں نے ایک ایک فرقہ کے علوم و عقائد کی تحقیقات شروع کی علم کلام کے متعلق جسقدر قدما کی تصنیفات تھیں سب پڑہیں لیکن وہ میری تسلی کیلئے کافی نہ تھیں کیونکہ انمیں جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہی انکی بنا تقلید ہی یا اجماع، یا قران و حدیث کے نصوص اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلہ بطور حجت پیش نہیں کیجا سکتیں جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہ ہو۔

فلسفہ کا جسقدر حصہ یقینی ہی یعنی ریاضیات وغیرہ اسکو مذہب سے تعلق نہیں اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی الہیات وہ یقینی نہیں فرقہ باطنیہ کے عقائد کا تمام تر مدار امام وقت کی تقلید پر ہے لیکن امام وقت کی حقیقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے فلسفہ باطنیہ تصوف

سب سے اخیر میں نے تصوف کی طرف توجہ کی اس فن میں حضرت جنید، شبلی، بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں انکو دیکھا۔ ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور حرث محاسبی کی تصنیفات پڑہیں لیکن چونکہ یہ فن دراصل عملی فن ہی اسلیئے صرف علم سے کچھہ نتیجہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا اور عمل کیلئے ضرور تھا کہ زہد و ریاضت اختیار کیجائے، ادہر اپنے اشغال کو دیکھا تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا۔ درس و تدریس کیطرف طبیعت کا میلان اسوجہ سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرت عامہ کا ذریعہ تھی ان واقعات نے دل میں تحریک پیدا کی کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا لیکن چھ مہینے تک لیت و لعل میں گذرے نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ ایسی بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے ان تردودات میں نوبت یہانتک پہنچی کہ زبان رک چلی درس دینا بند ہو گیا رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی آخر طبیبوں نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور کہہ دیا کہ ایسی حالت میں علاج کچھہ سود مند نہیں ہو سکتا۔ بالاخر میں نے سفر کا قطعی ارادہ کر لیا۔ علما اور ارکان سلطنت کو جب یہ خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کیساتھ روکا اور حسرت سے کہا کہ اسلام کی بدنصیبی ہے ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہو جانا شرعاً کیونکر جائز ہو سکتا ہی تمام علما و فضلا یہی کہتے تھے لیکن میں اصل حقیقت کو سمجھتا تھا اسلیئے سب کو چھوڑ چھاڑ دفعتہً کھڑا ہوا اور شام کی راہ لی سچ ہے۔ شعر

ہیچ کارے گرچہ صاحب بے تامل خوب نیست
بے تامل آستیں افشاندن از دنیا خوش است

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ابن خلکان کی روایت کے موافق ذوقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے۔

امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے عجیب ذوق اور وارفتگی کی حالت تھی پرتکلف اور قیمتی لباس کے بجائے بدن پر کمل تھا اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گذران تھی۔

امام صاحب کا بیخودی کی حالت میں بغداد سے نکلنا

بعض روایتوں میں ہے کہ امام صاحب مدت سے ترک دنیا کا ارادہ کر رہے تھے لیکن تعلقات کی بندشیں چھوٹ نہیں سکتی تھیں ایک دن وعظ کہہ رہے تھے اتفاق سے انکے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی جو صوفی اور صاحب حال تھے آنکلے اور یہ اشعار پڑھے

واصبحت تھدی ولا تھتدی	وتسمع وعظا ولا تسمع
تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت نہیں کر سکتے	اور وعظ سناتے ہو لیکن خود نہیں سنتے
فیا حجر الشحذ حتی متی	تسن الحدید ولا تقطع
اے سنگ فساں! کب تک	تو لوہے کو تیز کرتا رہے گا لیکن خود نہ کاٹے گا

عرض بغداد سے نکل کر شام کا رخ کیا۔ اور دمشق پہنچکر مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے روزانہ یہ شغل تھا کہ جامع اموی کے غربی منارہ پر چڑھکر دروازہ بند کر لیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے متصل دو برس تک دمشق میں قیام رہا اگرچہ زیادہ اوقات مراقبہ و مجاہدہ میں گذری تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے جامع اموی جو دمشق کی گویا یونیورسٹی تھی۔ اس میں غربی جانب جو زاویہ تھا وہاں بیٹھکر ہمیشہ درس دیا کرتے تھے۔

دمشق کا قیام اور مراقبہ و مجاہدہ

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ "خلوت اور ریاضت کا طریقہ اپنے تصوف کی کتابوں سے سیکھا تھا لیکن چونکہ یہ علم کتابوں سے نہیں آتا۔ اس لئے ضرور کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوگی تمام مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ امام صاحبکو شیخ ابو علی فارمدی (الفضل بن محمد بن علی) سے بیعت تھی شیخ موصوف بہت عالی رتبہ صوفی تھے نظام الملک ان کا اسقدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ دربار میں تشریف لیجاتے تو تعظیم کے واسطے کھڑا ہو جاتا اور انکو اپنی مسند پر بٹھا کر خود مودب سامنے بیٹھتا حالانکہ امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری کیلئے وہ صرف قیام پر اکتفا کرتا اور اپنی مسند سے الگ نہ ہوتا لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو کہا کہ امام الحرمین وغیرہ آتے ہیں تو میرے منہ پر میری تعریفیں کرتے ہیں جس سے میرا نفس اور زیادہ نخوت پرست ہو جاتا ہے۔ بخلاف اسکے شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب سے مجکو مطلع کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ رعایا پر سے ہاتھ کیا ظلم ہو رہا ہے چونکہ شیخ موصوف نے ۴۷۷ھ میں بمقام طوس وفات پائی اسلئے ضرور ہے کہ امام غزالی نے طالب علمی ہی کے زمانے میں جب انکی عمر ۲۷ برس سے زیادہ نہ تھی فقر کی بیعت حاصل کی ہوگی

امام صاحب کے پیر شیخ فارمدی

شیخ فارمدی سے امام صاحب نے کس زمانہ میں بیعت کی ہوگی

دو برس کے بعد دمشق سے بیت المقدس کا رخ کیا، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب امام صاحب دمشق میں تھے تو ایک مدرسہ امینیہ میں تشریف لیگئے۔ مدرس نے جو امام صاحب کو پہچانتا نہ تھا سلسلہ تقریر میں کہا کہ "غزالی نے یہ لکھا ہے" امام صاحب اس خیال سے کہ امر عجب اور غرور کا سبب ہوگا اسی وقت دمشق سے نکل کھڑے ہوئے۔ بہر حال دمشق سے نکل کر بیت المقدس پہونچے۔ یہاں بھی یہ شغل رہا کہ صخرہ کے حجرے میں داخل ہو کر

بیت المقدس پہنچنا

۱ے منقذ من الضلال صفحہ ۲۲ ۲ے ابن خلکان ۱۲ ۳ے ابن الاثیر وفات نظام الملک کے حالات میں ۴۸۵ھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے تھے[۱]

بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر مقام خلیل گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے پھر حج کی نیت سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مکہ میں مدت تک قیام رہا[۲] اسی سفر میں مصر اور اسکندریہ بھی پہنچے اور اسکندریہ میں مدت تک قیام رہا ابن خلکان کا بیان ہے[۳] کہ یہاں سے یوسف بن تاشقین کے ملنے کیلئے مراکش جانا چاہتے تھے لیکن اسی اثنا میں یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اور اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔ ...زیارت

بعض بزرگون نے اس روایت کی صحت میں اس لحاظ سے شک کیا ہے کہ امام صاحب تارک الدنیا ہو چکے تھے کسی امیر اور بادشاہ سے کیوں ملنے چلنے جاتے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب جس امن و اطمینان و بے تعلقی سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ ان ممالک میں نصیب نہیں ہو سکتی تھی اسلئے مراکش کا قصد کیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں غرض دس برس متصل مقامات متبرکہ میں پھرتے رہے اکثر ویرانوں میں نکل جاتے اور چلے کھینچتے تھے اس دلچسپ سفر کے دلچسپ واقعات بہت کم معلوم ہو سکے جستہ جستہ پتہ چلتا ہے وہ ذیل میں درج ہے سفر کے دلچسپ حالات

ایک شخص نے انکو بیابان میں دیکھا اسوقت ایک خرقہ بدن پر تھا اور ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی وہ انکو چار سو شاگردوں کے حلقہ میں دیکھ چکا تھا حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ کیا درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے۔ امام صاحب نے حقارت کی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور یہ اشعار پڑھے[۴]۔

ترکت هوى ليلى وسعدى بمعزل	وعدت الى مصحوب اول منزل
فنادت بى الاشواق مهلاً فهذه	منازل من تهوى رويدك فانزل

۴۹۹ھ میں جب مقام خلیل میں پہنچے تو حضرت ابراہیم کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا۔ (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نجاؤنگا (۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لونگا (۳) کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہ کرونگا[۵]۔ چنانچہ مرتے دم تک ان باتوں کے پابند رہے۔ مقام خلیل میں تین باتوں کا عہد

بیت المقدس میں ایک دن مہد عیسیٰ میں یعنی جہاں حضرت عیسیٰ کا گہوارہ تھا حاضر ہوئے چند مقدس بزرگ یعنی اسمٰعیل حاکمی۔ ابراہیم شباکی۔ ابوالحسن بصری وغیرہ بھی ساتھ تھے دیر تک صحبت رہی امام صاحب نے ذوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے[۶]

فديتك لولا الحب كنت فديتني	ولكن بسحر المقلتين سبيتني
اتيتك لما ضاق صدرى عن الهوى	ولو كنت تدرى كيف شوقى اتيتني

ابوالحسن بصری پر وجد کی حالت طاری ہوئی جس سے تمام حاضرین پر اثر ہوا یہانتک کہ اکثروں نے گریبان چاک کر ڈالے

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے احیاء العلوم اسی سفر میں تصنیف کی اور دمشق میں اس کتاب[۷] کو ہزاروں شائقین نے

[۱] مورخین نے امام صاحب کے سفر کے حالات مختلف طور سے بیان کئے ہیں اسلئے میں نے خود امام صاحب کی تحریر پر اعتماد کیا ہے دیکھو المنقذ من الضلال[۲] مکاتیب امام غزالی صفحہ ۔ [۳] شرح احیاء صفحہ ۷ [۴] مکاتیب صفحہ ۱ [۵] شرح احیاء صفحہ ۸ [۶] شرح احیاء صفحہ ۷ [۷] مکاتیب صفحہ ۱

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خود انہی سے پڑہا[1] بعض نامور مورخوں نے اس واقعہ کی صحت سے اس بناپر انکار کیا ہے کہ اس قسم کے سفر میں اس طرز کی کتاب کیونکر تصنیف کی جاسکتی ہے؟ بے شبہ امام صاحب جس جذب وبیخودی کی حالت میں سفر کیلئے اٹھے اسکے لحاظ سے تصنیف وتالیف کا مشغلہ قیاس میں نہیں آسکتا لیکن زیادہ تحقیق اور کاوش سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس کی مدت سفر میں انکی یکساں حالت نہیں رہی مدتوں اگرچہ ان پر جذب ومحویت طاری رہی تو برسوں وہ سلوک کے عالم میں بھی رہے اور اس زمانہ میں وہ ہر قسم کے علمی اشغال میں مصروف رہتے تھے۔ رسالہ قواعد العقائد جو علم عقائد میں ہے انہوں نے اسی سفر میں بیت المقدس والوں کی فرمائش سے لکھا۔ ابو الحسن علی بن مسلم جو امام صاحب کے شاگرد ہیں بہت بڑے فاضل گذرے ہیں اور جنکو قوم کی زبان سے جمال الاسلام کا لقب ملا، انہوں نے سفر ہی کے زمانہ میں بمقام دمشق امام صاحب سے علوم کی تحصیل کی تھی امام صاحب نے خود منقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ حج کرنے کے بعد اہل وعیال کی کشش نے وطن پہنچایا حالانکہ میں وطن کے نام کوسوں بھاگتا تھا۔ وطن پہنچکر میں نے عزلت وخلوت اختیار کی لیکن زمانہ کی ضرورتیں اور معاش کی تلاش میری صفائی قلب کو مکدر کر دیتی تھیں اور دلجمعی واطمینان کا وقت جستہ جستہ ہاتھ آتا تھا غرض اس بے تعلقی کے زمانہ میں بھی امام صاحب کی یہ حالت رہی کہ

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ امام صاحب کو جس چیز نے بیاباں نوردی پر آمادہ کیا تھا وہ تحقیق حق اور انکشاف حقیقت کا شوق تھا امام صاحب کا بیان ہے کہ مجاہدات اور ریاضیات نے قلب میں ایسی صفائی پیدا کر دی کہ تمام حجاب اٹھ گئے، اور جس قدر شک وشبہے تھے آپ سے آپ جاتے رہے۔ انکشاف حق کے بعد امام صاحب نے دیکھا کہ زمانہ کا رنگ مذہب کی طرف سے متزلزل ہو رہا ہے اور فلسفہ اور عقلیات کے مقابلہ میں مذہبی عقائد کی ہوا اکھڑتی جاتی ہے، یہ دیکھکر ارادہ کیا کہ عزلت کے دائرے سے نکلیں حسن اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں سلطان وقت کا حکم پہنچا کہ "درس وافادہ کی خدمت قبول کیجئے" یہ حکم اسقدر تاکیدی تھا کہ امام صاحب انکار کرتے تو ناراضی تک نوبت پہنچتی امام صاحب اب بھی متامل تھے اور اسلئے صوفی احباب سے مشورہ کیا سب نے عزلت چھوڑنے کی رائے دی، بہت سے مقدس لوگوں کو خواب میں القا ہوا کہ یہی امر خدا کی خوشنودی کا باعث ہے سب سے بڑھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ حدیث وارد ہے کہ خدا ہر نئی صدی کے آغاز پر ایک مجدد پیدا کرتا ہے اتفاق سے پانچویں صدی کے آغاز کو ایک ہی مہینہ باقی تھا غرض ذوقعدہ ۴۹۹ھ میں امام صاحب نے نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں مسند درس کو زینت دی اور بدستور پھر پڑھانے میں مشغول ہوئے[2]

امام صاحب نے سلطان وقت کے لفظ سے جسکو تعبیر کیا ہے وہ فخر الملک تھا جو نظام الملک کا سب سے بڑا بیٹا۔ اور اس زمانہ میں سنجر سلجوقی (پسر ملک شاہ) کا وزیر اعظم تھا، وہ نہایت علم دوست اور پایہ شناس تھا امام غزالی کے تقدس اور جامعیت کا شہرہ سنکر خود انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت اخلاص وعقیدت ظاہر کی، اسکے ساتھ نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ نظامیہ نیشاپور کی مدرسی قبول فرمائیے[3]

اسی سفر میں احیاء العلوم تصنیف کی

دوبارہ درس وتدریس

نظامیہ نیشاپور میں تدریس

[1] شرح احیاء صفحہ ۱۹ [2] المنقذ من الضلال صفحہ ۲۰ [3] شرح احیاء العلوم بحوالہ تاریخ عبدالغافر ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فخر الملک محرم ۵۰۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اور غالباً اسکی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد امام صاحب نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی کرکے طوس میں خانہ نشینی اختیار کی، گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں مرتے دم ظاہر اور باطنی دونوں علموں کی تلقین کرتے رہے۔

نظامیہ سے کنارہ کشی

امام صاحب کی مقبولیت عام جسقدر روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی انکے حاسدوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا خصوصاً امام صاحب نے احیاء العلوم میں جسطرح تمام علماء و مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی اسنے ایک زمانہ کو انکا دشمن بنادیا تھا۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ ایک گروہ کثیر نے مخالفت پر کمر باندھی اور علانیہ انکی آبروریزی کی فکر میں ہوئے۔ اس زمانے میں خراسان کا فرمانروا سنجر بن ملک شاہ سلجوقی تھا، اس خاندان کو امام صاحب کیساتھ نہایت حسن عقیدت تھی امام ابو حنیفہ کے مزار پر اول اسی خاندان نے گنبد اور روضہ تعمیر کرایا تھا۔

امام صاحب حاسدین

امام صاحب نے آغاز شباب میں ایک کتاب منخول نام اصول فقہ میں تصنیف کی تھی جس میں ایک موقع پر امام ابو حنیفہ صاحب پر نہایت سختی کیساتھ نکتہ چینی کی تھی، اور نہایت گستاخانہ الفاظ انکی شان میں استعمال کئے تھے امام صاحب کے مخالفین کیلئے یہ ایک عمدہ دستاویز تھی، یہ لوگ سنجر کے دربار میں یہ کتاب لیکر پہنچے اور زیادہ آب و رنگ چڑھا کر پیش کیا اسکے ساتھ امام صاحب کی اور تصنیفات کے مطالب بھی الٹ پلٹ کر بیان کئے اور دعوی کیا کہ غزالی کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں۔ سنجر خود صاحب علم نہ تھا کہ بدگویوں کی شکایتوں کا خود فیصلہ کرسکتا، جبہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اسکو یقین آگیا اور امام غزالی کی حاضری کا حکم دیا، امام صاحب عہد کرچکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائینگے ادھر فرمان شاہی کا بھی لحاظ تھا اسلئے

امام صاحب کی مخالفت

سلطان سنجر کا امام صاحب کو طلب کرنا

۱ شرح احیاء صفحہ ۹۔ ۲ ابن خلکان تذکرہ الپ ارسلان ۳ امام صاحب پر مخالفین کی یورش اور حکومت کے ذریعہ سے انکی بے آبروئی کی تحریک ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے۔ لیکن واقعہ کے بعض خصوصیات نہایت بحث طلب ہیں

(۱) واقعی طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ کون تھا۔ ہمنے سنجر کا نام لیا ہے جسکے چند وجوہ ہیں۔ اول تو شمس الائمہ کردری نے منخول کی رد میں جو کتاب لکھی ہے اسمیں سنجر کے نام کی تصریح کی ہے۔ دوسرے یہ کہ مکاتبات امام غزالی میں لکھا ہے کہ سلطان نے معین الملک کو غزالی کے حاضر ہونیکا حکم دیا اور یہ یقینی ہے کہ معین الملک سنجر کا وزیر تھا جیساکہ ابن اثیر نے واقعات ۵۲۱ھ میں تصریح کی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مکاتبات غزالی میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے اس واقعہ کے بعد نصیحۃ الملک نام ایک کتاب لکھکر بادشاہ کو بھیجی صاحب کشف الظنون نے التبر المسبوک کے نام کے ذیل میں جو نصیحت الملک کا ترجمہ لکھا ہے کہ یہ کتاب امام غزالی نے محمد بن ملک شاہ سلجوقی کیلئے لکھی اسکے مؤید یہ امر ہے کہ جبتک محمد بن ملک شاہ زندہ رہا تاج و تخت کا اصلی مالک وہی تھا اور سلطان سنجر نیابتہ کام کرتا تھا (۲) منخول کی نسبت فیصلہ نہیں ہوتا کہ کس زمانہ کی تصنیف ہے مکاتبات امام غزالی اور طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی میں لکھا ہے کہ شباب کی تصنیف ہے جب امام الحرمین زندہ تھے لیکن امام غزالی نے خود اپنی کتاب مستصفی فی اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ منخول احیاء العلوم کیمیائے سعادت اور جواہر القرآن کی تصنیف ہے منخول اسوقت ہمارے پیش نظر ہے اسکا طرز تحریر علانیہ شہادت دیتا ہے کہ وہ ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے خصوصاً امام ابو حنیفہ کی شان میں جو گستاخیاں ہیں وہ ہرگز اس زمانہ کی نہیں ہوسکتیں جب وہ تارک الدنیا صوفی ہوچکے تھے اور اس قسم کی طرز تحریر سے قطعی توبہ کرچکے تھے مکاتبات میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے انکار کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ کی شان میں کبھی گستاخانہ الفاظ نہیں استعمال کئے اسلئے یا تو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ اسقدر عبارت جو امام ابو حنیفہ کی تنقیص میں ہے الحاقی ہے یا یہ قرار دینا چاہئے کہ جو کتاب امام غزالی نے شباب میں تصنیف کی تھی وہ منخول نہیں بلکہ اور کوئی کتاب تھی اور امام صاحب نے بعد اسکو اپنی تصنیفات سے خارج کردیا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مشہد رضا تک گئے اور وہاں ٹھہر کر سلطان کو زبان فارسی میں ایک مفصل خط لکھا اس کے بعض فقرے جو مطلب سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہیں۔ اپنی نسبت لکھتے ہیں "بست سال در ایام سلطان شہید (یعنی ملک شاہ) روزگار گذاشت و از وبہ اصفہان و بغداد اقبالہا دید، وچند بار میاں سلطان و امیر المومنین رسول بود در کارہائے بزرگ و در علوم دین نزدیک ہفتاد کتاب تصنیف کرد، پس دنیا را چنانکہ بود بدید و بجملگی بینداخت و مدتے در بیت المقدس و مکہ قیام کرد و سر مشہد ابراہیم خلیل عہد کرد کہ ہرگز بپیش ہیچ سلطان نہ رود و مال ہیچ سلطان نگیرد و مناظرہ و تعصب نکند۔ دوازدہ سال بریں وفا کرد امیر المومنین و ہمہ سلطان دعاگوئے را معذور داشتند اکنوں شنیدم کہ از مجلس اعلیٰ اشارتے رفتہ است بحاضر آمدن فرمان را بہ مشہد رضا آمدم و نگاہ داشت عہد خلیل را بہ لشکر گاہ نیامدم"

امام صاحب کا وعظ

اس خط کو پڑھکر سلطان امام صاحب کی زیارت کا مشتاق ہوا، اور درباریوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ رو در رو باتیں کر کے انکے عقائد و خیالات سے واقف ہوں۔ مخالفین کو یہ حال معلوم ہوا تو ڈرے کہ کہیں بادشاہ پر امام صاحب کا جادو نہ چلجائے اسلئے یہ کوشش شروع کی کہ امام صاحب لشکر گاہ تک آئیں لیکن دربار تک نہ جانے پائیں بلکہ باہر ہی مناظرہ کی مجلس قائم ہو اور امام صاحب کو مناظرہ اور مباحثہ میں نیچ کیا جائے، طوس کے علماء و فضلانے یہ خبر سنی تو لشکر گاہ میں پہنچے اور مخالفین سے کہا کہ ' ہم لوگ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسائل بحث طلب ہمارے سامنے پیش کیے جائیں، جب ہم عہدہ برا نہو سکیں، تو امام صاحب کو تکلیف دیجائے تمہارا یہ رتبہ نہیں کہ امام صاحب تمکو مخاطب بنائیں' ان جھگڑوں کی وجہ سے سنجر نے یہی مصلحت سمجھی کہ امام کو سامنے بلا کر فیصلہ کر لیا جائے معین الملک کو جو وزیر اعظم تھا امام صاحب کی طلبی کا حکم دیا امام صاحب ناچار لشکر گاہ میں آئے اور معین الملک بڑے عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور انکے ساتھ ساتھ سنجر کے دربار تک گیا سنجر تعظیم کیلئے اٹھا اور معانقہ کے بعد سریر شاہی پر جگہ دی امام صاحب ہرچند بڑے بڑے دربار دیکھ چکے تھے تاہم سنجر کے جاہ و جلال سے مرعوب ہوئے اور جسم پر رعشہ پڑ گیا ایک قاری ساتھ تھا اس سے کہا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھو اسنے یہ آیت پڑھی الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں ہے اس آیت کے اثر سے دل قوی ہوگیا سنجر کیطرف خطاب کیا اور ایک طول طویل تقریر کی جو بعینہ انکے مکاتب میں درج ہے گفتگو کے خاتمہ پر کہا کہ مجکو دو باتیں عرض کرنی ہیں ایک یہ کہ طوس کے لوگ پہلے ہی بد انتظامی اور ظلم کیوجہ سے تباہ تھے۔ اب سردی اور قحط کیوجہ بالکل برباد ہوگئے انپر رحم کر خدا تجھپر بھی رحم کریگا افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوق ہائے زریں کے بار سے

امام صاحب کا سنجر کے دربار میں جانا

دوسرے یہ کہ میں بارہ برس سے گوشہ نشین رہا۔ پھر فخر الملک نے یہاں آنے کیلئے اصرار کیا میں نے کہا کہ یہ وہ وقت ہے کہ کوئی شخص ایک بات بھی سچ کہنی چاہے تو زمانہ اسکا دشمن ہوجاتا ہے لیکن فخر الملک نے نہ مانا اور کہا کہ بادشاہ عادل ہے اگر کوئی بات خلاف ہوگی تو میں سینہ سپر ہوں گا۔

بادشاہ وقت

"میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ پر طعن کئے ہیں محض غلط ہے امام ابو حنیفہ کی نسبت میرا وہی اعتقاد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں جو مینے کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے میں انکو فن فقہ میں انتخاب روزگار خیال کرتا ہوں۔

امام صاحب کی تقریر سنکر سنجر نے کہا کہ آج عراق و خراسان کے تمام علماء کا مجمع ہوتا تو سب لوگ آپ کے کلام سے مستفید ہوتے تاہم یہ حالات آپ اپنے ہاتھ سے قلمبند کیجئے تاکہ تمام ممالک میں مشتہر کئے جائیں جس سے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ میرا اعتقاد علماء کی نسبت کیسا ہے آپکو درس کی خدمت ضرور قبول کرنی ہوگی فخر الملک جسنے آپکو نیشاپور کے قیام پر مجبور کیا تھا میرا ادنی خادم تھا میں حکم دونگا کہ تمام علما سال بھر میں ایک بار آپکی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنی مشکلات آپ سے حل کریں۔

سنجر پر امام صاحب کی تقریر کا اثر

دربار شاہی سے اٹھکر امام صاحب شہر (طوس) میں آئے تمام شہر استقبال کو نکلا اور لوگوں نے جشن عام کرکے امام صاحب پر زر و جواہر نثار کئے مخالفین اب بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔ امام صاحب کے پاس جاکر انسے پوچھا کہ آپ مذہب میں کس کے مقلد ہیں امام صاحب نے کہا۔ عقلیات میں عقل کا، اور منقولات میں قرآن کا آئمہ میں سے کسی کا مقلد نہیں۔ مخالفین یہ سنکر اٹھ کھڑے ہوئے اور امام صاحب کی بعض تصنیفات (مشکوۃ الانوار و کیمیائے سعادت) پر اعتراضات لکھکر بھیجے امام صاحب نے تحقیق اور تفصیل کیساتھ ان اعتراضوں کا جواب لکھا چنانچہ مکاتبات میں یہ جواب بعینہ منقول ہیں۔

یہ فتنہ تو فرو ہوگیا لیکن امام صاحب کی شہرت و مقبولیت انکو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی ۵۰۴ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ[1] نے جب نظام الملک کے بڑے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کرکے قوام الدین نظام الملک صدر الاسلام کا لقب دیا تو اسنے امام صاحب کو پھر بغداد میں بلانا چاہا۔ بغداد کا نظامیہ تمام دنیا میں مسلمانوں کا علمی مرکز تسلیم ہوچکا تھا، اور نہایت دور دراز ملکوں سے لوگ تکمیل تعلیم کیلئے وہاں جاتے تھے اس بنا پر ارکان سلطنت ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہتے تھے کہ اسکی علمی حیثیت میں فرق نہ آنے پائے۔ امام غزالی نے جب نظامیہ کو چھوڑا تھا تو اپنے چھوٹے بھائی کو اپنا نائب مقرر کر گئے لیکن یہ ایک عارضی انتظام تھا امام صاحب کیطرف سے مایوسی ہوئی تو مستقل انتظام کیا گیا۔ لیکن امام صاحب کے رتبہ کا شخص کہاں مل سکتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نظامیہ کا وہ اثر نہ رہا۔ احمد جب مسند وزارت پر متمکن ہوا تو سب سے پہلے اس مہم پر توجہ کی خلیفہ بغداد کو خود بھی اسکا بہت خیال تھا خراسان جسمیں طوس واقع ہے سلطان سنجر کے زیر حکومت تھا اور صدر الدین محمد بن فخر الملک بن نظام الملک سنجر کا وزیر تھا۔ احمد نے صدر الدین کو ایک خط لکھا کہ امام غزالی کو نظامیہ بغداد کی مدرسی کیلئے آمادہ کیا جائے اسکے ساتھ امام صاحب کے نام کا بھی خط تھا کہ دونو خط انکی خدمت میں ساتھ بھیجے جائیں۔ (خط کے جستہ جستہ فقرے درج ذیل ہیں۔

امام صاحب کا نظامیہ بغداد کے درس کے لئے طلب کیا جانا

پوشیدہ نیست کہ مدرسہ نظامیہ قدس اللہ ایا ہا مجد بزرگیست کہ خداوند شہید قدس اللہ (نظام الملک) آنرا ابتنا فرمودہ است در مقر خلافت معظم، و جوار زعامت مقدس جہاں جائیست کہ معدن علم دین و منبع فضل و موضع تدریس و ماوائے علما و مقصد مستفیداں و طلبہ علم است و اگرچہ آثار خداوند شہید در جہاں منتشر است۔ اما ہیچ اثرے بموضع تر ازاں نیست بحکم مجاورت

وزیر اعظم کا خط

[1] ملک شاہ سلجوقی نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے برکیارق۔ محمد۔ سنجر۔ سنجر سب میں چھوٹا تھا برکیارق اور محمد دونوں کو سلطنت کا دعوی تھا۔ اسلئے ہمیشہ خانہ جنگیاں رہیں برکیارق نے ۴۹۸ھ میں وفات پائی اس وقت سے محمد مستقل بادشاہ ہوا اور سنجر اسکا ولیعہد چنانچہ محمد جب تک زندہ رہا سنجر نے بالاستقلال حکومت کا دعوی نہیں کیا۔ ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سرائے عزیز مقدس نبوی (یعنی آستانہ) خلافت وتا جہاں باشد این خیر مخلد خواہد بود واین منقبت مؤید باد جملہ اہل البیت فریضہ است در تاسیس مبانی این مجد امبالغہ نمودن،،

اس خط سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں نے خلیفہ بغداد مستظہر باللہ سے التجا کی تھی کہ جسطرح ہوسکے امام غزالی کو نظامیہ کے درس کیلئے بلایا جائے چنانچہ وہ فقرے یہ ہیں۔

دربار خلافت سے امام صاحب کا طلب کیا جانا

ونیز از سرائے مقدس نبوی (یعنی ایوان خلافت) ذریعت نمودند وتدبیر آنرا مبالغہ فرمودند واین خطاب صادر شد تا صدر الدین بہ تحفظ این خبر جز بخواجہ اجل زین الدین حجۃ الاسلام فرید الزمان ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی ادام اللہ تمکنہ اہتمام نگیرد از انچہ ادیگانہ جہاں، وقدوہ عالم وانگشت نمائے روزگار است،،

اس فرمان پر دربار خلافت کے تمام ارکان کے دستخط تھے اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ حاشیہ بوسان خلافت۔ اور ارکان سلطنت سب امام صاحب کے قدوم پر چشم براہ ہیں"

احمد بن نظام الملک نے خود امام صاحب کو جو خط لکھا اسکا ماحصل یہ تھا کہ "اگرچہ آپ جہاں تشریف رکھیں گے وہی جگہ درسگاہ عام بن جائیگی لیکن جسطرح آپ مقتدائے روزگار ہیں آپکا قیام گاہ بھی وہی ہونا چاہیے جو تمام اسلام کا مرکز اور قبلہ گاہ ہو تاکہ دنیا کے ہر حصہ کے لوگ بآسانی وہاں پہنچ سکیں اور ایسا مقام صرف دار الاسلام بغداد ہے۔

امام صاحب کا انکار اور معذرت

امام صاحب نے ان خطوط و فرامین کے جواب میں ایک طول طویل خط لکھا اور بغداد نہ آنے کے متعدد عذر لکھے "ایک یہ کہ یہاں یعنی طوس میں اسوقت ڈیڑھ سو طلبا مصروف تحصیل ہیں جنکو بغداد جانے میں زحمت ہوگی دوسرے یہ کہ جب میں بغداد میں تھا تو میرے اہل وعیال نہ تھے اب بال بچوں کا جھگڑا ہے اور یہ ترک وطن کی زحمت نہیں اٹھا سکتے، تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نہ کرونگا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں ایکے سوا دربار خلافت میں سلام کرنے کیلئے حاضر ہونا ہوگا اور میں اسکو گوارہ نہیں کر سکتا سب سے بڑھکر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا اور بغداد میں کوئی میری جائداد نہیں"

غرض خلافت اور سلطنت کیطرف سے گو بہت کچھ اصرار ہوا لیکن امام صاحب نے صاف انکار کیا اور گوشہ عافیت سے باہر نہ نکلے۔

امام صاحب کا فن حدیث کی تکمیل کرنا

امام صاحب نے حدیث کا فن اثنائے تحصیل میں نہیں پڑھا تھا اب اسکی تکمیل کا خیال آیا۔ حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی ایک مشہور محدث تھے وہ اتفاقیہ طوس میں آگئے امام صاحب نے انکو اپنے ہاں مہمان رکھا اور انسے صحیح بخاری و مسلم کی سند لی حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ "امام صاحب نے صحیح بخاری ابو اسمعیل حفصی سے پڑھی"

امام صاحب اخیر عمر میں اگرچہ بالکل عابد مرتاض بنگئے تھے۔ اور شب وروز مجاہدات و ریاضیات میں بسر کرتے تھے تاہم تصنیف وتالیف کا مشغلہ بالکل ترک نہ ہوا۔ اصول فقہ میں مستصفی جو انکی نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے سنہ ۵۰۳ھ کی تصنیف ہے جس سے ایک برس کے بعد امام صاحب نے انتقال کیا۔

لہ شرح احیا، صفحہ ۹ و تذکرۃ الالفاظ تذکرہ رواسی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وفات

امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طابران انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی نے انکے مرنے کا قصہ انکے بھائی احمد غزالی کی روایت سے حسب ذیل لکھا ہے۔ وفات

پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑہی۔ پھر کفن منگایا اور آنکھوں سے لگایا اور کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر" یہ کہکر پاؤں پھیلا دئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا"

امام صاحب کے مرنیکا تمام اسلامی دنیا کو صدمہ ہوا اکثر شعرا نے مرثئے لکھے چند اشعار یہ ہیں۔

بکی علی حجۃ الاسلام حین ثوی	من کل حی عظیم القدر اشرفہ
تلات الوزیۃ تستواھی قوی جلدی	والطرف تسھرہ والدمع تنزفہ
صفی فاعظلم مفقود فجعت بہ	من لا نظیر لہ فی الناس یخلفہ

اولاد

امام صاحب نے اولاد ذکور نہیں چھوڑی، چند لڑکیاں تھیں جنمیں سے ایک کا نام ست المنی تھا انکی اولاد کے سلسلہ کا پتہ دور تک چلتا ہے، قیومی نے کتاب المصبح میں شیخ مجد الدین سے امام صاحب کے لقب کی نسبت ایک روایت نقل کی ہے شیخ مجد الدین چھٹی پشت میں ست المنی کی اولاد میں سے تھے اور ۷۱۰ھ میں موجود تھے۔

تلامذہ

امام صاحب کے شاگرد کثرت سے تھے، خود امام صاحب نے ایک ہزار کی تعداد بیان کی ہے، انہیں سے بعض بڑے نامور گذرے ہیں محمد بن تومرت جس نے اسپین میں خاندان تاشقین کو مٹاکر ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی امام صاحب ہی کا شاگرد تھا علامہ ابوبکر عربی جو علامہ اندلس میں شہر عام رکھتے ہیں امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اس موقع پر ہم انکے چند ممتاز شاگردوں کی ایک فہرست درج کرتے ہیں۔

نام	مختصر حال
قاضی ابو نصر احمد بن عبد اللہ	۴۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۴۴ھ میں وفات پائی طوس میں امام صاحب سے فقہ کی تکمیل کی۔
ابو الفتح احمد بن علی۔	مدرسہ نظامیہ میں متعدد علوم کا درس دیتے تھے ۵۱۸ھ میں وفات پائی۔
ابو منصور محمد بن اسمعیل۔	مشہور واعظ تھے۔ حدیث۔ سمعانی و لغوی سے پڑہی تھی۔
ابو سعید محمد بن اسعد۔	فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے۔
ابو حامد محمد بن عبد الملک۔	فقہ امام صاحب سے پڑہی۔ حدیث میں حافظ حمیدی کے شاگرد تھے۔
ابو سعید محمد بن علی کردی۔	امام صاحب کی کتاب الجام العوام کے راوی ہیں ادب میں مقامات حریری کے مصنف کے شاگرد تھے

[1] شرح احیا بحوالہ ابن جوزی صفحہ ۲۱ یہ فہرست شرح احیا سے لی گئی ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نام	مختصر حال
امام ابوسعید محمد بن یحییٰ نیشاپوری	مشہور عالم ہیں۔ امام صاحب کی کتاب کی شرح اول انہی نے لکھی۔
ابوطاہر امام ابراہیم۔	امام صاحب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ میرے شاگردوں میں سب سے ممتاز ہیں شام وغیرہ کے سفر میں یہ امام صاحب کے ہمرکاب تھے۔ امام الحرمین سے پڑھا تھا ۵۱۳ھ میں شہید ہوئے۔
ابوالفتح نصر بن محمد آذربائیجانی۔	فن تصوف امام صاحب سے سیکھا تھا۔
ابوالحسن سعد الخیر بن محمد اللبنسی۔	مشہور محدث اور سیاح تھے۔ سمعانی اور ابن جوزی نے حدیث میں انکی شاگردی کی ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔ امام صاحب سے فقہ پڑھی تھی۔
ابوطالب عبد الکریم رازی۔	انکو احیاء العلوم بر زبان یاد تھی۔ ۵۲۸ھ میں وفات پائی۔
ابومنصور سعید بن محمد۔	یہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔
ابوالحسن علی بن محمد جوینی صوفی۔	طوس میں امام صاحب سے فقہ پڑھی۔
ابوالحسن علی بن مطہر دینوری۔	امام صاحب کے نامور شاگرد علی تھے۔ حافظ ابن عساکر محدث نے انکی شاگردی کی ۵۳۳ھ میں وفات پائی۔
ابوالحسن علی بن مسلم جمال الاسلام	بڑے نامور شخص ہیں۔ دمشق میں امام صاحب سے تحصیل کی حافظ ابن عساکر وغیرہ انکے شاگرد ہیں

ان بزرگوں کے سوا اور بہت سے شاگرد تھے جنکے نام کی فہرست کی ضرورت نہیں۔

حصہ دوم

تصنیفات

تصنیفات کے لحاظ سے امام صاحب کی حالت نہایت حیرت انگیز ہے، انہوں نے کل ۵۴ - ۵۵ برس کی عمر پائی تقریباً بیس برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع ہوا، دس گیارہ برس صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گذرے درس تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا اور کبھی کسی زمانے میں انکے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ فقہ و تصوف کے مشغلے جدا، دور دور سے جو فتاوی آتے تھے انکے جواب لکھنا الگ۔ بایں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں جنمیں سے بعض بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں، اور گوناگوں مضامین سے پر ہیں، اور جو تصنیف ہے اپنے باب میں بےنظیر ہے سچ ہے ع

تصنیف کی کثرت

این سعادت بزور بازو نیست :-

میں سب سے پہلے ان کی تصانیفات کی ایک اجمالی فہرست بترتیب حروف تہجی لکھتا ہوں جو طبقات سبکی اور شرح احیاء اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے۔ پھر خاص کتابوں کے کسی قدر مفصل حالات لکھوں گا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حرف الف ۔ احیاء العلوم ۔ املاء علی مشکل الاحیاء ۔ اربعین ۔ الاسماء الحسنی ۔ الاقتصاد فی الاعتقاد ۔ الجام العوام اسرار معاملات الدین ۔ اسرار الانوار الالٰہیۃ بالآیات المتلوۃ ۔ اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار ۔ اسرار اتباع السنۃ ۔ اسرار الحروف والکلمات ۔ ایہا الولد

حرف ب ۔ بدایۃ الہدایۃ در موعظمت ۔ بسیط در فقہ بیان القلون للشافعی ۔ بیان فضائح الاباحیۃ ۔ بدائع الصنع ۔

حرف ت تنبیۃ الغافلین تلبیس ابلیس ۔ تہافۃ الفلاسفۃ تعلیقہ فی فروع المذہب تحصین الماخذ ۔ تحصین الادلۃ ۔ تفرقہ بین الاسلام والزندقہ ۔

حرف ج ۔ جواہر القرآن ۔

حرف ح ۔ حجۃ الحق ۔ حقیقۃ الروح ۔

حرف خ ۔ خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل فی المذہب اختصار المختصر للمزنی وہو اخذ الکتب المشہورۃ ۔

حرف ر ۔ الرسالۃ القدسیہ ۔

حرف س ۔ السر المصون ۔ رتب فیہ آیت القرآن علی اسلوب غریب ۔

حرف ش ۔ شرح دائرۃ علی بن ابی طالب المساۃ بجنۃ الاسماء ۔ شفاء العلیل فی مسئلۃ التعلیل ۔

حرف ع ۔ عقیدۃ المصباح ۔ عجائب صنع اللہ ۔ عنقود المختصر وہو تلخیص المختصر للجوینی ۔

حرف غ ۔ غایۃ الغور فی مسائل الدور فی مسئلۃ الطلاق ۔ غور الدور ۔ الف ببغداد سنہ ۴۸۴

حرف ف ۔ فتاوے مشتملہ علی مائۃ وتسعین مسئلۃ ۔ الفکرۃ والعبرۃ ۔ فواتح السور ۔ الفرق بین الصالح وغیر الصالح ۔

حرف ق ۔ القانون الکلی ۔ قانون الرسول ۔ القربۃ الی اللہ ۔ القسطاس المستقیم ۔ قواعد العقائد ۔ القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل ۔

حرف ک ۔ کیمیائے سعادت ۔ کیمیائے سعادت مختصر کشف العلوم الآخرۃ ۔ کنز العدۃ ۔

حرف ل ۔ اللباب المنتحل فی علم الجدل ۔

حرف میم ۔ المستصفی فی اصول الفقہ ۔ منخول ۔ ماخذ فی الخلافیات بین الحنفیۃ والشافعیۃ ۔ المبادی والغایات المجالس الغزالیۃ ۔ مقاصد الفلاسفۃ ۔ المنقذ من الضلال ۔ میعار النظر ۔ میعار العلم فی المنطق ۔ محک النظر ۔ مشکوۃ الانوار ۔ مستظہری فی الرد علی الباطنیۃ ۔ میزان العمل ۔ مواہم الباطنیۃ ۔ المنہج الاعلی ۔ معراج السالکین ۔ المکنون فی الاصول ۔ مسلم السلاطین ۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس ۔ منہاج العابدین قیل ہو آخر تالیفاتہ ۔ المعارف العقلیہ ۔

حرف ن ۔ نصیحۃ الملوک فارسی

حرف واؤ ۔ وجیز ۔ وسیط

حرف ی ۔ یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلد

لہ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ یہ مختصر سی کتاب ہے اور ۴ بابوں میں ہے ۔ یعنی منطق ۔ کلام ۔ قول ۔ کتابت ۔ فرض ۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مضامین کے لحاظ سے تصنیفات کی تقسیم

(مشہور تصنیفات مراد ہیں۔)

مضامین کے لحاظ سے تصنیفات کی تقسیم

فقہ۔ وسیط۔ بسیط۔ جیز۔ بیان القولین للشافعی۔ تعلیقہ فی فروع المذہب۔ خلاصۃ الرسول اختصار المختصر غایۃ الغور مجموعہ فتاوی۔

اصول فقہ تحصین الماخذ شفاء العلیل منتحل فی علم الجدل۔ منخول مستصفی ماخذ فی الخلافیات مفصل الخلاف فی اصول القیاس

منطق معیار العلم۔ محک النظر۔ میزان العمل (یہ کتابیں یورپ میں موجود ہیں)

فلسفہ۔ مقاصد الفلاسفہ (یورپ میں اسکا نسخہ موجود ہے)

کلام۔ تہافۃ الفلاسفہ۔ منقذ۔ الجام العوام۔ اقتصاد۔ مستظہری۔ فضائح الاباحیۃ۔ حقیقۃ الروح والزندقہ الرسالۃ القدسیہ۔

تصوف۔ احیاء العلوم کیمیائے سعادت۔ المقصد الاقصی۔ اخلاق الابرار۔ جواہر القرآن جواہر القدس فی حقیقۃ النفس مشکوۃ الانوار۔ منہاج العابدین۔ معراج السالکین۔ نصیحۃ الملوک۔ ایہا الولد۔ ہدایۃ الہدایۃ مشکوۃ الانوار فی لطائف الاخبار۔

مبحوث فیہ تصنیفات

بحث طلب تصنیفات

امام صاحب کے نام سے جو تصنیفات مشہور ہیں انہیں بعض ایسی بھی ہیں جنکی نسبت بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ درحقیقت وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں۔ اس قسم کی چار کتابیں ہیں۔ منخول مضنون بہ علی غیر اہلہ۔ کتاب النفخ والتسویۃ سر العالمین چنانچہ ہم ہر ایک کے متعلق تفصیل کیساتھ بحث کرتے ہیں۔

منخول

منخول۔ یہ کتاب اصول فقہ میں ہے۔ کشف الظنون میں اسکو رد ابی حنیفہ کے نام سے لکھا ہے۔ اور قلائد العقیان کے مصنف کا قول نقل کیا ہے کہ "وہ امام غزالی کی نہیں بلکہ محمود معتزلی کی تصنیف ہے" شمس الایمہ کردری نے اس کتاب کا رد بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ پر نہایت سختی سے حرفگیری کی ہے اور دعوی کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل فیصدی ۹۰ غلط ہیں" چونکہ امام صاحب نے احیاء العلوم امام ابو حنیفہ کی نہایت مدح کی ہے اسکے علاوہ آئمہ دین کو برا کہنا امام صاحب کی شان سے یوں بھی بعید ہے اسلئے یہ خیال کیا گیا کہ وہ امام غزالی کی تصنیف نہیں ہوسکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ صرف اس دلیل کی بناپر یہ دعوی نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو رجال و تاریخ کی تمام کتابوں میں وہ امام صاحب ہی کی طرف منسوب کی گئی ہے ثانیاً امام صاحب کے ابتدائی حالات جسنے غور سے پڑھے ہیں۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ابتدا میں امام صاحب کا مزاج کسقدر مجادلہ پسند اور نکتہ چین واقع ہوا تھا۔ محدث عبد الغافر فارسی نے امام صاحب کو دونو زمانوں میں دیکھا تھا۔ انکا بیان ہے کہ امام صاحب ابتدا میں نہایت جاہ پسند خود پرست اور مغرور تھے لیکن اخیر میں انکی حالت بالکل بدل گئی اور وہ کچھ سے کچھ ہوگئے [1] منخول اسی ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہوگی ہمنے اس کتاب کو دیکھا ہے۔ خود اس کی طرز عبارت بتاتی ہے کہ وہ نشر شباب کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

مضنون

مضنون بہ علی غیر اہلہ۔ اس کتاب کی نسبت محدث ابن الصلاح اور علامہ ابن السبکی کا دعوی ہے کہ امام صاحب

[1] تبیین کذب المفتری لحافظ ابن العساکر۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ دلیل یہ ہی کہ اس کتاب کا مصنف قدم حاکم۔ انکار علم جزئیات اور نفی صفات کا قائل ہی اور ان میں سے ہر عقیدہ کفر کا مستوجب ہی اس بحث کی تصفیہ کیلیئے ہمکو اثبات و نفی دونو جانب کی شہادتوں کا موازنہ کرنا چاہیئے۔

رجال کی جسقدر مستند کتابیں ہیں۔ سب میں اس کتاب کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار کیا ہی اس سے بڑھکر یہ کہ خود امام صاحب نے جواہر القرآن میں جو انکی مسلمہ تصنیف ہی اس کتاب کا ذکر کیا ہی۔

نفی کی جانب۔ صرف یہ قیاس ہی کہ اسمیں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں جو علامہ ابن الصلاح و ابن السبکی کے نزدیک موجب کفر ہیں۔ اگر انکار کیلیئے صرف اسقدر قرینہ کافی ہو سکتا ہی تو احیاء العلوم میں بہت سی باتیں مذکور ہیں جو بعضوں کے نزدیک کفر کی مستوجب ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ "موجودہ عالم سے بہتر پیدا کرنا ممکن نہیں ہی" بہت سے آئمہ حدیث کے نزدیک صاف کفر ہے اور اسی بناپر بہت سے لوگوں نے امام صاحب کی تکفیر کی لیکن احیاء العلوم میں یہ مسئلہ نہایت تصریح سے مذکور ہی چنانچہ علامہ شعرانی نے خاص اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی جسکا نام الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہا و الصوفیہ ہی۔[1]

اسکے علاوہ جن مسائل کو موجب کفر قرار دیا ہی۔ وہ جس حیثیت سے موجب کفر ہیں اسکا کوئی قائل نہیں اور جسکے لوگ قائل ہیں وہ موجب کفر نہیں۔ مثلاً صفات کا جو لوگ انکار کرتے ہیں اسکے یہ معنی نہیں قرار دیتے کہ خدا۔ بصیر و علیم و سمیع نہیں ہی بلکہ یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی ذات ہی بصر و علم و سمع کیلیئے کافی ہی۔ یہ صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ انسان اور حیوانات میں ہیں۔ اسطرح کے انکار صفات کو کون کفر کہسکتا ہے اسیطرح قدم عالم اور نفی علم جزئیات کا مسئلہ ہے لطف یہ کہ یہ مسائل۔ مضنون بہ علی غیر اہلہ میں سرے سے مذکور ہی نہیں۔ علامہ ابن الصلاح و ابن السبکی نے معلوم نہیں کن الفاظ سے یہ مسائل مستنبط کئے۔ یہ کتاب عام طور پر شائع ہو چکی ہی اور ہر شخص خود دیکھکر اسکا فیصلہ کر سکتا ہی۔

الفتح و التسویۃ

کتاب الفتح والتسویۃ۔ شرح احیاء العلوم میں علامہ مرتضیٰ حسینی نے اس کتاب کو جعلی قرار دیا ہی لیکن کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں پیش کی۔ نہ کسی اور شخص کا قول اسکی تائید میں نقل کیا ہی۔

سر العالمین

سر العالمین ہمارے نزدیک یہ کتاب بے شبہ جعلی ہی اسکی طرز عبارت۔ اور انداز تحریر امام صاحب کے طریقہ تحریر سے بالکل الگ ہی۔ جعلی بنانے والے نے ایک چالاکی یہ کی ہی کہ جابجا۔ امام الحرمین کی استادی کا ذکر کیا ہی اور اپنی دانست میں اس کتاب کے اصلی ثابت کرنیکی یہ بڑی تدبیر خیال کی۔ لیکن صرف یہی امر۔ کتاب کے جعلی ہونیکی کافی دلیل ہی۔ امام صاحب کی یہ خاص عادت ہی کہ اپنے اساتذہ اور شیوخ کا ذکر مطلق نہیں کرتے انکی تصنیفات میں بہت سے ایسے موقعے ہیں جہاں استاد یا شیخ کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ لیکن وہ بالکل پہلو بچاتے ہیں۔ اور تصریح کا کیا ذکر کنایہ تک نہیں کرتے۔ منقذ من الضلال میں نہایت ضروری موقع پر صرف اسقدر لکھکر رہ گئے کہ شیوخ سے جسطرح مینے تعلیم پائی تھی اسکے مطابق مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول ہوا

تصنیفات پر مختلف حیثیتوں سے بحث

(۱) علامہ نودی نے بستان میں ایک مستند شخص سے نقل کیا ہے کہ مینے امام غزالی کی تصنیفات اور ان کی

[1] شرح احیاء العلوم مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عمر کا حساب لگایا تو روزانہ اوسط چار کراسہ پڑا، کراسہ ۴ صفحوں کا ہوتا ہے اس حساب سے ۱۶ صفحے روزانہ ہوا۔ اور یہ مقدار امام صاحب کے اور مشاغل کے ساتھ درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ علامہ طبری و ابن جوزی و سیوطی کی تصنیفات کا روزانہ اوسط اس سے بھی زیادہ ہے لیکن ان بزرگوں کی تصنیفات میں منقولات کا حصہ بہت ہے جسمیں وہ جز کے جز دوسروں کی عبارت کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔

(۲) جن علوم میں امام صاحب کی تصنیفات ہیں وہ فقہ۔ کلام۔ اخلاق اور تصوف ہیں۔ ایک کتاب توریت و انجیل کی تحریف کے ثبوت میں ہے۔ اسمیں استدلال کا وہی طریقہ ہے جو آجکل مسلمان مصنفین کا طرز ہے۔ میں نے یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ میں دیکھی تھی۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب توریت و انجیل سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے فقہ و کلام و تصوف میں انکی تصنیفات اسلام کی علمی ترقی کے بیش بہا نمونے ہیں اسلئے انپر ہم الگ مفصل ریویو لکھینگے۔

فن تفسیر کو انہوں نے غالباً ہاتھ نہیں لگایا۔ یاقوت التاویل جو انکی تصنیفات میں شمار کی جاتی ہے اور جسکی ضخامت ۴۰ جلدوں کی بیان کی جاتی ہے ہماری تحقیقات کی رو سے ایک فرضی نام ہے۔

(۳) ان تصنیفات کو خود امام صاحب کے زمانہ میں اور انکے بعد جو مقبولیت عام حاصل ہوئی وہ نہایت تعجب انگیز ہے محدث زین عراقی کا قول ہے کہ "امام غزالی کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے" عبد الغافر فارسی جو امام صاحب کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے انکا بیان ہے کہ احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی' امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ "احیاء العلوم قران مجید کے لگ بھگ ہے" شیخ ابو محمد کازرونی کا دعویٰ تھا کہ "اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سب کو زندہ کر دونگا" شیخ عبد اللہ عیدروس کو جو بہت مشہور صوفی گذرے ہیں، احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی۔ شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک، احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کرنیکے بعد فقراء اور طلبا کی عام دعوت کرتے تھے تعجب یہ ہے، کہ تصوف و سلوک میں جو لوگ خود امام غزالی کے ہمسر تھے وہ انکی تصنیفات کو الہامی تصنیف سمجھتے تھے قطب شاذلی مشہور صوفی گذرے ہیں ایک دن وہ احیاء العلوم ہاتھ میں لئے ہوئے نکلے اور لوگوں سے کہا جانتے ہو یہ کیا کتاب ہے یہ کہکر اپنے اعضاء پر کوڑوں کے نشان دکھلائے اور کہا کہ میں پہلے اس کتاب کا منکر تھا۔ آج شب کو امام غزالی نے مجکو خواب میں آنحضرت کے دربار میں کہا اور اس جرم کی سزا میں مجکو کوڑے لگائے گئے شیخ محی الدین اکبر کو زمانہ جانتا ہے۔ وہ احیاء العلوم کو کعبہ کے سامنے بیٹھکر پڑھا کرتے تھے[۱]

تصنیفات کیساتھ علما کا اعتقاد

امام صاحب کی تصنیفات کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ علماء اور مصنفین نے جسقدر انکے ساتھ اعتنا کی بہت کم تصنیفات کے ساتھ ہوگی۔ فقہ میں انکی چاروں تصانیف یعنی بسیط۔ وسیط۔ وجیز و سائل فقہ شافعی کے چاروں ارکان ہیں۔ وجیز سے آجکل مصر میں نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ اس کتاب کی سب سے پہلے امام فخر الدین رازی نے شرح لکھی پھر قاضی سراج الدین محمود ارمی المتوفی سنہ ۶۸۲ عماد الدین ابو حامد محمد بن یونس اربلی ابو الفتوح اسعد بن محمود عجلی امام

[۱] یہ تمام روایتیں تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء میں نقل کی ہیں [۲] شرح احیاء صفحہ ۲۸

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعی وغیرہ نے مبسوط شرحیں لکھیں شرح احیاء میں ان شرحوں کی تعداد ستر کے قریب بیان کی ہے امام ابو الملقن ان احادیث کی تخریج میں جو وجیز میں مذکور ہیں ایک ضخیم کتاب سات جلدوں میں لکھی جسکا نام البدر المنیر ہے اس کتاب کے خلاصے حافظ ابن حجر۔ بدر بن جماعۃ۔ بدر زرکشی۔ شہاب الدین صیبری سیوطی وغیرہ نے لکھے انکے سوا بہت سے علماء و فضلاء نے اسپر شروح اور حاشیے لکھے جنکے نام کشف الظنون میں تفصیل مذکور ہیں۔

اسیطرح الوسیط پر جسکو کشف الظنون میں الرسائل کے نام سے لکھا ہے نہایت کثرت سے شروح اور حواشی لکھے گئے سب سے پہلے محی الدین جوشانی نے ۱۶ جلدوں میں شرح لکھی پھر شیخ نجم الدین احمد بن علی المعروف بہ ابن الرفعہ المتوفی ۷۱۰ھ نے ۶۰ جلدوں میں شرح لکھی جسکا نام المطلب رکھا۔ ابوالعباس احمد قمولی المتوفی ۷۲۷ھ نے بھی کئی جلدوں میں ایک شرح لکھی جسکا نام البحر المحیط ہے انکے علاوہ ظہیر الدین جعفر بن یحییٰ المتوفی ۶۸۲ھ و محمد بن عبدالحاکم و شیخ عز الدین عمر بن احمد المتوفی ۶۷۱ھ و ابو الفتوح سعید بن محمود عجلی المتوفی ۶۰۰ھ و ابن ابی الدم المتوفی ۶۴۲ھ و ابن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ و ابو الفضل محمد بن محمد القزوینی و ابن الاستاد کمال الدین احمد ابن عبداللہ الحلبی المتوفی ۶۲۱ھ و یحییٰ بن ابی الخیر الیمنی المتوفی ۵۵۸ھ عماد الدین عبدالرحمن ابن علی القاضی المتوفی ۶۲۴ھ وغیرہ نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھیں ابن ملقن شافعی نے اسکی حدیثوں کی تخریج کی جس کا تذکرۃ الاحیاء بما فی البسیط من الاخبار ہے۔

امام صاحب کی تصنیفات اور یورپ

یہ عجب بات ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات کیساتھ جو اعتنا یورپ نے کی خود مسلمانوں نے نہیں کی بیشبہ مسلمانوں نے امام صاحب کی اکثر تصنیفات محفوظ رکھیں اور انپر شروح و حواشی لکھے، لیکن یہ التفات اور قدردانی صرف ان تصنیفات کیساتھ محدود رہی جو فقہ اصول فقہ اور تصوف اخلاق کے متعلق تھیں، عقلیات میں جو انکی معرکہ آرا تصنیفات ہیں اور جہاں آکر انکا اصلی جوہر کھلتا ہے انکو کسی نے آنکھ اٹھاکر بھی نہیں دیکھا بلکہ اس قسم کی کتابوں کو ہمارے علماء انکی طرف منسوب بھی نہیں ہونے دیتے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی کتب خانوں میں ان تصانیف کا بہت کم پتہ چلتا ہے اس قسم کی ایک تصنیف مضنون بہ علی غیر اہلہ جسپر آگے چلکر ہم ریویو لکھیں گے اس کی نسبت علامہ ابن السبکی لکھتے ہیں۔ معاذ اللہ ان یکون لہ۔ یعنی خدا نکرے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہو۔ عقلیات پر ختم نہیں جس تصنیف میں اجتہاد اور آزادی رائے سے کام لیا گیا وہ مقبول عام نہو سکی منخول۔ جو اصول فقہ میں امام صاحب کی پہلی تصنیف ہے ہماری نظر سے گذری ہے۔ بڑی معرکہ کی تصنیف ہے اور چونکہ آغاز شباب کی ہے، امام صاحب اسمیں کسی امام یا مجتہد کے پابند نہیں اور جو کچھ کہتے ہیں نہایت بیباکی اور آزادی سے کہتے ہیں صرف اس عیب کیوجہ سے یہ کتاب علماء کی نظر سے گر گئی یہانتک شمس الائمہ کردری اسکو محمود معتزلی کی تصنیف بتاتے ہیں اور ابن حجر مکی الخیرات الحسان میں اسی خیال کی تائید کرتے ہیں، احیاء العلوم میں بھی یہ چنگاریاں دبی پڑی تھیں۔ اسلئے اکثر علماء نے اسکے جلانیکا حکم دیا اور اسکی تعمیل بھی کی گئی۔

ؔ یہ تفصیل الظنون ذکر رسائل فی الفروع سے ماخوذ ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

برخلاف اسکے یورپ نے انہی کتابوں کو بڑے اہتمام سے محفوظ رکھا جنہیں امام صاحب نے فلسفہ اور شریعت کے اصول میں باہم تطبیق دی تھی جنہیں عقلیات کے مسائل کو اپنے خاص پیرایہ میں ادا کیا تھا۔ امام صاحب نے یونانی فلسفہ کے مسائل نہایت ترتیب اور عمدگی کیساتھ ایک کتاب میں لکھے ہیں جسکا نام مقاصد الفلاسفہ رکھا تھا۔ اس کتاب کا اسلامی ممالک میں آج پتہ نہیں چلتا لیکن اسپین کے شاہی کتب خانہ میں اسکا نسخہ موجود ہے مسلمانوں نے تو اس کتاب کو نظر انداز کر دیا لیکن یورپ میں اسکا عبرانی میں ترجمہ بھی ہوا چنانچہ یہ ترجمہ فرانس کے کتب خانہ میں آج بھی موجود ہے بارہویں صدی میں اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ڈومینک گوندی سالیو dominuc gouvi نے کیا اور وہ ۱۵۰۶ء میں بمقام وینس چھاپا گیا اصل عربی کتاب کے چند صفحے یورپ میں آجکل چھاپے گئے ہیں اور میری نظر سے گذرے ہیں اس میں صرف منطق کے ابتدائی مسائل ہیں، لیکن حسن وصاحت اور اختصار کے ساتھ ان مسائل کو لکھا ہو کسی مصنف نے آجتک نہیں لکھا

ایک دوسری کتاب میں جسکا نام المنقذ من الضلال ہے امام صاحب نے اپنے خیالات مذہبی کے تغیرات اور نبوت کی حقیقت لکھی ہے یہ کتاب بھی مسلمانوں میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئی لیکن یورپ نے اسکی بڑی قدر کی فرانس میں اسکا ترجمہ مع اصل عربی کے چھاپا گیا اور مانسیو پالیا M. Pallia اور مانسیو شمولڈر M. chemelders نے اپنے اس مضمون میں جو فلسفہ عرب پر ہے اسکے مشکل مقامات کی تشریح کی۔

تہافۃ الفلاسفہ میں امام صاحب نے یونانی فلسفہ کے مسائل باطل کئے ہیں۔ اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا چنانچہ اسکا نسخہ شاہی کتب خانہ فرانس میں موجود ہے "مانسیو شمولڈر M. Chmold اور مانسیو مونک Munch نے اس کتاب کے مضامین پر تفصیل کیساتھ بحث کی ہے۔

منطق میں ایک اور کتاب امام صاحب کی ہے جسکا نام میزان العمل ہے اسلامی ممالک میں یہ کتاب بالکل نایاب ہے لیکن یورپ میں اسکے ساتھ یہ اعتنا کی گئی کہ اسکا عبرانی ترجمہ جو ایک یہودی مسمی بہ ابراہیم حسدائی کیا تھا مانسیو گول دنتال M. goldenthal نے لیپزگ میں ۱۸۳۹ء میں چھاپا۔

احیاء العلوم کے مشکل مقامات پر مانسیو ہیترک M. Hatzig نے حاشیے لکھے اصل احیاء العلوم کا عمدہ نسخہ کتب خانہ برلن Berlan میں موجود ہے۔

امام صاحب کے اشعار

امام صاحب کے زمانہ میں سلجوقیوں کی بدولت۔ فارسی اوج شباب پر پہنچ گئی تھی اور شاعری کا مذاق قوم کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا امام صاحب اگرچہ شاعر نہ تھے لیکن چونکہ زمانہ کا اقتضا اور لطف طبیعت دونو باتیں۔

۱؎ دیکھو پروفیسر مونک کی کتاب Melonges dephil osoji ejuivet arade از صفحہ ۳۶۶ تا ۳۸۳ تذکرہ امام غزالی۔ P. S Munk

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جمع ہوگئیں تھیں چپ بھی نہیں رہ سکتے تھے اس زمانہ میں شاعری کے انواع میں سے دو صنف نے نہایت ترقی کی تھی قصیدہ اور رباعی لیکن قصیدہ مدح اور خوشامد کیلئے مخصوص ہوگیا تھا اور اس وجہ سے وہ امام صاحب کے شایان شان نہ تھا البتہ رباعی انکے مذاق کے بالکل موافق تھی حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور عمر خیام نے رباعی ہی کو حقائق و معارف کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا تھا عمر خیام خود امام صاحب کا معاصر تھا اور اسی دربار سے تعلق رکھتا تھا جس سے امام صاحب وابستہ تھے۔ ان اسباب سے امام صاحب کبھی کبھی کچھ کہتے تھے تو رباعی ہی کہتے تھے چنانچہ انکی چند رباعیاں ہم تذکرہ مجمع الفصحا اور روضات الجنات سے نقل کرتے ہیں۔

رباعی

اے کان بقا در چہ بقائے کہ نہ   در جائے نہ اکدام جائے کہ نہ
اے ذات از ذات و جہت مستغنی   آخر تو کجائی و کجائے کہ نہ

دیگر

کس را پس پردہ قضا راہ نشد   وز سر قدر ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند   معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نہ شد

اس رباعی میں امام صاحب نے جو خیال ادا کیا ہے اگرچہ سقراط کے اس قول سے ماخوذ ہے معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد لیکن یہ خیال کچھ ایسا حکیمانہ خیال ہو کہ تمام حکما کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا ہے۔ فارابی کہتا ہے۔

اسرار وجود خام و ناپختہ بماند   واں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر گز ز سر قیاس چیزے گفتند   واں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

بوعلی سینا نے اسکو یوں ادا کیا ہے۔

دل گرچہ دریں بادیہ بسیار شتافت   یک موئے ندانست و بسے موئے شگافت
اندر دل او ہزار خورشید بتافت   آخر بہ کمال ذرہ را نیافت

امام صاحب کی رباعی فارابی سے گو کم درجہ پر ہے لیکن بوعلی سینا کی رباعی سے زیادہ لطیف اور صاف ہے۔

امام صاحب کی ایک اور رباعی ہے جس میں یہ خیال ادا کیا گیا ہو کہ ارباب ظاہر کے ہاں حقائق کا پتہ نہیں مل سکتا فرماتے ہیں

با جامہ نمازے بسر خم کردیم   وز آب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ ہا دریابیم   آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

ضبط عشق کو ایک قطعہ میں یوں ادا کیا ہے۔

قطعہ

گفتم ولا با تو چند ایں بر خویشتن چہ پیچی   با یک طبیب محرم ایں راز در میان نہ
گفتا کہ ہم طبیبے فرمودہ است با من   گر مہر یار داری صد مہر بر زباں نہ

؎ ایران کی ایک نئی تصنیف جو ابن خلکان کی طرز پر لکھی گئی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ عجب حیرت انگیز بات ہے کہ امام صاحب کا فارسی زبان میں جسقدر کلام ہے حقائق و معارف پر ہے اور انکی عظمت و شان کے مناسب ہے لیکن عربی اشعار جو تذکروں میں منقول ہیں نہایت عامیانہ ہیں اور برخلاف عرب کے ایرانی مذاق کے موافق ہیں

عربی اشعار

ھبنی صبوت کما ترون بزعمکم	وحظیت منہ بلثم خد ازھر
انی اعتزلت فلا تلوموا انہ	اضحی یقابلنی فخذ ال اشعری

اخیر شعر میں مذہب اعتزال اور امام اشعری کی تلمیح ہے۔

علوم و فنون

امام صاحب نے یوں تو بہت سے علوم فنوں میں کتابیں لکھیں لیکن تخصیص کیساتھ جن علوم کو ترقی دی وہ فقہ اصول فقہ، کلام اور اخلاق ہیں۔ فقہ میں انکی کتابیں تین ہیں۔ وسیط۔ وجیز۔ بسیط شافعی فقہ کے تین ارکان ہیں۔

وجیز میں جسطرح فقہ کے پیچیدہ مسائل کو سلجھا کر لکھا ہے اور انمیں جو اختصار اور ترتیب پیدا کی ہے وہ امام صاحب کا حصہ ہے جس کی نظیر کسی قدیم تصنیف میں نہیں ملتی۔

اصول فقہ میں امام صاحب نے بہت سے مسائل خود ایجاد کئے ہیں۔ چنانچہ انکی کتاب منخول (جو ہمارے پیش نظر ہے) اس دعوے کی بین دلیل ہے۔

اس لحاظ سے اگرچہ ہمارا فرض تھا کہ ہم امام صاحب کی ان ایجادات اور استنباطات کو تفصیل لکھتے جو ان علوم میں انسے یادگار ہیں لیکن ہمارے ناظرین کو شافعی فقہ اور اصول فقہ سے دلچسپی نہیں ہوسکتی اسلئے ہم امام صاحب کے ان علمی کارناموں کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو علم کلام اور علم اخلاق کے متعلق انسے ظہور میں آئے۔ ملک کا مذاق اور ملک کی حالت بھی اسی کی مقتضی ہے کہ فلسفہ آمیز علوم کے مسائل قوم کے سامنے پیش کیے جائیں۔

فلسفۂ اخلاق اور احیاء العلوم

اسلام میں اخلاق کا فن پند و موعظت کی حیثیت سے تو خود اسلام کے ساتھ آیا لیکن فلسفیانہ طرز پر اسکی ابتدا اس زمانہ سے ہوئی جب یونانی علوم و فنون کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں ارسطو نے علم اخلاق میں دو کتابیں لکھیں تھیں جو بارہ مقالوں میں تھیں یارفریس نے جسکو اہل عرب فرفوریوس کہتے ہیں انکی تفسیر کی تھی جنیں ابن اسحاق نے عربی زبان میں اسکا ترجمہ[1] کیا ارسطو نے ایک اور کتاب اسی فن میں فضائل نفس کے عنوان سے لکھی تھی جسکو ابو عثمان دمشقی نے عربی زبان میں منتقل کیا۔ علامہ ابن مسکویہ نے لکھا ہے کہ ابو عثمان نے جو یونانی و عربی دونو زبانوں میں نہایت کمال رکھتا تھا اس کتاب کا ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ ایک لفظ بھی ترجمہ سے رہ نہیں گیا اور جو لفظ جس لفظ کے مقابلہ میں رکھا بعینہ اسی خیال کو ادا کرتا تھا جو یونانی لفظ سے پیدا ہوتا تھا۔

فلسفہ اخلاق پر یونانی تصنیفات اور انکے عربی ترجمے

[1] کشف الظنون ذکر کتاب الاخلاق و تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ مطبوعہ مصر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جالینوس نے بعض مسائل اخلاق پر ایک کتاب لکھی تھی جسکا موضوع یہ تھا کہ انسان اپنے عیوب سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے اس کتاب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہوا چنانچہ اسکے حوالے تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ وغیرہ میں اکثر آتے ہیں۔

ان ترجموں کی مدد سے حکمائے اسلام نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھیں جنمیں سے زیادہ تر قابل ذکر یہ ہیں۔

حکمائے اسلام کی تصنیفات۔

آراء المدینۃ الفاضلۃ حکیم ابونصر فارابی کی تصنیف ہے یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اسمیں اخلاق کی بنسبت سیاست کے اصول زیادہ لکھے ہیں۔

کتاب البر والاثم بو علی سینا کی تصنیف ہے ہماری نظر سے نہیں گذری لیکن اسقدر معلوم ہے کہ ایک مختصر سی کتاب ہے

معصنفہ حکیم ابن مسکویہ۔ ابن مسکویہ بو علی سینا کا معاصر اور بہت سے فنون میں اسکا ہم پلہ تھا۔ یہ کتاب درحقیقت یونانی فلسفہ اخلاق کا عصارہ ہے اکثر جگہ ارسطو وجالینوس وبروس کے عربی ترجمونکی اکثر عبارتیں نقل کردی ہیں

یہ تمام تصنیفات فلسفیانہ انداز پر تھیں، مذہب سے انکا لگاؤ نہ تھا۔

فن اخلاق میں مذہبی طرز کی تصنیفات

مذہبی طریقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں انمیں سے قوت القلوب ابوطالب مکی۔ اور ذریعہ الیٰ مکارم الشریعہ للراغب الاصفہانی زیادہ مشہور ہوئیں۔ قوت القلوب میں اگرچہ اخلاق کے تمام ابواب کی سرخیاں قائم کی ہیں تاہم وہ ایک واعظانہ تصنیف ہے ذریعہ میں فلسفہ کی کچھ کچھ جھلک پائی جاتی ہے لیکن اسقدر کم ہے اور کمی کیساتھ اسپر مذہبی روایات کی اسقدر تہیں چڑھ گئی ہیں کہ دیکھنے والے کو نظر نہیں آسکتیں۔

یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب فن اخلاق کا اسقدر معتدبہ ذخیرہ موجود تھا اور جبکہ ابن مسکویہ بو علی سینا راغب اصفہانی جیسے اہل کمال اس فن پر اپنے دل دماغ کو صرف کرچکے تھے تو اسبات کی کیا وجہ تھی کہ نہ یہ فن عام ہوسکا نہ اسکے مسائل لٹریچر کے رگ وپے میں سرایت کرسکے بلکہ جب تک امام غزالی نے اسکو اپنے آغوش تربیت میں نہیں لیا وہ اس قابل بھی نہیں ہوا کہ علوم مدونہ کی فہرست میں جگہ پاسکے۔

دونو قسم کی تصنیفات مقبول عام نہونیکی وجہ

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب سے پہلے جو تصنیفات اس فن کے متعلق موجود تھیں انمیں قبولیت اور عام رواج کی صلاحیت نہ تھی جو تصنیفات فلسفیانہ پر لکھی گئی تھیں انمیں ایک طرف تو یہ نقص تھا کہ مشکل پسندی کیوجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہ تھیں۔ دوسری طرف بڑی کمی یہ تھی کہ مذہبی پیرایہ نہیں رکھتی تھیں اور اسوجہ سے بجز ایک محدود فرقہ کے نہ عام لوگونمیں رواج پاسکتی تھیں نہ انکے ساتھ وہ عقیدت اور گرویدگی پیدا ہوسکتی تھی جو مذہبی تصنیفات کیساتھ مخصوص ہے ان باتوں کیساتھ ایک بڑا نقص یہ تھا کہ انمیں بہت سے مسائل اخلاق سرے سے مذکور نہ تھے اور جسقدر مذکور تھے وہ نہایت مجمل تھے۔

مذہبی طرز کی تصنیفات میں چونکہ فلسفہ وعقلیات کی چاشنی بالکل نہ تھی اس لئے حکماء وارباب معقول ان سے لطف نہیں اٹھاسکتے بلکہ خود مذہبی گروہ میں جو لوگ دقیق النظر اور روقت پسند تھے انکو یہ تصنیفات پھیکی معلوم ہوتی تھیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

احیار العلوم دونوں طرزوں کی جامع ہے

امام صاحب نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترتیب دیکر احیار العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقص پورے کر دئے اور وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف تو آئمہ اسلام اسکو الہام ربانی سمجھے اور دوسری طرف ہنری لوئیس نے تاریخ فلسفہ میں اسکی نسبت یہ لکھا کہ "اگر ڈیکارٹ (یورپ میں اخلاق کے فلسفہ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے) کے زمانہ میں احیار العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر ایک شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیار العلوم کو چرا لیا ہے[1]۔

مختصرات احیار العلوم

چونکہ ارباب ذوق اس کتاب کو تعویز کی طرح گلے سے لگائے رہتے تھے آسانی اور تخفیف مؤنت کیلئے علما نے اسکے خلاصے لکھے کہ ہر شخص سفر و حضر میں اسکو ساتھ رکھ سکے ان خلاصوں کی تفصیل یہ ہے[2]۔

نام کتاب	نام مصنف
مختصر احیار العلوم	از شمس الدین محمد بن علی عجلونی المتوفی ۸۱۳ھ شیخ خانقاہ سعید السعدار مصر۔
" اس کا نام لباب الاحیا ہے	احمد بن محمد برادر امام غزالی۔
"	محمد بن سعید یمنی۔
"	شیخ ابو زکریا یحیی۔
"	ابو العباس احمد بن موسی الموصلی المتوفی ۶۲۲ھ۔
"	حافظ جلال الدین سیوطی۔

احیار العلوم کی عام خصوصیت

احیار العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اسکے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کیطرح دل میں چبھ جاتا ہے ہر بات جادو کی تاثیر کرتی ہے۔ ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے بغداد میں انکو تحقیق کا شوق پیدا ہوا، تمام مذاہب کو چھانا۔ کسی سے تسلی نہیں ہوئی، آخر تصوف کیطرف رخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہیں تھی بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا۔ اور اس کا پہلا زینہ اصلاح باطن اور تزکیہ نفس تھا۔ امام صاحب کے مشاغل اس کیفیت کے بالکل سد راہ تھے، مقبولیت عام ناموری جاہ و منزلت مناظرات و مجادلات اور پھر تزکیہ نفس ع شتان بینہما ۔ این رہ کہ میروی تو بمنزل نمیرود۔

آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی سخت مجاہدات اور ریاضیات کے بعد حرم راز تک رسائی پائی۔ یہاں پہنچکر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بیخبر ہو جاتے لیکن ع بیاد آر حریفان بادہ پیمارا کے لحاظ سے افادہ عام پر نظر پڑی۔ دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ امیر و غریب عام و خاص عالم و جاہل رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں۔ اور ہوتے جاتے ہیں۔ علما جو دلیل راہ بن سکتے تھے طلب جاہ میں مصروف ہیں یہ دیکھکر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھا لیا ہے اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں۔ علما جو دلیل راہ تھے۔ زمانہ ان سے خالی ہو"[illegible]

[1] تاریخ فلسفہ از جارج ہنری لوئیس۔ چوتھا ایڈیشن جلد دوم صفحہ ۵ مطبوعہ لندن [2] کشف الظنون ذکر احیار العلوم ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو رہ گئے ہیں وہ نام کے عالم ہیں جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور جنہوں نے تمام عالم کو یقین دلا دیا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے۔ مناظرہ (جو فخر اور نمود کا ذریعہ ہے) وعظ و پند (جسمیں عوام کی دلفریبی اور مسجع فقرے استعمال کئے جاتے ہیں) فتوی دینا جو مقدمات کے فیصل کرنیکا ذریعہ ہے، باقی آخرت کا علم تو تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے اور لوگ اسکو بھول چکے یہ دیکھکر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی۔

امام صاحب نے اس کتاب میں جو عنوان قائم کئے وہ بالکل نئے نہ تھے۔ خود دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ اس موضوع پر اور کتابیں بھی تصنیف ہو چکی ہیں۔ میری کتاب میں جو خاص خصوصیتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قدیم تصنیفات میں جو اجمال تھا اسکی تفصیل۔ (۲) پراگندہ مضامین کی ترتیب (۳) طویل مضامین کا اختصار (۴) مکرر مضامین کا حذف (۵) بہت سے دقیق اور غامض مسائل کا حل جنکا قدیم تصنیفات میں نام نشان نہ تھا۔ امام نے نہایت دیانت داری اور بے نفسی سے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ انہوں نے قدماء کی تصنیفات سامنے رکھ کر یہ کتاب لکھی جن تصنیفات کا امام صاحب نے اشارہ کیا ہے یہ ہیں۔

رسالۂ قیشریہ۔ قوت القلوب ابو طالب مکی۔ ذریعة الی علم الشریعة للراغب الاصفہانی۔ قوت القلوب کا یہ انداز ہے کہ جو عنوان قائم کیا ہے اسکے متعلق پہلے قرآن مجید۔ پھر احادیث پھر صحابہ۔ پھر تابعین کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں احیاء العلوم کا بھی یہی انداز ہے اور اس طرز میں قوت القلوب کی اسقدر پیروی کی ہے کہ کوئی شخص دونوں کتابوں کا مقابلہ کرے تو امام صاحب کی نسبت اسکو سرقہ کی بدگمانی ہوگی دو دو چار چار سطروں ایک آدھ لفظ کا کہیں فرق ہو جاتا ہے بعض جگہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ اسی مرادف کا لکھدیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم بعض عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

احیاء العلوم	قوت القلوب
رأى بعض العلماء اصحاب الرای من الکوفة	رای بعض اهل الحدیث فقهاء اهل الکوفة
	من اهل الرای
فقال ما رأیت فیما کنت علیه فکره وجهه واعرض	فقلت له ما فعلت فیما کنت علیه فکره وجهه و
عنه وقال ما وجدنا شیئا ان احدهم لیفتی فی	اعرض عنی وقال ما وجدنا شیئا ان احدهم
مسئلة وهو المفتی وهم اصحاب الاساطین	لیفتی فی مسئلة فهو المفتی فهولاء اصحاب الا
اوعالم خاصیة وهم العلماء	ساطین واما عالم الخاصیة فهو العالم

علامہ مرتضی حسینی نے احیاء العلوم کی جو شرح لکھی ہے اسمیں اکثر التزام کیا ہے کہ احیاء العلوم کی عبارت کیساتھ ساتھ قوت القلوب کے الفاظ بھی لکھتے جاتے ہیں جس سے بآسانی اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس سے امام صاحب کی تنقیص مقصود نہیں، بلکہ احیاء العلوم کے زمانہ کی تصنیف کے متعلق ایک تاریخی بحث کا فیصلہ کرنا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

احیاء العلوم کا زمانہ تصنیف

احیاء العلوم کی نسبت ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہی کہ سفر کی حالت میں لکھی گئی اسپر بعض علماء نے اس بناپر اعتراض کیا تھا کہ ایک ایسی کتاب جسمیں نہایت کثرت سے ہر موقع پر احادیث و آثار کے حوالے ہوں سفر میں نہیں لکھی جاسکتی لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے بعد کہ احادیث و آثار کا تمام تر حصہ قوت القلوب سے لیا گیا ہے یہ اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے۔

بہرحال اگرچہ اس میں شبہ نہیں ہو کہ احیاء العلوم بہت کچھ قوت القلوب رسالہ قیشریہ ذریعہ راغب اصفہانی سے ماخوذ ہی اسمیں سبہ نہیں کہ حکماے یونان نے فلسفہ اخلاق پر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی امام صاحب کے پیش نظر تھا یہ بھی صحیح کہ بوعلی سینا و ابن مسکویہ کی تصنیفات اور اخوان الصفار کے رسالے بھی انکے سامنے تھے لیکن ان تمام تصنیفات کو احیاء العلوم سے وہی نسبت ہی قطرہ کو گوہر سے سنگ کو آبگینہ سے کاسۂ سفالیں کو جام جم سے ہے۔

احیاء العلوم کی خصوصیات

احیاء العلوم کو جن خصوصیتوں نے تمام قدیم و جدید تصنیفات سے ممتاز کر دیا ہے ہم انکو ترتیب لکھتے ہیں۔

پہلی خصوصیت

(۱) بڑی خصوصیت جسنے عام و خاص عارف و جاہل سب میں اسکو مقبول بنا دیا ہی یہ ہی کہ حکمت و موعظت دونو کو ساتھ ساتھ نباہا ہی تحریر یا تقریر کا سب سے مشکل پہلو وہاں پیدا ہوتا ہی جہاں دو مختلف طبقوں کے آدمیوں سے خطاب کرنا پڑتا ہی واعظ اپنی جادو بیانی سے ایک جم غفیر کو وجد میں لا سکتا ہی۔ لیکن حکیمانہ طبیعت کا آدمی اس سے متاثر نہیں ہو سکتا برخلاف اس کے ایک حکیم جب معارف و حقائق پر گفتگو کرتا ہی تو عوام پر اسکا جادو نہیں چلتا احیاء العلوم میں یہ خاص کرامت ہو کہ جس مضمون کو ادا کیا ہی باوجود سہل پسندی، عام فہمی اور دلاویزی کے فلسفہ و حکمت کے معیار سے کہیں اترنے نہیں پایا یہی بات ہو کہ امام رازی سی لیکر ہمارے زمانہ کے سطحی واعظ تک اس سے یکساں لطف اٹھاتے ہیں۔

دوسری خصوصیت

(۲) امام صاحب کے زمانہ تک دستور تھا کہ فلسفہ اور متعلقات فلسفہ پر جسقدر کتابیں لکھی جاتی تھیں عموماً پیچیدہ اور دقیق عبارت میں لکھی جاتی تھیں، اور بوعلی سینا نے تو فلسفہ کو گویا طلسم بنا دیا تھا اسکی کچھ تو وجہ یہ تھی کہ فلسفہ کے مسائل خود دقیق ہوتے تھے کچھ یہ کہ یونانیوں کے زمانہ سے یہ خیال چلا آتا ہی کہ فلسفہ کو عام فہم نہ کرنا چاہیے کچھ یہ کہ اکثر لوگ یہ قابلیت ہی نہ رکھتے تھے کہ پیچیدہ مطالب کو آسان عبارت میں ادا کر سکیں فلسفہ کے اور اقسام کی بہ نسبت فلسفہ اخلاق آسان اور سریع الفہم ہی۔ تاہم اخلاق پر بھی جو کتابیں لکھی گئی تھیں مثلاً کتاب الطہارت لابن مسکویہ اشکال سے خالی نہ تھیں امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفہ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کئے کہ دقیق سے دقیق نکتے افسانہ اور لطائف بن گئے۔ ایک ہی مضمون کو کتاب الطہارۃ اور احیاء العلوم دونوں میں دیکھو کتاب الطہارۃ میں تم کو غور و فکر اور خوض سے کام لینا پڑے گا اور باوجود اسکے زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ کتاب کا مطلب تمہاری سمجھ میں آجائے گا احیاء العلوم میں یہ معلوم بھی نہ ہو گا کہ تم کوئی علمی کتاب پڑھ رہے ہو تم قصہ کیطرح اسکو پڑھتے چلے جاؤ اور مضمون کی نسبت تصور یہی نہیں ہو گا کہ تم اسکو سمجھ جاؤ بلکہ دل پر اسکی کیفیت طاری ہو گی اور تم سراپا اثر میں ڈوب جاؤ گے۔

ـــــــــــ

لے رسالہ قیسریہ اور قوت القلوب کے ماخذ ہونے کا ذکر علامہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں بتصریح کیا ہے ذریعہ کا ماخذ دونوں کتابوں کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۳) اخلاق کی تعلیم میں ایک بہت بڑی غلطی ہمیشہ سے ہوتی آئی ہو کہ اختلاف طبائع و امزجہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا کسی بانی مذہب کے نزدیک اگر تجرد اور ترک اختلاط پسندیدہ ہے تو وہ چاہیگا کہ تمام عالم تارک دنیا ہو جائے۔ دوسرے کے نزدیک اگر حسن معاشرت اور فیض رسانی عام زیادہ مفید ہو تو اسکی خواہش ہوگی کہ سب اسی قالب میں ڈھل جائیں لیکن چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف ہیں اسلئے اس قسم کی یکطرفہ تعلیم کا اثر طبائع تک محدود رہکر باقی ہزاروں آدمیوں کے حق بیکار رہو جاتا ہے اس نکتہ کو سب سے پہلے امام صاحب نے سمجھا انکے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے جس جس شخص کا مزاج قدرتی طور سے معاشرت پسند واقع ہوا ہو اسکو ہرگز تجرد اور ترک تعلقات کی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ معاشرت کے وہ اصول و قواعد بنانے چاہئیں جسکے ذریعہ سے اس سے وہ نیکیاں ظہور میں آئیں جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً صلۂ رحم۔ حاجت روائی خلق۔ ہدایت عام اسی طرح جسکا مزاج قدرتاً تجرد پسند ہے اسکو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ گوشہ گیری اور ترک تعلق کے ایسے اصول سکھلانے چاہئیں جنسے وہ اعتدال سے متجاوز نہونے پائے۔

(۴) امام صاحب نے معاشرت و اخلاق کی بنیاد اگرچہ تمام تر مذہب پر رکھی ہے اور اسی وجہ سے ہر عنوان کی ابتدا روایات شرعیہ سے استنباط کرتے ہیں لیکن اس نکتہ کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہو کہ شارع کے کون سے افعال رسالت کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے معاشرت اور عادت کی حیثیت سے آداب طعام پر جو مستقل مضمون لکھا ہو اسمیں جہاں کھانا کھانے کے قاعدے لکھے ہیں ایک قاعدہ یہ لکھا ہو کہ کھانا دسترخوان پر چن کر کھانا چاہیے، میز یا صندلی پر رکھکر کھانا چاہیے اس کی سند میں حضرت انس کی ایک حدیث نقل کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صندلی پر رکھکر نہیں کھایا پھر قدمائے سلف کا یہ مقولہ نقل کیا ہو کہ دو چار چیزیں بدعت ہیں جو آنحضرت کے بعد ایجاد ہوئیں کھانے کی میز و یا صندلیاں چھلنی۔ اشنان۔ پیٹ بھر کھانا، ان اقوال کے بعد لکھتے ہیں کہ گو دسترخوان پر کھانا اچھا ہے۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ صندلی پر کھانا مکروہ یا حرام ہے۔ کیونکہ اس قسم کا کوئی شریعت میں وارد نہیں۔ باقی یہ امر کہ یہ چیزیں آنحضرت کے بعد ایجاد ہوئیں تو یہ کلیہ نہیں کہ ایجاد بدعت ہی بدعت ناجائز صرف وہ ہو جو کسی سنت کے مخالف ہو یا جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود بقائے علت کے باطل ہو جائے ورنہ حالات کے اقتضار کے موافق بعض ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں۔ صندلی پر کھانے میں صرف یہ بات ہے کہ کھانا زمین سے ذرا اونچا ہو جاتا ہے اور کھانے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ کوئی ممنوع امر نہیں۔ جن چار چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے۔ سب یکساں نہیں ہے اشنان سے ایک گھاس کا نام ہے۔ جو صابون کی بجائے ہاتھ دھونے کے وقت استعمال کیجاتی تھی ہاتھ دھونا تو اور اچھی بات ہے کیونکہ اسمیں صفائی اور نفاست ہے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں تو اور زیادہ صفائی ہو اگلے زمانہ میں اگر اسکا استعمال نہیں کیا جاتا تھا تو اسکی وجہ یہ ہوگی کہ اسکا رواج نہ تھا وہ میسر نہ آتی ہوگی یا وہ لوگ ایسی مہمات میں مشغول

ے معلوم ہوتا ہے کشف الظنون وغیرہ میں لکھا ہو کہ ذریعہ امام غزالی کے پیش نظر رہتی تھی اس سے اصل حقیقت کا فی الجملہ سراغ لگتا ہے ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے جو صفائی پر مقدم تھے۔ یہانتک کہ وہ ہاتھ بھی نہیں دہوتے تھے اور تلووں میں ہاتھ پونچھ لیا کرتے تھے لیکن اس سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہاتھ دہونا مستحب ہی نہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ امام صاحب نے معاشرت کے جو آداب لکھے ہیں وہ ایشیائی طریقے کی بہ نسبت زیادہ تر مہذب ممالک کے طریقہ سے ملتے ہیں۔ مثلاً کھانے کے آداب میں لکھتے ہیں۔ کھانا کسی اونچی چیز پر (عربی میں اسکو خوان کہتے ہیں) رکھکر کھانا چاہیئے کھانے باری باری سے آنے چاہئیں لطیف کھانا (شوربہ وغیرہ) پہلے آنا چاہیئے اگر اکثر مہمان آچکے ہوں اور صرف ایک دو باقی ہوں تو کھانا شروع کر دینا چاہیئے کھانے کے بعد میوے یا کوئی شیرینی آنی چاہیئے اسی مضمون میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ تمام کھانوں کے نام پرچہ پر لکھکر، مہمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے انکی خاص عبارت یہ ہے وحکی عن بعض اصحاب المودات انه کان یکتب نسخة بما یستحضر من الالوان ویعرض علی الضیفان اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کارڈ آف ٹیبل کا طریقہ یورپ نے ہمیں سے سیکھا ہے۔ سماع کی بحث ادب خامس میں لکھتے ہیں

والقیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادة العرب بل کان الصحابة لا یقومون لرسول الله صلی الله علیه وسلم فی بعض الاحوال کما رواه انس ولکن اذا لم یثبت فیه نهی عام فلا نری به باساً فی البلاد التی جرت العادة فیها بالاکرام والتطییب للقلوب بمولانا لله سائر انواع المساعدة اذا قصد بها تطییب القلب واصطلح علیها جماعة فلا باس بمساعدتهم علیها بل الاحسن المساعدة الا فیما ورد فیه نهی لا یقبل التاویل[1]

کسی کیلئے تعظیماً کھڑا ہو جانا عرب کا طریقہ نہ تھا چنانچہ صحابہ بعض اوقات آنحضرتؐ کیلئے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انس سے مروی ہے لیکن چونکہ اس کے متعلق کوئی نہی عام نہیں وارد ہے اسلئے جن ملکوں میں اسکا رواج ہے ہمارے نزدیک ہاں قیام تعظیمی کرنا کچھ مضائقہ کی بات نہیں کیونکہ اس سے مقصود تعظیم و تکریم ہے اس قسم کی اور باتیں بھی جو کسی قوم میں رواج پا گئی ہیں جائز بلکہ مستحسن ہیں البتہ جس فعل کے متعلق کوئی ایسی نہی وارد ہو چکی ہو جسکی تاویل نہیں ہو سکتی تو وہ ناجائز ہے

(۵) ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متواضع ہو حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے سخت بات پر اسکو غصہ نہ آئے۔ لہو و لعب سے بالکل محترز ہو، متین ہو قناعت پسند ہو، متوکل ہو مجلس میں بیٹھے تو چپ بیٹھے بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے ہر شخص سے جھک کر ملے غرض جتنی خوبیاں ہوں قوت منفعلہ سے تعلق رکھتی ہوں اس کے مقابلہ میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی عمدگی کا یہ معیار ہے کہ انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرتمند ہو، باحوصلہ ہو پر جوش ہو مہمات امور پر اسکی نظر ہو ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ کا لطف اٹھا مختصر یہ کہ جو خوبی ہو وہ قوت فاعلہ کا ظہور ہو دونوں قسم کے مذکورہ بالا اوصاف اپنی اپنی جگہ مدح کے قابل ہیں لیکن ایک کا میلان پست ہمتی اور دوسرے کا بلند حوصلگی کی طرف ہے اگر کسی قوم میں صرف پہلی قسم کے اوصاف پائے جائیں تو وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی۔ ہماری قوم جو روز بروز تنزل کی طرف مائل ہوتی جاتی ہے اسکا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ علماء وعظ و پند میں جن محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں ان میں جوش بلند ہمتی، عالی حوصلگی، آزادی، دلیری، عزم استقلال کا ذکر تک نہیں آتا۔

[1] یہ تمام عبارت احیاء العلوم کا لفظی ترجمہ ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

احیاء العلوم بھی اگرچہ اس داغ سے پاک نہیں چنانچہ عزم ثبات ہمت اور استقلال کا کوئی باب نہیں باندھا ہے تاہم محاسن اخلاق کی جہان تشریح کی ہے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اخلاق کا رنگ رہبانیت افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پائے بچون کی ابتدائی تعلیم میں سیر و ورزش جسمانی اور مردانہ کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے گانے کے متعلق جہان بحث کی ہے معترضوں کا یہ قول کہ گانا لہو و لعب میں داخل ہے نقل کرکے پہلے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت نے خود حبشیون کی بازیگری ملاحظہ فرمائی تھی پھر لکھتے ہین

علی انی اقول اللهو تروح للقلب تخفف عنه اعباء الفکر والقلوب اذا اکرهت عمیت وترویحها اعانة لها علی الجد فالمواظب علی نوافل الصلوة فی سائر الاوقات فاینبغی ان یتعطل فی البعض الاوقات فالعطلة علی العمل واللهو معین علی الجد۔

اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ لہو و لعب دلکو فرحت دیتا ہے اور اس سے فکر کی تھکن کم ہو جاتی ہے دل کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اسلئے اُسکو آرام دینا اس بات کیلئے تیار کرنا ہے کہ وہ پھر کام کے قابل ہو جائے جو شخص رات دن نفلین پڑھا کرتا ہے اُسکو چاہئے کہ بعض اوقات خالی بیٹھے کیونکہ خالی بیٹھنا کام کرنے پر اور کھیل کود میں مصروف ہونا سنجیدہ مشاغل کیلئے آدمی کو تیار کر دیتا ہے۔

کم خوری کی جہان خوبیان لکھی ہین لکھتے ہین کہ ہمنے بھوکے رہنے کے جو فضائل بیان کئے ہین اُنسے عام لوگ یہ قیاس کرینگے کہ اسمیں افراط کرنا ممدوح اور پسندیدہ ہے لیکن حاشا! یہ مقصود نہیں یہ شریعت کا گُر ہے کہ انسان کی خواہش نفسانی جس چیز کی طرف حد سے زیادہ راغب ہے اور اس حد تک راغب ہونا موجب فساد ہو تو شریعت اُسکے روکنے میں اسقدر مبالغہ کرتی ہے کہ جاہل آدمی سمجھ سکتا ہے کہ خواہش انسانی کا مٹا دینا تا امکان مقصود ہے لیکن عاقل سمجھتا ہے کہ اصلی غرض۔ اعتدال ہے مثلاً ایکطرف تو طبیعت یہ چاہتی ہے کہ جسقدر زیادہ سے زیادہ کھایا جائے کھانا چاہئے دوسری طرف شارع نے بھوکے رہنے کی نہایت فضیلت بیان کی ہے اس صورت میں دونوں میں مقاومت ہوکر اعتدال پیدا ہو جائیگا۔

اخلاق کے قابل اصلاح ہونیکی بحث میں لکھتے ہیں کہ قوت غضبیہ کا زائل کرنا تہذیب اخلاق میں داخل نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ سچی حمیت و خودداری پیدا ہو۔ یعنی نہ بزدلی ہو نہ تہور۔ پھر لکھتے ہین کہ غصہ بالکل زائل کرنا کیونکر مقصود ہو سکتا ہے خود انبیاء علیہ السلام غصہ و غضب سے خالی نہ تھے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں آدمی ہوں اور مجھکو بھی اسیطرح غصہ آتا ہے جسطرح اور آدمیوں کو۔ آنحضرت کی یہ حالت تھی کہ جب آپکے سامنے کوئی ناگوار بات کی جاتی تھی تو آپکے رخسارے سُرخ ہو جاتے تھے البتہ یہ فرق تھا کہ غصہ کیحالت مین آپکی زبان مبارک سے کوئی بات بیجا نہیں نکلتی تھی اسی لئے خدا نے نہیں کہا

امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی اچھی بات کی ہدایت کرنا اور بُری بات پر ٹوکنا ایک شرعی حکم ہے اسکی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف وہ شخص جو سلطان وقت کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہے وہ اس کام کا مجاز ہے لیکن امام صاحب نے نہایت زور کے ساتھ اس رائے کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ بُری بات پر نہایت آزادی کے ساتھ گرفت کرے اس کی دلیل میں لکھتے ہین کہ خود بادشاہ اگر غلطی کرے اور اُسپر گرفت کیجائے تو دو حالتیں ہیں، اگر بادشاہ اسکو جائز رکھے گا تو فبہا ورنہ یہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کا دوسرا جرم ہوگا اور اس پر وہ جُداگانہ قابل مواخذہ ہے۔"

اس بحث میں امام صاحب نے بہت سی حکایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ خلفائے عباسیہ اور دیگر سلاطین اسلام پر لوگوں نے نہایت آزادی، دلیری، اور بیباکی سے نکتہ چینیاں کیں پھر اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ بیٹے کو باپ کے غلام کو آقا کے شاگرد کو استاد کے رعایا کو بادشاہ کے مقابلہ میں امر بالمعروف کرنا جائز ہے یا نہیں اسکا فیصلہ یہ کیا ہے کہ احتساب کے متعدد درجے ہیں تجسس اعلام وعظ وپند زجر و توبیخ۔ دفع بالید۔ تہدید و تخویف۔ زد و کوب۔ عام لوگوں کے مقابلہ میں یہ سب طریقے استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن استاد وغیرہ کے مقابلہ میں صرف دو طریقوں سے کام لینا چاہیے یعنی اعلام اور وعظ

ایشیائی اخلاق کا سب سے زیادہ اور نازک مسئلہ توکل اور قناعت کا مسئلہ ہے اس مسئلہ کی غلط فہمی نے تمام ایشیائی قوموں اور خاصۃً مسلمانوں کو ایک مدت سے اپاہج اور نکما بنا دیا ہے ہزاروں لاکھوں آدمی سمجھتے ہیں کہ توکل اور قناعت کسب معاش کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ انسان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے وہ رزاق مطلق ہے اور روزی دینے کا خود ذمہ وار ہے خود ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں اس خیال نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مختلف صورتوں میں گداگر بنا دیا ہے چونکہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور دقیق تھا، اور چونکہ اسکی غلط فہمی نے بہت بڑا اثر پیدا کیا تھا۔ امام صاحب نے اسپر نہایت مفصل اور مدلل بحث کی ہے اعمال المتوکلین کے لفظ سے جو عنوان باندھا ہے اُس کی ابتدا اس جملہ سے کی ہے

اعلم ان العلم یورث الحال والحال یثمر الاعمال و یظنین	جاننا چاہیے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور کیفیت سے اعمال صادر ہوتے ہیں بعض
ان معنی التوکل ترک التکسب بالبدن و ترک التدبیر بالقلب	لوگ سمجھتے ہیں کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ اکتساب معاش کیلئے نہ ہاتھ پاؤں
والسقوط علی الارض کالخرقة الملقاة و کاللحم علی الوضم	ہلائے جائیں نہ کوئی تدبیر سوچی جائے بلکہ آدمی اسطرح بیکار پڑا رہے جسطرح
وهذا ظن الجهال فان ذالک حرام فی الشرع ۔	چیتھڑا زمین پر پڑا رہتا ہے یا گوشت تختہ پر رکھا ہوتا ہے لیکن یہ جاہلوں کا خیال ہے

توکل کی حقیقت اور ماہیت پر امام صاحب نے ایک نہایت بسیط اور دقیق مضمون لکھا ہے اس میں توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ عام خیال سے بالکل ایک جداگانہ چیز ہے وہ لکھتے ہیں۔

توکل دراصل توحید کا نام ہے۔ توحید کے اعتقاد سے ایک حالت طاری ہوتی ہے۔ اور اس حالت کی وجہ سے وہ مخصوص افعال صادر ہوتے ہیں۔ جنکو لوگ توکل سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ توحید کے چار درجے ہیں زبانی اقرار اقرار زبانی اور اعتقاد قلبی کشف کے ذریعہ سے یہ مشاہدہ ہونا کہ تمام افعال ذات باری سے صادر ہوتے ہیں اسباب اور وسائط کو کچھ دخل نہیں۔ یہ مشاہدہ ہونا کہ عالم میں ذات باری کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ان مراتب چہارگانہ میں سے دو پہلے مدارج کو توکل کے وجود میں کچھ دخل نہیں توکل کی ابتدا تیسرے درجہ سے شروع ہوتی ہے یعنی جب بذریعہ کشف یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی علت صرف ذات باری ہے بیچ کے وسائط اور اسباب بالکل بیکار ہیں (جس طرح بادشاہ کوئی حکم بذریعہ تحریر کے نافذ کرتا ہے تو کاغذ قلم دوات کو اُس حکم کی علت نہیں کہہ سکتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

توانسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ خدا کے سوا اور وسائط و اسباب اُس کی نظر سے بالکل چھپ جاتے ہیں۔ اس حالت
وہ جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے جو کچھ مانگتا ہے خدا سے مانگتا ہے اس کا نام توکل ہے۔

امام صاحب نے توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ ایک وجدانی کیفیت یا حالت ہے جو ارباب ذوق پر طاری ہوتی ہے بے شبہہ یہ حالت جس پر طاری ہو جائے وہ ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو جائیگا لیکن آج جو لوگ توکل کے مدعی ہیں کیا اس معنی کے لحاظ سے ہیں؟ کیا ان پر یہ کیفیت طاری ہے؟ اگر نہیں ہے تو انکو ہاتھ پاؤں توڑ کر نذر و نیاز پر زندگی بسر کرنیکا کیا حق ہے۔

امام صاحب نے توکل کی اصلی کیفیت میں بھی یہ جائز نہیں رکھا کہ متوکل شخص اسباب و وسائط سے دست بردار ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ اسباب و وسائط کی تین قسمیں ہیں قطعی۔ ظنی۔ احتمالی۔ قطعی میں اسباب سے قطع نظر کرنا بالکل ناجائز ہے۔

فهذا جنون محض وليس من التوكل في شيء فانك ان انتظرت ان يخلق الله فيك شبعا دون الخبز ويخلق في الخبز حركة اليك او يسخر ملكا ليمضغه ويوصله الى معدتك فقد جهلت سنة الله تعالى۔

یہ محض جنون ہے اور اسکو توکل سے کچھ لگاؤ نہیں۔ کیونکہ مثلاً اگر تم اس بات کے منتظر رہو کہ خدا تم کو روٹی کے بغیر سیر کر دیگا یا روٹی کو یہ قوت دیدیگا کہ وہ خود تم تک چلی آئے یا کوئی فرشتہ مقرر کر دیگا کہ روٹی کو چبا کر تمہارے معدے میں ڈالدے تو تم نے خدا کی عادت کو بالکل نہ پہچانا۔

ظنی میں بھی اسباب سے قطع نظر کرنا توکل میں مشروط نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت خواص ؒ سفر میں سوئی۔ مقراض رسی اور چھاگل۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

البتہ احتمالی اسباب یعنی جنسے کبھی کبھی اتفاقیہ طور سے مقصد حاصل ہو جاتا ہو انکی تلاش و جستجو میں رہنا توکل کے خلاف ہے۔

واعلموا ان الجلوس في رباطات الصوفية مع معلوم بعيد من التوكل فان لم يسأل ولم يقنعوا بما يحمل اليهم فهذا اقوى في توكلهم لكنه بعد اشتهار القوم بذالك فقد صار لهم سوقا فهو كدخول السوق ولا يكون داخل السوق متوكلا الا بشروط كثيرة سبق

خانقاہوں میں مقررہ روزینے پر بسر کرنا توکل سے بعید ہے۔ البتہ اگر سوال نہ کیا جائے اور تحفے ہدایا پر قناعت کیجائے تو یہ توکل کی شان ہے لیکن جب شہرت ہو چکی تو خانقاہیں بمنزلہ بازار کے ہیں اور انمیں رہنا گویا بازار میں رہنا ہے اور جو شخص بازار میں آتا جاتا ہو وہ متوکل نہیں کہا جا سکتا اگر اس حالت میں کہ اور بہت سی شرطیں پائی جائیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

غرض امام صاحب توکل کی جو حقیقت اور احکام بیان کئے ہیں، وہ توکل نہیں جو انسان کو کاہلی مفت خوری بیدست و پائی مہذب گداگری سکھاتا ہے۔ امام صاحب نے اس مضمون میں بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ متوکل کا یہ کام نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کی کمائی کھائے۔

احیاء العلوم کا فلسفہ اخلاق

ان سرسری عام خصوصیتوں کے بتانیکے بعد ہم احیاء العلوم کے خاص فلسفۂ اخلاق سے بحث کرتے ہیں امام صاحب نے فلسفۂ اخلاق کے ابتدائی اصول تمامتر حکمائے یونان سے لئے ہیں۔ ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق حکمائے یونان کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فلسفۂ اخلاق کا پورا خلاصہ ہے امام صاحب نے احیاء العلوم اخلاق کی حقیقت اُسکی تقسیم اور انواع پر جو کچھ لکھا ہے تہذیب الاخلاق کو سامنے رکھکر لکھا ہے مثلاً خلق کی حقیقت و ماہیت سے جہاں بحث کی ہے لکھتے ہین۔

خلق اور خُلق قریب المعنی الفاظ ہین جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کہ خلق اور خلق دونون میں اچھا ہے۔ یعنی اُسکا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی۔

احیاء العلوم کا جس قدر حصہ حکمائے یونان سے ماخوذ ہے

انسان حقیقت مین دو چیزونکا نام ہی جسم۔ روح۔ اور جسطرح جسم کی ایک خاص صورت اور شکل ہے روح کی بھی ہے پھر جسطرح جسم کی صورت اچھی یا بُری ہوتی ہے روح کی بھی ہوتی ہے اور جس طرح ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا بدصورت کہتے ہیں۔ روحانی صورت کے لحاظ سے اُسکو خوش اخلاق یا بد اخلاق کہا جاتا ہے۔

منطق کے اُصول کے مطابق خُلق کی یہ تعریف ہے روح میں ایسے ملکۂ راسخہ کا پایا جانا جس کی وجہ سے انسان اچھے یا بُرے افعال بلا تکلف آپ سے آپ سرزد ہون۔

اس تعریف میں تین قیدین ہین۔ ملکہ۔ راسخہ۔ افعال کا بلا تکلف سرزد ہونا۔ پہلی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی شخص کی طبیعت فطرۃً سخی واقع ہو لیکن افلاس یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے فیاضی کا اظہار نکرسکتا ہو تو اُسکی سخاوت مین فرق نہین آسکتا۔ غرض خلق کے وجود کے لئے افعال کا صادر ہونا شرط نہیں۔ صرف یہ شرط ہے کہ طبیعت مین اس قسم کی کیفیت موجود کہ اگر کام کرنیکے سامان اور موقع ہاتھ آئیں تو بلا تکلف وہ کام ظہور مین آئے۔

دوسری قید کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کبھی کبھی اتفاقیہ کسی کام کی طرف رغبت ہو تو وہ خلق مین داخل نہین کیونکہ اسکو ملکہ راسخہ نہیں کہہ سکتے۔ تیسری قید کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت پر زور ڈالکر اپنے غصہ کو تھامتا ہے تو اُسکو حلیم نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ فعل اُس سے بے تکلف ظہور میں نہیں آتا۔

خُلق کے اقسام بہت ہین لیکن اصلی ارکان جن سے اور تمام شاخین نکلتی ہین تین ہیں۔ علم غضب شہوت[1] انہی تینون قوتون کے اعتدال کا نام حسن خُلق ہے۔ کسی شخص میں اگر یہ تینون قوتیں معتدل ہون تو وہ پورا خوش اخلاق ہوگا اگر صرف ایک یا دو ہون تو ناتمام۔ جس طرح کسی کے تمام اعضا خوبصورت ہون تو کامل الحسن ہوگا ورنہ ناقص۔

علم کی قوت کے اعتدال کا نام حکمت ہے اور وہ تمام اخلاق حسنہ کی بیخ و بُن ہے۔

غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے بالکل بری ہو یعنی اس طرح عقل کے قابو میں ہو کہ وہ جسطرف بڑھائے بڑھے اور جہان روکے رُک جائے تو اُسکو شجاعت کہتے ہین، شجاعت کی قوت مختلف مظہرون مین ظاہر ہوتی ہے اور ہر مظہر کا نام جدا ہوتا ہے مثلاً خودداری۔ دلیری آزادی۔ حلم۔ استقلال، ثبات، وقار یہ قوت (غضب) جب اعتدال سے ہٹکر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے تو تہور بن جاتی ہے اور اس سے سلسلہ بہ سلسلہ غرور نخوت خود پرستی۔ خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہو جب تفریط کی طرف جھکتی ہے تو ذلت پسندی۔ کم حوصلگی۔ بیطاقتی دنارت کے قالب مین ظہور کرتی ہے۔

[1] امام صاحب نے چار رکن لکھے ہین چوتھا عدل، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہین۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شہوت کی قوت میں جب کامل اعتدال ہوتا ہے تو اُسکو عفت کہتے ہیں یہی صفت مختلف سانچوں میں ڈھلکر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ یعنی جود۔ حیا۔ صبر۔ درگزر۔ قناعت۔ پرہیزگاری۔ لطیفہ مزاجی۔ خوش طبعی۔ بے طمعی یہ صفت جب افراط و تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اُس سے حرص طمع بے شرمی فضول خرچی۔ ریا اور پاجی پن۔ رندی۔ تملق۔ حسد۔ رشک وغیرہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ عقل کی قوت معتدل رہتی ہے تو حسن تدبیر۔ جودت ذہن۔ اصابت رائے پیدا کرتی ہے۔ جب اس میں افراط آتا ہے تو مکر فریب۔ حیلہ سازی۔ عیاری۔ وغیرہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ تفریط ہوتی ہے تو حماقت۔ سادہ پن۔ نافہمی۔ ناعاقبت اندیشی کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ محاسن اخلاق کے ارکان اصلی تین ہیں حکمت۔ شجاعت۔ عفت جسقدر اور اخلاق حسنہ ہیں سب انہیں کے مختلف قالب اور مختلف مظاہر ہیں امام صاحب نے اخلاق کی یہ تحدید اور تقسیم حکیم ابن مسکویہ کی تحقیق کے مطابق کی ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ حکیم موصوف نے اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں اس بحث کے متعلق جو کچھ لکھا تھا امام صاحب نے خوبی کے ساتھ اُسی کو ادا کیا ہے۔[۱]

امام صاحب نے اس تحدید و تقسیم کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ اخلاق میں اصلاح و فساد کی قابلیت ہے یا نہیں قدمائے یونان اسبات کے قائل تھے کہ بالطبع شریر اور بداخلاق پیدا ہوا ہے لیکن تربیت و تعلیم سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے۔ رواقیین اس کے خلاف تھے اور انسان کو بالطبع پاکیزہ خو خیال کرتے تھے۔ جالینوس نے ان دونوں مذہبوں کو اس دلیل سے باطل کیا ہے کہ مثلاً اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام خلقتہً نیک ہیں تو کوئی شخص تعلیم سے بھی شریر نہیں ہو سکتا خود تو اس میں سرے سے شرارت کا مادہ ہی نہیں، دوسروں سے سیکھ سکتا تھا لیکن پہلے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آدمی تمام نیک ہیں اسلیے جب خود سکھلانے والے میں شرارت کا مادہ نہیں تو وہ کسی دوسرے کو شرارت کی تعلیم کیونکر دے سکتا ہے جالینوس کا ذاتی مذہب یہ ہے کہ بعض انسان بالطبع شریر ہوتے ہیں۔ بعض بالطبع نیک۔ بعض دونو کے بیچ میں ہوتے ہیں اور صرف یہی اخیر فرقہ اصلاح کے قابل ہوتا ہے ارسطو نے کتاب الاخلاق میں یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ بداخلاقی یا خوش اخلاقی کوئی چیز انسان کی طبعی اور جبلی نہیں۔ جو کچھ ہے تعلیم و تربیت کا اثر ہے البتہ تعلیم و تربیت کی قابلیت کے مدارج مختلف ہیں۔

امام صاحب نے ارسطو کی رائے اختیار کی وہ لکھتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مکمل طور پر پیدا ہوئیں اور ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ مثلاً آفتاب۔ ماہتاب۔ زمین۔ دوسرے وہ جو ناقص پیدا کی گئیں۔ اور اُن میں یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کامل ہو جائیں مثلاً کسی درخت کا بیج کہ وہ اسوقت بیج ہے لیکن درخت بن سکتا ہے اخلاق انسانی اسی دوسری قسم میں داخل ہیں اس قدر ضرور ہے کہ تمام آدمیوں کی جبلتیں یکساں نہیں بعض کے اخلاق باسانی اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں، اور بعض کے بمشکل۔ خود اخلاق کی اقسام میں بھی باہم اختلاف ہے، شہوت۔ غضب۔ کبر غرور ان میں سے بعض کی اصلاح آسانی سے ہو سکتی ہے بعض کی مشکل ہے۔

[۱] یہ تمام تفصیل ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق سے ماخوذ ہے۔ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲ ۵۲ یہ استدلال اور تشبیہ راغب اصفہانی کی کتاب الذریعہ سے ماخوذ ہے ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو حکماء اخلاق کے قابل اصطلاح ہونیکے قائل تھے اُن کا ایک استدلال یہ بھی تھا کہ اس بات کی ایک مثال بھی دنیا مین موجود نہیں کہ شہوت، غضب، خود پرستی وغیرہ کا بالکل استیصال ہوجائے امام صاحب اسکے جواب مین لکھتے ہین کہ حاشا! ان قویٰ کا معدوم کرنا مقصود ہی نہیں یہ تمام قویٰ مصالحہ زندگی کے لحاظ سے پیدا کئے گئے ہین، غضب کی قوت اگر بالکل مفقود ہوجائے تو انسان اپنے آپ کو دوسرونکے حملے سے نہ بچاسکے اور خود ہلاک ہوجائے۔ شہوت کی قوت جاتی رہے تو نسل انسانی منقطع ہوجائے علم اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ یہ تمام قویٰ باقی رہیں لیکن انمین اعتدال آجائے یہی وجہ ہو کہ خداتعالی نے قرآن مجید میں والکاظمین الغیظ کہا (غصے کے تھامنے والے) یہ نہیں کہا کہ والفاقدین الغیظ (جنمین سرے سے غصہ نہ ہو)

اس بحث کے بعد امام صاحب نے عام طور پر تہذیب الاخلاق کے چند قاعدے لکھے ہین لیکن چونکہ اخلاق کی اصلاح اسبات پر موقوف ہے کہ پہلے انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو اسلئے اسکا ایک خاص عنوان باندھا اور عیوب سے واقف ہونیکے چار طریقے بتائے۔

(۱) شیخ طریقت سے اسبات کی درخواست کرنا کہ عیوب پر مطلع کرتے رہیں۔ (۲) اپنے خاص اور بے ریا احباب سے اس بات کا خواہان ہونا کہ عیوب پر مطلع کرتے رہیں) حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب پر کا تحفہ مجکو بھیجے۔ امام صاحب یہ طریقہ لکھکر لکھتے ہیں کہ "افسوس! یہ علاج آجکل کام نہیں دیتا۔ احباب یا تو مداہنت کرتے ہین اور عیوب کو چھپاتے ہیں یا اسقدر بڑھاکر کہتے ہین کہ اصلی عیب کا پتہ نہیں ملتا۔ طبایع کا یہ حال ہے کہ جو شخص عیوب پر مطلع کرتا ہے وہ دشمن، حاسد اور نکتہ چین خیال کیاجاتا ہے کوئی شخص ہمارے عیوب بتاتا ہے تو ہم کہتے ہین کہ یہ باتین آپ مین بھی تو موجود ہین یہ خیال ہم کو اپنے عیوب کی طرف متوجہ نہیں دیتا"

(۳) عیوب پر مطلع ہونیکا بڑا ذریعہ ہمارے دشمن ہین، ہمارے عیب ہمکو خود نظر نہیں آتے لیکن دشمن ہمارے پوشیدہ اور دقیق عیوب کی تہ تک پہونچتا ہے اور اُنکو پھیلاتا ہے اس لئے دشمنون کی عیب گیری اپنے عیوب سے مطلع ہونے کیلئے بہت کام آسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ تدبیر بھی ہمکو مفید نہیں ہوسکتی ہمارا نفس ہمکو سمجھاتا ہے کہ فی الواقع ہم میں یہ عیوب نہیں بلکہ وہ دشمن کی دشمنی کی وجہ سے ہماری اچھی باتین بھی بُری نظر آتی ہین۔ یا وہ دانستہ ہمارے ہر فعل کو عیب کا لباس پہناتا ہے

(۴) لوگونکے اخلاق وعادات کو اپنے عیوب کا آئینہ بنایا جائے۔ چونکہ افراد انسانی کی عادات وخصائص اکثر ملتے جلتے ہوتے ہیں اسلئے جو عیب اوروں میں نظر آئے قیاس کرنا چاہیئے کہ ہم میں بھی ہوگا۔ پھر جب زیادہ تدقیق کروگے تو اصل حقیقت ظاہر ہوجائیگی۔ امام صاحب نے عیوب سے واقفیت کے جو طریقے بتائے اُن میں سے دو پہلے جالینوس نے اپنی کتاب تعرف المرء عیوب نفسہ میں لکھے ہیں اور چوتھا یعقوب کندی کا اختراع ہے۔

چونکہ امام صاحب کے نزدیک اخلاق کی درستی میں تربیت کو بہت دخل ہے اور تربیت کی بنیاد اصلی بچپن کے زمانے میں پڑتی ہے اسلئے امام صاحب نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے قواعد کو ایک دستور العمل کے طور پر مرتب کیا جسکا خلاصہ یہ ہے۔

بچہ مین جسوقت تمیز کے آثار ظاہر ہون اُسیوقت سے اُسکی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے بچہ میں سب سے پہلے غذا کی رغبت پیدا ہوتی ہے اسلئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تعلیم کی ابتدا یہیں سے شروع ہونی چاہیئے اُسکو سکہلانا چاہیئے کہ کہانے سے پہلے بسم اللہ پڑہ لیا کرے) دسترخوان پر جو کہانا سامنے اور قریب ہو اُسیکی طرف ہاتھ بڑہائے۔ ساتھ کہانے والوں پر سبقت نہ کرے کہانیکی طرف یا کہانے والوں کی طرف نظر نہ جمائے۔ جلد جلد نہ کہائے نوالہ اچھی طرح چبائے۔ ہات کپڑے کہانے میں آلودہ نہ ہونے پائیں۔ زیادہ خوری کو معیوب ثابت کیا جائے کم کہانا، معمولی کہانے پر اکتفا کرنا، دوسرونکو کہلا دینا۔ ان اوصاف کی خوبی دلمیں بٹہائی جائے۔

سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے اور اُسکو سمجہایا جائے کہ رنگین ریشمین زرتار کپڑے پہننا عورتوں اور مخنثوں کا کام ہے جو لڑکے اس قسم کے کپڑے پہننے کے عادی ہوں انکی صحبت سے بچایا جائے آرام پرستی اور ناز و نعمت سے بچایا جائے اور نفرت دلائی جائے۔

جب بچے سے کوئی پسندیدہ فعل ظہور میں آئے تو تعریف کرکے اُس کا دل بڑہایا جائے اور اُسکو صلہ و انعام دیا جائے۔ اس کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں آئے تو اغماض کرنا چاہیئے تاکہ بُرے کاموں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائے خصوصاً جب وہ خود اس کام کو چھپانا چاہتا ہو اگر دوبارہ وہ فعل اس سے سرزد ہو تو تنہائی میں اُسکو نصیحت کرنی چاہیئے کہ یہ بہت بُری بات ہے لیکن بار بار اُسکو ملامت نہ کرنی چاہیئے والدین کو لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہر وقت زجر و توبیخ نہ کرتے رہیں کیونکہ بار بار کہنے سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہے اور بچہ زجر و توبیخ کا عادی ہو جاتا ہے۔

دن کو سونا نہ چاہیئے۔ بستر پر تکلف اور زیادہ نرم نہ ہونا چاہیئے اس بات کی سخت تاکید رکھنی چاہیئے کہ بچہ کوئی کام چھپا کر نہ کرے کیونکہ بچہ اُسی کام کو چھپا کر کرتا ہے جسکو بُرا سمجہتا ہے اسلیئے جب چھپا کر کام کرنیکی عادت چھوٹیگی تو خود بخود تمام بُرائیاں چھوٹ جائینگی ہر روز کچھ نہ کچھ پیادہ چلنا اور ورزش کرنی چاہیئے تاکہ طبیعت میں افسردگی اور سستی نہ آنے پائے ہاتھ پاؤں کھلے نہ رکھے بہت جلد جلد نہ چلے۔ دولت مال لباس غذا، قلم دوات، غرض کسی چیز پر فخر کا اظہار نہ کرنے پائے۔ اگر بچہ امیری اور ریاست و امارت کے اثر سے اُسکے ہم صحبت بچے اُسکو کچھ نذر دینا چاہیں تو اُسکو سمجہایا جائے کہ کسی سے لینا حوصلہ مندی کے خلاف ہے مفلس کا بچہ ہے تو اُس کے ذہن نشین کیا جائے کہ بخشش و عطا کا قبول کرنا دنارت اور کمینہ پن ہے۔

مجلس میں تہوکنا، جمائی اور انگڑائی لینا، لوگوں کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھنا۔ پاؤں پر پاؤں رکھنا ٹہوڑی کے نیچے ہتیلی رکھکر بیٹھنا۔ ان باتوں سے منع کرنا چاہیئے۔

قسم کھانے سے بالکل روکنا چاہیئے گو سچی قسم ہو بات خود نہ شروع کرے بلکہ کوئی پوچھے تو جواب دے مخاطب کی بات کو توجہ سے سُنے۔ فضول گوئی۔ فحش دشنام اور سخت کلامی سے منع کیا جائے اور جن لوگونکو ان باتوں کی عادت پڑ گئی ہو اُنکی صحبت نہ اختیار کرنے پائے مکتب سے پڑھکر نکلے تو اُسکو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے کیونکہ ہر وقت پڑہنے اور لکہنے میں مصروف رہنے سے دل بُجہہ جاتا ہے۔ ذہن کند ہو جاتا ہے۔ طبیعت اُچٹ جاتی ہے۔

امام صاحب کا یہ دستور العمل بالکل حکیم بروسن یونانی کے اُس ہدایت نامہ سے ماخوذ ہے جسکو ابن مسکویہ نے کتاب تہذیب الاخلاق میں حکیم موصوف کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ امام صاحب بچوں کو صلہ و انعام کے قبول کرنے سے باز رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، افسوس ہمارے زمانہ کے عربی مدرسوں کی بنیاد اسی پر قائم ہے کہ طلبا کو آج فلاں شخص نے قربانی کی ایک کھال عنایت کی۔ فلاں شخص نے کپڑوں کی دُھلائی کے پیسے بھیجدیئے فلاں شخص نے روٹیاں بھیجدیں۔ طرہ یہ کہ واقعات مدارس کی سالانہ رپورٹ میں تفصیل کیساتھ درج کئے جاتے ہیں، اس قسم کی تربیت سے دنارت اور پست حوصلگی کے سوا اور کیا اُمید کیجا سکتی ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا۔ ذرا ذرا سی باتوں پر تکفیر کے فتوی دینا، نذر و نیاز پر گذارہ کرنا، عوام کے مذاق کا پابند رہنا یہ سب اسی تعلیم و تربیت کے نتائج ہیں۔ امام صاحب نے تربیت کا جو طریقہ بتایا ہے اگر اسکی تقلید کیجائے تو اسی قسم کے بلند حوصلہ علماء پیدا ہو سکتے ہیں جیسے خود امام صاحب تھے۔ امام صاحب نے اخلاق کے یہ تمام اُصول اور مسائل اگرچہ فلسفہ سے لئے لیکن طرز ادا میں وہ بات پیدا کی، جو خود فلاسفہ کو نصیب نہ تھی۔

امام صاحب نے فلسفہ اخلاق پر کیا اضافہ کیا

امام صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اخلاق میں فلسفہ کی آمیزش کی بلکہ نفس فن کو اسقدر وسعت دی کہ یونانیوں کا فلسفہ اخلاق اُسکے مقابلے میں قطرہ و دریا کی نسبت رکھتا ہے۔

حکیم ابن مسکویہ نے اپنی کتاب میں جو فلسفہ یونان کا خلاصہ ہے اخلاقی امراض کی صرف آٹھ قسمیں قرار دیں۔ تہور جبن حرص۔ خمود۔ سفاہتہ۔ بلاہت۔ جور۔ ذلت ان امراض میں سے صرف تہور جبن کے علاج کے طریقے بتائے باقی کو قابل علاج نہیں سمجھا۔ یا بے اعتنائی سے اُنپر توجہ نہیں کی۔ لیکن امام صاحب نے نہایت تدقیق کے ساتھ تمام اخلاقی امراض کا استقصا کیا اور نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک حقیقت و ماہیت تشخیص کی اور علاج کے طریقے لکھے۔ حسد جاہ پرستی ریا۔ عجب۔ غرور۔ غضب، بخل۔ غیبت۔ کذب۔ فضول کلام۔ نمامی۔ مزاح وغیرہ وغیرہ کا ایک ایک مستقل عنوان قائم کیا اور فلسفیانہ تدقیق کے ساتھ ہر ایک پر گفتگو کی۔

اخلاقی امراض کا استقصاء ابو طالب مکی، راغب اصفہانی اور اور اہل فن نے بھی کیا تھا لیکن ان کی تشخیص و تفحص کے متعلق امام صاحب نے جو مو شگافیاں اور نکتہ سنجیاں کیں قدما کے یہاں اس کا پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔ مثال کے طور پر اُن میں سے بعض کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

(۱) انسان کو اپنے افعال و اعمال کی نسبت سب سے زیادہ دھوکا وہاں ہوتا ہے جہاں اُنپر بظاہر مذہبی رنگ چڑھا ہوتا ہے وہ ایک کام کو مذہبی نیکی سمجھکر کرتا ہے لیکن باطن میں کوئی اور چیز ہوتی ہے جو اسکی محرک ہوتی ہے۔

اس نکتہ کو امام صاحب نے جس قدر دقیقہ سنجی سے سمجھا اور جس آزادی سے ظاہر کیا کبھی کسی نے نہ سمجھا تھا نہ ظاہر کیا تھا احیاء العلوم میں ایک خاص باب اسکے لئے باندھا ہے جس کا نام کتاب ذم الغرور رکھا ہے اس میں اہل علم زہاد۔ حجاج۔ وغیرہ کے بہت سے عنوان قائم کئے ہیں اور ایک ایک کی حقیقت کھولی ہے ارباب مال کے عنوان میں لکھتے ہیں۔ انمیں بہت سے لوگ مساجد، مدارس خانقاہیں تعمیر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے حالانکہ جن مدنی سی تعمیر کی ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ بالکل ناجائز طریقوں سے حاصل کیگئی ہے اور آمدنی جائز بھی ہو تو اُنکا دراصل ثواب نہیں بلکہ شہرت اور نام آوری ہوتی ہے اُسی شہر میں ایسے ارباب حاجت موجود ہوتے ہین جنکی خبر گیری کرنی مسجد بنانے سے زیادہ موجب اجر ہے لیکن اُن کے مقابلے مین تعمیرات کو ترجیح دیتے ہین جسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ تعمیرات سے جو دیر پا شہرت حاصل ہوتی ہے وہ مساکین کے دینے سے نہیں ہو سکتی، مساجد وغیرہ کی تعمیر مین زر کثیر نقش و نگار مینا کاری زیب و آرائش میں صرف کیا جاتا ہے حالانکہ مسجد کا مقصود ادائے عبادت ہے ۔ نہ اظہار شان و شوکت ۔

بہت سے لوگ خیرات و زکواۃ میں ہزاروں روپے صرف کرتے ہین اذن عام دیا جاتا ہے ۔ ہزاروں فقرا جمع ہوتے ہین جو خیرات لینے جاتے ہین اور مجمع سے نکلکر تعریفین کرتے جاتے ہین ۔ بعض سمجھتے ہین کہ حرمین مین خیرات کرنے سے زیادہ ثواب ہوگا اس غرض سے حج پر حج کرتے ہین ۔ اور وہان جاکر ہزاروں روپے خیرات کرتے ہین حالانکہ اس تمام داد و دہش کا اصلی محرک شہرت اور نام آوری ہوتی ہے ورنہ اگر محض تحصیل ثواب مقصود ہوتا تو اعلان و اشتہار کی کیا ضرورت تھی ۔ اس طرح چپکے دیتے کہ کسی کو کانون کان خبر نہوتی ۔ صدقات وجوہ خیر کی نسبت امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے زمانے کے بالکل حسب حال ہے ۔ تمام ممالک اسلامیہ مین آج مسلمانون کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ لاکھون کروڑون روپیہ بیجا وجوہ خیر میں صرف کر دیا جاتا ہے ہزارون لاکھون آدمی ہین جو اپنے دست و بازو سے کما سکتے ہین لیکن کمانے کے بجائے بھیک مانگتے پھرتے ہین اور لوگ اُنکو دے دیکر اُنکی عادت کو مستحکم کرتے جاتے ہین شہر میں سیکڑون مسجدین موجود ہوتے ہین اور نئی مسجدین بنتی جاتی ہین اور جو روپیہ اسلام کے نہایت ضروری کامون مین خرچ ہونا چاہیے تھا وہ اُسمین صرف کر دیا جاتا ہے مدارس سے ہر سال نام کے مولوی فارغ ہو کر نکلتے ہین معاش کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا دیہات میں جاتے ہین اور اپنی تنخواہ کے موافق چندہ کا بندوبست کر کے جھوٹا موٹا ایک مدرسہ قائم کر دیتے ہین، خود عربی عبارت بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے ہین لیکن دوسرے ہی سال دو چار کو دستار فضیلت بندھوا کر شریعت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتے ہین ۔ علما جانتے ہین کہ ان باتون سے اسلام کی ضرورتین پوری نہیں ہو سکتین لیکن کس کا حوصلہ ہے کہ ممبر پر چڑھکر صاف صاف کہدے کہ یہ ثواب کے کام نہین ہین ۔ امام غزالی ہی کا دل اور جگر درکار ہے کہ بخوف لومۃ لائم بے دریغ اس قسم کے خیالات ظاہر کر سکے ۔

(۲) انسان سب سے زیادہ غلطی اُن موقعون پر کرتا ہے جہان ایک کام کے نیک و بد دونون پہلو ہوتے ہین اور دونون پہلوؤن میں دقیق فرق ہوتا ہے ۔ ان موقعون پر انسان اپنے افعال کو ہمیشہ نیکی کے پہلو پر محمول کرتا ہے اور غلطیون مین پڑکر برائیون کا مرتکب ہو جاتا ہے امام صاحب نے اس عقدہ کو نہایت دقیقہ سنجی سے حل کیا ہے احیاء العلوم کتاب ذم الغرور میں اہل علم کا جو عنوان قائم کیا گیا ہے اُسمین لکھتے ہین کہ علماء مین سے جو لوگ غرور میں مبتلا ہین اُنکے متعدد گروہ ہین ۔

ایک گروہ ہے جو علم و عمل کا پابند ہے خبائث نفسانی کی ماہیت سے واقف ہے یہ بھی جانتا ہے کہ شریعت نے ان اخلاق کو بہت برا کہا ہے لیکن اپنے نفس کی نسبت اسکے خیال میں بھی نہیں آتا کہ وہ ان اوصاف سے آلودہ ہو سکتا اور جب ایسی ان باتونکا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اثر ظاہر ہوتا ہے تو اُس کا نفس عجیب عجیب تاویلون سے اُسکو دھوکے دیتا ہے۔ تکبر۔ شہرت پسندی کو وہ اُسپر محمول کرتا ہے کہ یہ کبر اور طلب جاہ نہیں بلکہ اسلام کی عزت ہے۔ وہ اپنے دلمیں کہتا ہے کہ ذلیل لباس پہننا مجالس میں نیچے بیٹھنا معمولی حیثیت سے رہنا میں بے تکلف گوارہ کرسکتا ہون لیکن اس سے مذہب کے اعزاز میں فرق آتا ہے اور دشمنان دین کی نظر میں علمار کی شان گھٹتی ہے۔ اسلام کی عزت علم کا شرف مذہب کی تائید اہل بدعت کی تذلیل بغیر اس کے کیونکر ہوسکتی ہے کہ حوصلہ مندی اور بلند نظری سے زندگی بسر کی جائے، ہمعصرون کو رشک وحسد کی وجہ سے بُرا کہتا ہے اور اُنپر رد و قدح کرتا ہے لیکن غلطی سے سمجھتا ہے کہ یہ حق پرستی کا جوش ہے اور منکرین حق کے مقابلہ مین سکوت کیونکر اختیار کیا جاسکتا ہے وہ اپنے زہد و اتقا کا اظہار کرتا ہے اور اُسکو ریاکاری نہیں قرار دیتا بلکہ سمجھتا ہے کہ اگر اعمال وافعال کا نمونہ لوگو نکو نہ دکھلایا جائے گا تو اُن کو اچھے کامون کی ترغیب کیونکر ہوسکتی ہے اُسکا دل اُسکو سمجھاتا ہے کہ لوگو نکو میری پیروی سے ہدایت ہوگی تو مجھکو اس کا ثواب حاصل ہوگا اسلئے مقتدا ہونیسے مجکو جو غرض ہے صرف یہ ہی کہ ہدایت کا ثواب مجکو حاصل ہو۔ سلاطین کے درباروں میں آمد و رفت رکھتا ہے اور اُنکی تعظیم و تکریم کرتا ہے اور جب اُسکے دلمیں اتفاقیہ خیال گذرتا ہی کہ ظالم بادشاہونکی تعظیم جائز نہیں تو اُس کا نفس اُسے سمجھاتا ہی کہ خدانخواستہ اپنے لئے سلاطین سے مال و زر حاصل کرنا مقصود نہیں، البتہ یہ مجبوری ہے کہ ہزاروں آدمی کا نفع وضرر اُنہیں سلاطین کے ہاتھ میں ہی اسلئے جبتک اُنسے میل جول نہ رکھا جائے، خلق اللہ کو فائدہ پہونچانا ناممکن ہے

چونکہ ان تمام موقعون میں نیکی کا بھی پہلو نکل سکتا ہے امام صاحب نے ہر موقع پر اسکی تمیز کرنیکے دلائل اور علامات بتائے ہیں۔ مثلاً ریاکاری کی شناخت کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ کوئی اور باعمل عالم وہان آئے اور تمام آدمی اُس کا عمدہ نمونہ دیکھکر اُسکے پیرو بن جاوین۔ اس صورت میں اگر یہ شخص ریاکار نہیں ہے تو اُسکو خوشی حاصل ہونی چاہیے کیونکہ اسکا مقصد صرف خلق کی ہدایت تھی اور وہ بوجہ احسن حاصل ہوگئی لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ جسقدر وہ دوسرا عالم زیادہ مقبول اور زیادہ مقتدائے خلق ہوتا جاتا ہے اور جسقدر اُس شخص کے پیروُنکی تعداد کم ہوتی جاتی ہے اُسیقدر اُسکو زیادہ رشک اور جلن ہوتی ہے تقرب سلاطین مین بھی یہی معیار ہے فرض کرو کہ کوئی اور عالم دربار میں تقرب حاصل کرے اور اُس سے بڑھکر خلق کی حاجت روائی میں مصروف ہو تو کیا اُس شخص کو خوشی حاصل ہوگی؟

امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے زمانے سے اُسکو مطابق کرو تو گمان ہوگا کہ اسی زمانے کو دیکھکر لکھا ہے تمام ہندوستان مین نہایت چھوٹے چھوٹے اختلافات مذہبی پر نزاعین قائم ہین۔ فریقین کے علما ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کرتے ہین۔ تصنیفات میں گالیونکی بھرمار ہوتی ہے مقدمات دائر ہوتے ہین لندن تک جانیکی نوبت پہونچتی ہے اور پھر دونوں فریق کے علما سمجھتے ہین کہ جو کچھ کیا جارہا ہے نصرت دین حمایت مذہب اور احقاق حق کیلئے کیا جارہا ہے۔

(۳) بعض اخلاقی صفات میں باہم اسقدر نازک اور دقیق فرق ہے کہ انمین امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے آجکل لوگونکی عام بداخلاقی کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ وہ ان صفات میں تمیز نہیں کرسکتے اور اسوجہ سے غلطی سے اُن میں مبتلا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتے ہین۔ بخل۔ کفایت شعاری، سخاوت، اور اسراف، پست ہمتی اور قناعت دناءت اور تواضع غرور خودداری اس قسم کے ملتے جلتے اوصاف ہین کہ مشکل سے ان مین تفرقہ ہوسکتا ہے ہزارون آدمی اسراف مین مبتلا ہین اور خیال کرتے ہین کہ سخی ہین پست ہمت ہین اور سمجھتے ہین کہ قانع ہین دنی ہین اور جانتے ہین کہ متواضع ہین متکبر ہین اور انکو یقین ہے کہ خوددار ہین۔

امام صاحب نے ان مشتبہ الصورۃ اوصاف کو نہایت نکتہ سنجی سے تحلیل کیا ہے اور اُن کے باہمی فرق بتائے ہین مثلاً بخل کی حقیقت سے جہان بحث کی ہے لکھتے ہین۔

بخل کی مختلف تعریفین کی گئی ہین ایک گروہ نے یہ تعریف کی ہے کہ نفقہ واجب کا نہ ادا کرنا بخل ہے لیکن یہ تعریف صحیح نہیں اکوئی شخص اگر ایک رتی کمی کی وجہ سے قصاب سے گوشت لیکر واپس کر آئے تو وہ ضرور بخیل سمجھا جائیگا۔ حالانکہ اسنے ادائے واجب مین کمی نہیں کی۔

بعض لوگون نے یہ تعریف کی ہے کہ جس شخص کو روپیہ پیسہ دینا گران گذرے وہ بخیل ہے لیکن یہ تعریف بھی صحیح نہین نہایت قلیل مقدار کا دینا بخیل کو بھی گران نہیں گذرتا۔ اور سخی سے سخی آدمی بھی حد سے زیادہ دینا گوارہ نہیں کرسکتا سخاوت کی بھی مختلف تعریفین کی گئی ہین۔ مثلاً بے مانگے دینا۔ دیکر احسان نہ رکھنا۔ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا لیکن یہ تمام تعریفین بھی ناتمام ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ مال اس لئے بنا ہے کہ ضرورت اور حاجت کے موقع پر استعمال کیا جائے استعمال کے تین طریقے ہوسکتے ہین ضرورت کے موقع پر نہ صرف کیا جائے بے ضرورت صرف کیا جائے۔ ضرورت کے موقع پر صرف کیا جائے پہلا بخل ہے دوسرا اسراف تیسرا سخاوت، اس تعریف مین بھی اسقدر اجمال باقی رہتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی کیا تشریح ہوگی۔ جس چیز کو سخی ضروری سمجھتا ہے بخیل اسی چیز کو غیر ضروری سمجھتا ہے اسلئے پہلے خود ضرورت کی حقیقت سمجھنی چاہیے۔ ضرورت کی دو قسمین ہین۔ ضرورت۔ شرعی ضرورت۔ رواج وعادت۔ ضرورت شرعی سے وہ تمام حقوق مراد ہین جو شرعاً واجب ہین مثلاً زکوۃ، صدقہ، نفقہ اولاد، ضرورت رواج کے یہ معنی کہ ذرا ذرا سی چیزون مین تنگدلی نہ کیجائے لیکن اسکا معیار، اشخاص اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ ایک امیر کیلئے دو چار پیسے ذرا سی چیز ہین، لیکن غریب کے لئے اتنا ہی بہت ہے اجنبیوں سے جن چیزون مین تنگدلی کیجاسکتی ہے آل و اولاد سے نہیں کیجاسکتی۔ باپ۔ چچا۔ بھائی۔ ماموں کے مراتب مین جسقدر اختلاف ہے اُسی کے لحاظ سے اُنکے ساتھ بخل و سخا کے مراتب مین بھی اختلاف ہوجاتا ہے باپ سے جس چیز کا دریغ رکھنا بخل ہے ممکن ہے کہ چچا کے اعتبار سے وہ بخل نہ ہو اسی طرح کھانے کپڑے مکان سامان آرایش ہر ایک کی حالت جُدا ہے ایک چیز مین جس حد تک تنگ دری بخل ہے، دوسری چیز مین نہیں ہے اس بنا پر بخل کی یہ تعریف ہے کہ مال کو اُسکے مقابلہ مین دریغ رکھا جائے جو درحقیقت مال سے زیادہ عزیز ہے مثلاً عزت و آبرو۔ ناموس۔ صلہ رحم وغیرہ سخاوت کیلئے یہ ضروری ہے کہ جو کچھ دیا جائے کسی امید طمع امبادلہ اشکر گزاری مدح و ثنا کے خیال سے نہ دیا جائے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیونکہ بلامعاوضہ دینا سخاوت کی پہلی شرط ہی اور مذکورہ بالا چیزین معاوضہ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۴) بعض اخلاقی امراض ایسے ہیں جنکے بہت اقسام ہین، اور ان اقسام میں سے بعض ایسے دقیق ہین جنکو بعض ایک طرف، طبیب بھی مشکل سے پہچان سکتا ہے۔ قدمار کی تصنیفات مین ان امراض کا مطلق پتہ نہیں لگتا، امام صاحب نے نہایت تدقیق سے انکی تشریح کی ہے۔ مثلاً ریا کے ذکر میں لکھتے ہین۔ ریا کی تین قسمیں ہین جلی وخفی واخفی۔ مثلاً ایک شخص صرف لوگون کے دکھانیکو عبادت کرتا ہے۔ یہ ریا جلی ہے۔ (ریاء جلی) ایک اور شخص ہے جو دکھانے کی غرض سے عبادت نہین کرتا بلکہ گھر مین جب تنہا رہتا ہے اور کسی کو خبر نہین ہوسکتی تب بھی اُسکی عبادت قضا نہیں ہوتی لیکن جب اتفاقاً کوئی مہمان آجاتا ہے تو ادائے عبادت مین جسقدر اُس کا دل لگتا ہے اور جس آسانی سے خودبخود اُس سے عبادت ادا ہوتی ہے تنہائی کی حالت مین نہیں ہوتی تھی۔ یہ ریاء خفی ہے۔ (ریاء خفی) ایک اور شخص ہے جو کسی کے دکھانے کیلیے نہین عبادت کرتا نہ کسی مہمان وغیرہ کے آنیسے اُسکی حالت میں کچھ فرق آتا ہے لیکن جب لوگون کو اُسکی عبادت گذاری کی اطلاع ہوتی ہے تو اُسکے دلمین آپ سے آپ ایک قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے یہ ریاء اخفی ہے کیونکہ اس خوشی کا اصلی سبب صرف یہ ہو کہ دلمین ریاء کی کیفیت موجود تھی، موقع پاکر ظاہر ہوگئی، جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے اور چقماق کے اشارے سے باہر نکل آتی ہے (ریاء اخفی) یہ بھی اُسی ریاء کا اثر ہے کہ باوجود اسکے کہ انسان لوگونسے چھپاکر عبادت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسیکو اطلاع نہ ہونے پائے تاہم اسبات کا متوقع رہتا ہے کہ لوگ اس سے ادب و تعظیم کے ساتھ پیش آئیں، اگر کسی موقع پر اسکے خلاف پیش آتا ہو تو اسکو گران گذرتا ہے اور رنج ہوتا ہے۔ یہ اسباب کی علامت ہو کہ اُسکے دلمین ریاء کا اثر موجود ہے کیونکہ بالفرض اگر وہ عبادت گذار نہ ہوتا تو لوگونسے ادب و تعظیم کی اُسکو توقع نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہی توقع تھی جسنے اُس سے عبادت کرائی۔

ریاء اخفی کی اور بھی صورتیں ہین۔ مثلاً ایک عالم تنہا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس اثناء مین اور لوگ آگئے عالم کو خیال آیا کہ چونکہ مجکو لوگ مقتدا سمجھتے ہین اور ہر بات مین میری تقلید کرتے ہین اسلیے مین اگر زیادہ خضوع و خشوع سے نماز پڑھونگا تو لوگونپر اسکا اثر اچھا ہوگا اور وہ خضوع وخشوع کے پابند ہونگے اس خیالسے اُسنے نہایت خضوع سے نماز پڑھنی شروع کی۔

اس سے دقیق تر یہ صورت ہے کہ اُس عالم کو اس عیب پر اطلاع ہوگئی وہ سمجھگیا کہ میرا خضوع وخشوع درحقیقت لوگون کے دکھانے کیلیے ہے اور یہی وجہ ہو کہ جب میں مجمع میں ہوتا ہون اُسی وقت مجھسے خضوع وخشوع ظاہر ہوتا ہے اس خیال سے اسنے خلوت اور تنہائی میں بھی خضوع وخشوع سے نماز پڑھنی شروع کی یہ بھی ریاء ہے کیونکہ اصل مین جو چیز خضوع و خشوع کی محرک ہوئی وہ ریاء ہی ہے صرف اسقدر فرق ہو کہ جلوت وخلوت دونوں کی حالت یکسان ہوگئی، بلکہ خلوت کی درستی کا اصلی محرک بھی یہی جلوت کی حالت ہے[1]

(اخلاق امراض کا علاج) یہ تمام مباحث امراض اخلاقی کی تشخیص اور تعیین سے متعلق تھے ان کے بعد علاج کا مرحلہ ہے حکمائے یونانے جیسا کہ ابن

[1] ریاء کی یہ دونوں صورتیں امام صاحب نے اخلاص کے بیان میں لکھی ہین۔ ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مسکویہ نے اپنی کتاب مین بیان کیا ہے۔ علاج کے دو طریقے قرار دیے تھے۔

(۱) ہر مرض کا علاج باضابطہ کیا جائے مثلاً کوئی شخص بخیل ہے تو اُسکو بتکلف سخاوت کرنی چاہیے تاکہ رفتہ رفتہ تمرین واستمرار سے خود بخود اُس سے فیاضانہ افعال سرزد ہونے لگین۔

(۲) چونکہ تمام امراض کی اصلی بنیاد دو چیزین ہین **غضب اور جُبن** اسلئے ان دو مرضون کا علاج تمام امراض کا علاج ہے غضب جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ آٹھ ہین عُجب۔ غرور۔ ہزل۔ مزاح وغیرہ وغیرہ پھر ان آٹھون کے دفعہ کرنیکے طریقے بتائے ہین اور اُس کے بعد جُبن کا علاج بتایا ہے۔

امام صاحب نے علاج کے پہلے طریقے مین بالکل یونانیون سے اتفاق کیا چنانچہ نہایت تفصیل و توضیح سے اُسکو اپنی عبارت مین ادا کیا ہے لیکن وہ اس رائے کو تسلیم نہین کرتے کہ تمام امراض صرف غضب یا جُبن سے پیدا ہوتے ہین ممکن ہے کہ تمام امراض کا سلسلہ کھینچ تان کر انہی دو چیزون تک ملادیا جائے لیکن امام صاحب کے نزدیک ہر مرض کے اسباب جُدا ہین۔

امراض اخلاقی کے اسباب اور علاج

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کا اصلی کارنامہ جسنے اُنکی کتاب کے آگے تمام حکمار اور قدمار کی تصنیفات کو حقیر کر دیا ہے یہی ہے کہ اُنھوں نے نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر سے ہر مرض کے اسباب الگ الگ تحقیق کئے اور اُنکے علاج لکھے نمونہ اُس کا ذیل کی مثالون سے معلوم ہو گا۔

غیبت

یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اُسکا تذکرہ اس طرح کرنا کہ اگر وہ خود سنتا تو پسند نہ کرتا یہ مرض جسقدر مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے دنیا کی کسی قسم کسی فرقہ کسی مذہب مین اُسکی نظیر نہیں ملسکتی۔ مسلمانونکو بالفرض اگر بزور حکومت اس مشغلے سے روکدیا جائے تو دفعتہً اُنکی تمام مجلسین بے لطف اور سرد ہو جائینگی۔ کیونکہ اُن کی گرمی صحبت کا سب سے بڑا سرمایہ یہی ہے طرہ یہ ہے کہ یہ سب جانتے ہین کہ یہ مذموم چیز ہے لیکن اسمین کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ چھوڑی نہین جاسکتی اسکے علاج کیلیے سب سے مقدم یہ ہے کہ مرض کے اسباب پر غور کیا جائے امام صاحب نے نہایت تدقیق اور غور سے اسکے اسباب کی تشریح کی ہے وہ لکھتے ہین۔

غیبت کے اسباب

غیبت کے اسباب بہت سے ہین اُنمین سے آٹھ عام طور پر سب مین پائے جاتے ہین اور تین مذہبی لوگون اور خواص کے ساتھ مخصوص ہین۔ (۱) انسان کو جب کسی شخص پر غصہ آتا ہے اور ضبط نہین کر سکتا تو خواہ مخواہ اُس شخص کے عیوب زبان پر آتے ہین اس سے اُسکا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین نے اپنا انتقام لے لیا۔ اگر کسی وجہ سے اُسکو ضبط کرنا پڑا تو وہ غصہ دلمین گھٹ کر رہ جاتا ہے اور ہمیشہ اُس شخص کی بدگمانی پر آمادہ کرتا ہے۔

(۲) کسی مجلس مین جب پہلے ہی سے کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو نئے آدمی کو بھی خواہ مخواہ گرمی صحبت کیلیے اس مشغلے مین شریک ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان لوگوں کو ٹوکے یا خود چپکا بیٹھا رہے تو تمام لوگونپر بار ہو گا۔

(۳) انسان کو جب اسبات کا شبہ ہوتا ہے کہ فلان شخص میری نسبت برے خیالات دلمین رکھتا ہے اور اُنکو ظاہر کرنا چاہتا ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تو حفظ ما تقدم کیلئے وہ خود اُس کے عیوب ظاہر کرنے شروع کرتا ہے تاکہ آئندہ اُس شخص کی بات بے اثر ہو جائے اور یہ کہنے کا موقع ملے کہ چونکہ میں نے اس شخص کے واقعی عیوب ظاہر کئے تھے اس لئے دشمنی سے وہ میری نسبت جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔

(۴) انسان پر جب کوئی غلط الزام یا عیب لگایا جاتا ہے تو اُس سے اپنی برأت ثابت کرنی چاہتا ہے تو اُس شخص کا نام لیتا ہے جو درحقیقت اس الزام کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ اُسکو اپنی برأت پر قناعت کرنی چاہیئے تھی۔

(۵) دوسروں کی تنقیص میں ضمناً کمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شاعر دوسرے شاعر کی نسبت کہتا ہے کہ اُسکا کلام نہایت بدمزہ ہوتا ہے یا اُسکو مطلق کہنا نہیں آتا اس سے درپردہ یہ غرض ہوتی ہے کہ میرا کلام نہایت بامزہ ہوتا ہے

(۶) ایک شخص اپنے معاصر کی عزت اور شہرت کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن اس شہرت اور عزت کے مٹانیکی کوئی تدبیر نہیں آتی، مجبوراً اُس کے عیوب ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دلمیں اُسکی وقعت کم ہو جائے۔

(۷) مذاق اور دل بہلانے کے لئے بعض اوقات انسان دوسرونکے عیوب کا خاکہ اُڑاتا ہے جس سے حاضرین مجلس کو نقالی کا مزہ آتا ہے اور صحبت گرم ہوتی ہے۔ (۸) کسی کے ساتھ استہزا اور تمسخر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

غیبت کے یہ اسباب عام آدمیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواص جن اسباب سے مبتلا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) دیندار آدمی جب کسی شخص کو کوئی بُرا کام کرتے دیکھتا ہے یا لوگوں سے سنتا ہے تو اُسکو تعجب اور حیرت ہوتی ہے اس تعجب کے ظاہر کرنے میں اُس شخص کا نام زبان پر آجاتا ہے اور یوں کہتا ہے، مجکو سخت حیرت ہے کہ زید نے باوجود کمال دینداری کے ناچ کی محفل میں کیوں شرکت کی۔

(۲) اس قسم کے موقع پر بعض وقت انسان کو افسوس اور رحم آتا ہے اور یوں کہتا ہے افسوس از یدنے شراب پینی شروع کی جو اُسکے رتبہ اور شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۳) بعض وقت امر بالمعروف کا جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان مرتکب گناہ کا نام لیکر اُس کا اظہار کرتا ہے۔

ان تینوں موقعوں میں غیبت کرنے والیکو دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ غیبت کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ ایک مذہبی فرض ادا کرتا ہے، حالانکہ اس فرض کے ادا کرنے میں نام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

غصہ و غضب

غصہ کی قوت انسان کو کیوں دی گئی

انسان کی فطرت خدا نے اس قسم کی بنائی ہے کہ اُس کے فنا کرنیکے اسباب خود اُسکے اندر اور باہر موجود ہیں اُسکا جسم ہر وقت تحلیل ہوتا رہتا ہے اور اس لئے اُسکو بدل ما یتحلل کی ضرورت پڑتی ہے بیرونی دشمن خود اُسکے ابنائے جنس ہیں ان حالات کے ساتھ چونکہ خدا کو ایک مدت معین کے لئے انسان کو زندہ رکھنا بھی مقصود تھا اس لئے دونوں قسم کے دشمنوں سے بچنے کیلئے سامان پیدا کئے اندرونی دشمن کے مدافعہ کیلئے انسان میں غذا کی خواہش پیدا کی جسکی وجہ سے وہ غذا کا استعمال کرتا ہے اور جسقدر جسم کی مقدار تحلیل ہوتی رہتی ہے غذا جزو بدن ہو کر اُسکی مکافات کرتی جاتی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بیرونی دشمنون سے بچنے کیلئے غصہ وغضب کی قوت پیدا کی جسکا یہ خاصہ ہے کہ جسوقت انسانکو کوئی شخص ضرر پہونچانا چاہتا ہے یہ قوت فوراً ہیجان میں آتی ہے اور دشمن کا مقابلہ کرتی ہے اس لحاظ سے انسان مین خواہش اور غصہ دونون قسم کی قوتون کا موجود ہونا ایک فطری بات تھی۔

تمام اور قوتون کی طرح غضب کی قوت کے بھی تین درجے ہین۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ افراط کے یہ معنی ہین کہ یہ قوت اسقدر بڑھجائے کہ عقل کے قابو سے نکلجائے اس حالت میں غور وفکر پیش بینی۔ خود اختیاری یہ تمام اوصاف انسان سے مسلوب ہو جاتے ہین اور وہ جو کچھ کرتا ہے بے اختیار ہو کر کرتا ہے یہ افراط کبھی فطری ہوتا ہی یعنی بعض آدمی ابتدا ہی سے پرغضب اور مشتعل الطبع پیدا ہوتے ہین۔ کبھی خارجی اسباب پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً انسان ایسے جاہل اور جنگجو لوگومین نشو ونما پائے جنمین اشتعال طبع غضب اور انتقام قابل فخر کیا جاتا ہے اور وہ اُن چیزونکو دلیری اور جوانمردی سے تعبیر کرتے ہین۔

افراط کی حالت مین غصہ کا اثر تمام اعضا پر محسوس ہوتا ہے چہرہ کا رنگ بدلجاتا ہے ہاتھ پاؤن پر رعشہ پڑجاتا ہے آنکھین سُرخ ہو جاتی ہین۔ منہ سے جھاگ اُڑنے لگتے ہین۔ باچھین چر جاتی ہین نتھنے پھول جاتے ہین آواز سخت اور کریہ ہو جاتی ہے۔ زبان سے گالیان نکلتی ہین۔ ہاتھ زمین پر دے دے مارتا ہے۔ جو چیزین سامنے ہوتی ہین اُنکو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے یہ اثر ظاہری اعضا تک محدود نہین رہتا۔ بلکہ باطن میں بھی سرایت کرتا ہے۔ جسپر غصہ آتا ہے دلمین اُسکی عداوت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے حسد، رشک، استہزا، پردہ دری تک نوبت پہنچتی ہے۔

تفریط کے یہ معنی کہ جس موقع پر غصہ آنا چاہیے وہان بھی نہ آئے جسکو دوسرے الفاظ مین بے غرتی، بے حمیتی، دنارت ذلت پرستی کہا جاسکتا ہے، منجملہ اور بہت سے نتائج کے اسکا یہ بھی نتیجہ ہے کہ انسان مین امر بالمعروف کا مادہ باقی نہین رہتا لوگونکو سخت بیہودگیون کا مرتکب دیکھتا ہے اور اُسکو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

افراط وتفریط سے بچنے کا نام اعتدال ہے اور انسان کو اسی حالت کے پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہیے چونکہ غصہ پیدا ہونیکا اصلی سبب یہ ہے کہ جو چیزین انسان کو مرغوب ہین اُمین کسی شخص کی طرف سے مزاحمت کیجائے۔ اسلئے پہلے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ ہمارے مرغوبات کیا کیا ہین؟ تمام مرغوبات کی دو قسمین ہو سکتی ہین ایک وہ جو مرغوب ہونیکے ساتھ لازمۂ زندگی بھی ہین۔ مثلاً غذا۔ لباس مکان وغیرہ ان چیزونسے تعرض ہونیکی حالت مین ضرور ہے کہ انسان کو آئے اور اس سے روکا نہیں جاسکتا، اسمین اعتدال پیدا کرنیکے صرف یہ معنی ہین کہ غصہ کا استعمال بُری طرح نہ کیا جائے یعنی مدافعت پر اکتفا کیا جائے اور انسان کی صورت۔ رنگ۔ آواز، حرکات وسکنات پر اسکا اثر محسوس نہ ہونے پائے۔

دوسری قسم کے مرغوبات وہ ہین جو لازمۂ زندگی نہیں ہین مثلاً جاہ۔ شہرت۔ ناموری۔ خواہش۔ صدر نشینی وغیرہ وغیرہ ان چیزون مین بھی جب کوئی شخص مزاحمت کرتا ہے تو معمولاً انسان خواہ مخواہ غصہ آتا ہے اسمین اعتدال پیدا کرنیکا یہ طریقہ ہے کہ جو چیزین زبردستی مرغوبات مین داخل کرلی گئی ہین اُنکو رفتہ رفتہ کم کیا جائے کیونکہ جسقدر مرغوب کم ہونگے اُسیقدر اُنکے متعلق مزاحمت کئے جانیسے رنج اور غصہ کم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انسان کے تمام مختلف گروہ جو آپس مین لڑتے رہتے ہین اور ایک دوسرے سے بغض و عناد رکھتے ہین اُسکی ساری عداوت و بغض کا سبب یہی بیہودہ مرغوبات ہوتے ہین ایک شخص مثلاً چاہتا ہے کہ وہ جہان جائے لوگ اُسکی تعظیم کرین محفل مین اُسکو صدر بنائین وہ جو کہتا جائے تسلیم کرتے جائین۔ اُس کے سامنے مؤدب ہوکر بیٹھین غائبانہ ذکر آئے تو اُسکی مدح و تعریف کرین ان باتوں میں سے ایک چیز میں بھی کمی ہوتی ہے تو اُسکو رنج اور غصہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ رنج اور غصہ درحقیقت خود اُسکا پیدا کیا ہوا ہے اگر یہ بیہودہ اور غیر ضروری خواہشین اُسکے دلمین نہوتین تو اُسکو کسی بات پر رنج و غصہ نہ آتا علماء مصنفین اور اہل جاہ کے غیظ و غضب کے اسباب یہی غیر ضروری خواہشین ہوتی ہین یہ خواہشین جسقدر بڑھتی جاتی ہین اور جسقدر جزئی جزئی باتوں سے اُنکو تعلق ہوتا جاتا ہے اُسی قدر انسان کے غم اور غصہ کے سامان زیادہ ہوتے جاتے ہین خدمتگار نے فوراً حکم کی تعمیل نہیں کی کھانے میں ذرا دیر ہوگئی۔ نمک تیز ہوگیا۔ فرش میں سلوٹ رہ گئی۔ غصہ ور آدمی انہین سے ایک ایک بات پر قابو سے باہر ہوجاتا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اُسنے اپنی خواہشوں کا دائرہ نہایت وسیع کر رکھا ہے اور ہر خواہش اسقدر عزیز ہے کہ اُسمین ذرا سا خلل پڑنا بھی گوارا نہین ہوسکتا

حسد اور رشک

ہماری قوم مین آجکل یہ مرض جسقدر پھیلا ہوا ہے غالباً دنیا کی کسی اور قوم میں نہوگا۔ ملک مین جسقدر مفید کام شروع کئے جاتے ہین اُن کے برہم ہوجانے یا تکمیل نہ پانیکی وجہ زیادہ تر یہی حسد اور رشک ہوتا ہے۔ دقت یہ ہے کہ حسد بظاہر ایسا کھلا ہوا اور ذلیل عیب ہے کہ کسی بڑے آدمی کے خیال میں بھی نہین آسکتا کہ وہ اس مرض میں مبتلا ہوجائیگا حالانکہ بڑے ہی آدمیوں مین یہ مرض زیادہ ہوتا ہے لیکن ایسے پیرائے مین ہوتا ہے کہ وہ تمیز نہیں کرسکتے۔

حسد کے پیدا ہونیکا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنے آپکو کمتر اور پست حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسلئے جب اُسکو کوئی شخص اس سے ممتاز نظر آتا ہے تو اُسکی خواہش ہوتی ہے کہ کم سے کم اُس کے برابر ہوجاؤں۔ برابری کے صرف دو طریقے ہوسکتے ہین یا یہ شخص بھی اُتنا ہی ممتاز ہوجائے یا وہ شخص گھٹکر اُس شخص کی سطح میں آجائے چونکہ پہلی بات کم نصیب ہوتی ہے اسلئے خواہ مخواہ دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے کسی مصنف یا اسپیکر یا واعظ یا ریفارمر کو جب زیادہ فروغ اور زیادہ کامیابی ہوتی ہے تو اکثر اُسکے اور ہمفنوں کو گراں گذرتا ہے اگرچہ وہ بظاہر اسبات کے آرزومند نہیں معلوم ہوتے کہ اُس شخص کی عزت و شہرت جاتی رہے لیکن اگر بالفرض اُسکا فروغ کم ہوجائے تو اُن لوگوں کو رنج کے بجائے اس قسم کی راحت معلوم ہوگی کسی مجلس مین اُس شخص کے محاسن و عیوب کا تذکرہ کیا جائیگا تو یہ لوگ عیوب کے تذکرہ کو زیادہ دلچسپی سے سنین گے اور اُسمین اُنکو زیادہ لطف آئیگا تصنیفات پر اگر ریویو کیا جائیگا تو اُن لوگوں کو وہ حصہ زیادہ پسند آئیگا جہان تصنیف پر نکتہ چینیاں ہونگی اتنا فرق ہوگا کہ جو زیادہ کمینہ طبع ہونگے وہ ہر قسم کے عیوب کو دوسے سنین گے اور اُسکی داد دین گے۔ بخلاف اسکے عالی حوصلہ لوگ بیجا نکتہ چینیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھین گے لیکن سچی نکتہ چینیوں مین اُنکو بھی مزہ آئیگا۔ جو محاسن کے اظہار مین کبھی نہین آسکتا تھا۔

حسد کے لئے یہ ضرور ہے کہ آپسمین ہمفنی اور ہم پیشگی ہو۔ اگر ایک عالم کو دنیا دار پر دنیادار کو عالم پر زاہد کو واعظ پر شاعر کو شاعر ریفارمر

حسد کے پیدا ہونے کا سبب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کو دولتمند پر حسد نہ ہو تو اُنکو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ حسد کے داغ سے پاک ہین اُنکو غور کرنا چاہیئے کہ خود اُنکا کوئی ہم فن خصوصا جو ظاہری اوصاف میں بھی اُنہین کی برابر تھا جب شہرت مین عزت مین جاہ مین شوکت وشان مین اُنسے بڑھ جاتا ہے تو انکی کیا حالت ہوتی ہے۔ حسد کے پیدا ہونیکے اسباب جنکی تفصیل امام صاحبنے کی ہے حسب ذیل ہین۔

(۱) دشمنی اور عداوت انسان کی بالطبع یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُسکے دشمن کو ضرر پہونچے۔ اگر خود نقصان نہین پہنچا سکتا تو اسباب کا منتظر رہتا ہے کہ اور اسباب سے اُسکو ضرر پہونچ جائے اس بنا پر دشمن کیساتھ حسد کا ہونا لازم ہے نیک سے نیک آدمی بھی یہ بات پیدا نہین کر سکتا کہ کسی شخص سے اُسکو دشمنی ہو اور پھر دشمن کا رنج وراحت اُسکو یکسان معلوم ہو۔

(۲) انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ وہ اورون سے دبکر رہنا نہین چاہتا اسلیئے جب اُسکے ہمعصرون مین کوئی شخص ایسے بلند مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے کہ اُسکے غرور ونخوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو خواہ مخواہ اُسکے رتبہ پر حسد ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس بلند رتبہ سے گر جائے

(۳) انسان جن لوگونسے کسی ذاتی امتیاز کی بنا پر یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ اطاعت وادب سے پیش آئین اُن میں سے جب کوئی شخص زیادہ معزز اور صاحب جاہ ہو جاتا ہے تو حسد پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جس اطاعت اور ادب سے وہ شخص پہلے پیش آتا تھا اب نہ آئیگا بلکہ مجکو خود اُس کا ادب کرنا پڑیگا۔

(۴) دو آدمی جب ایک ہی مشترک چیز کے طالب ہوتے ہین تو خواہ مخواہ ایک دوسرے کا حاسد بنجاتا ہے واعظ چاہتا ہے کہ تمام شہر اُسکی سحر بیانی کا گرویدہ ہو جائے۔ تلامذہ مین سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اُستاد کی توجہ تمامتر اُسی کی طرف ہو ایک باپ کے جتنے بیٹے ہین سبکی کوشش ہوتی ہے کہ باپ کی ساری محبت میرے ہی حصہ میں آجائے مفتیون مین سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے شہر کے فتوی میرے ہی پاس آئین چونکہ ان مختلف گروہونکا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اسلیئے ضرور ہے کہ اُنمین حسد پیدا ہو

(۵) بعض لوگونکو یکتائی کی ہوس ہوتی ہے اور اسوجہ سے دنیا کے کسی حصہ مین اگر کوئی شخص کسی علم وفن میں شہرت اور قبول عام حاصل کرتا ہے تو انکو گوارا نہین ہوتا کیونکہ اسکی وجہ سے اُنکی شان یکتائی مین فرق آتا ہے اور یکتائی سے زیادہ اُنکو کوئی چیز عزیز نہین۔

(۶) بعض آدمی بالطبع خبیث النفس اور تیرہ باطن ہوتے ہین اس قسم کے لوگ بیوجہ بے سبب تمام لوگونپر حسد کرتے ہین کوئی شخص ہو کہیں کا ہو، کسی طبقہ کا ہو جب کسی چیز میں ممتاز ہو گا اُنکو رشک اور حسد ہو گا حسد کا علاج یہ ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ حسد کرنے مین محسود کو نقصان پہنچتا ہے یا خود حاسد کو یہ ظاہر ہے کہ محسود کو ضرر نہیں پہونچتا۔ بلکہ محسود ہونا چونکہ دلیل کمال ہے اسلیئے اُسکو اپنے فضل وکمال کی سند ہاتھ آتی ہے اسکے علاوہ جب محسود کو یہ علم ہوتا ہے کہ میرے مخالف کا دل میری ترقیوں پر جلتا ہے تو اُسکو صدمہ اور کوفت رہتی ہے تو وہ نہایت خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان کیلیئے مخالف کے رنج اور کوفت سے بڑھکر کوئی خوشی نہیں اس لحاظ سے کسی پر کسی پر حسد کرنا بجائے نقصان پہونچانے کے مسرور اور خوش کرنا ہے۔

اسکے ساتھ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حسد سے انسان کو خود کسقدر دینی اور دنیوی نقصان پہونچتا ہے دینی نقصان تو اسوجہ سے کہ حسد شرعاً نہایت مذموم چیز ہے اور حاسد کیلیئے عذاب دوزخ موعود ہے دنیوی نقصان یہ کہ حسد سے انسانکو ہمیشہ دل مین

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک کوفت سی رہتی ہے اور جسقدر محسود ترقی کرتا جاتا ہے اُسیقدر یہ کوفت اور صدمہ بڑھتا جاتا ہے اور چونکہ انسان اس صدمہ کا علانیہ اظہار نہیں کرسکتا اس لئے دل ہی دل مین گھٹتا ہے اور آپ ہی آپ جلا جاتا ہے۔

یہ علاج امام صاحب کی تجویز کے مطابق ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ حسد کا صرف یہ علاج ہے کہ انسان کو اسبات کا یقین آجائے کہ میرا یہ فعل درحقیقت حسد ہے۔ حسد ایک ایسی ذلیل مذموم اور کمینہ صفت ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ مین اس صفت کا موجود ہونا گوارا نہیں کرسکتا غلطی صرف اسوجہ سے ہوتی ہے کہ انسان اپنے حاسدانہ خیالات اور افعال کو حسد پر محمول نہیں کرتا بلکہ اس کے اور اور نام رکھتا ہے مثلاً کسی مصنف کی ایک کتاب نے نہایت شہرت اور قبولیت حاصل کی اُسکے ہمعصر مصنف کو حسد ہوا اور اس تصنیف پر نکتہ چینیاں شروع کین یہ فعل اگرچہ درحقیقت حسد کی وجہ سے ہے لیکن وہ غلطی سے اُسکو حسد نہیں خیال کرتا بلکہ سمجھتا ہے کہ علم وفن کو بغیر اسکے ترقی نہیں ہوسکتی کہ تصنیفات وتالیفات کی غلطیان اور فروگذاشتین ظاہر کیجائین

اسکا علاج صرف یہ ہے کہ انسان خود اپنے دلکو ٹٹولے اور چھپے ہوئے اور زیر پردہ جذبات کا سراغ لگائے مثلاً اسبات کا اندازہ کرے کہ جب خود اسکی تصنیفات پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی جاتی ہے تو کیا وہ اسکو علم وفن کی ترقی سمجھتا ہے؟ کیا اُسکی غلطیونکے ظاہر ہونے سے اُسکو خوشی ہوتی ہے؟ کیا وہ نکتہ چین کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے؟ اگرچہ ایسا نہیں ہے تو اُسکو سمجھنا چاہیے کہ اُسنے خود نکتہ چینیاں کی تھین وہ علمی تحریک سے نہیں تھین بلکہ کوئی اور چیز در پردہ اُسکی محرک تھی وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

اخلاص کی غرض وغایت

فلسفہ اخلاق کا سب سے مہتم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ **اخلاص** کی غرض وغایت کیا ہے یعنی ہم کو برائیوں سے کیون بچنا چاہیے؟ اور کیوں اچھی باتین اختیار کرنی چاہئین؛ درواعظین اور زہاد وعباد کے نزدیک اس کا حاصل صرف دوزخ سے نجات ملنا اور لذائذ بہشت کا حاصل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ واعظین کا وعظ عموماً بہشت کی دلفریبیون کی پرلطف داستان ہوتی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ ایک پست اور مبتذل خیال ہے بہشت کا حاصل ہونا اور دوزخ سے محفوظ رہنا بے شبہ تقوی کا لازمی نتیجہ ہے لیکن یہ چیزین اصلی مقصد نہیں قرار پاسکتین بے شبہ ایک عامی اسی کو اپنا آرزو وخیال کرتا ہے لیکن بلندی نظر کا یہ اقتضا نہیں اگر نیکی صرف اس خیال سے کیجائے کہ عاقبت میں اسکا دس گنا عوض ملیگا تو وہ نیکی نہیں۔ بلکہ تجارت ہے۔

امام صاحب نے اخلاص کے بیان مین یہ مقصد نہایت صفائی اور آزادی سے ظاہر کیا ہے اُنکے خاص الفاظ یہ ہین

قال رُویم الاخلاص فی العمل هو ان لا یرید صاحبه علیه عوضاً فی الدارین هذا اشارة الی ان حظوظ النفس آجلاً او عاجلاً والعابد لاجل تنعم النفس بالشهوات فی الجنة معلول بل الحقیقة ان لا یراد بالعمل الا وجه الله تعالی فامن یعمل لرجاء الجنة وخوف النار فهو مخلص بالاضافة الی حظوظ العاجلة والا فهو فی طلب حظ البطن والفرج۔

رویم کا قول ہے کہ اخلاص کے یہ معنی ہین کہ کام کا معاوضہ دنیا و آخرت مین کہین نہ چاہا جائے رویم کا یہ قول اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ حظ نفس خواہ دنیا مین ہو یا آخرت مین آفت ہے جو عابد اس غرض سے عبادت کرتا ہے کہ بہشت کے مزے اُٹھائیگا وہ صاحب مرض ہے عبادت کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہونا چاہئیے ہاں جو شخص جنت کی اُمید اور دوزخ کے خوف سے عبادت کرتا ہے وہ فوری نفع کے لحاظ سے مخلص کہا جاسکتا ہے لیکن درحقیقت وہ شکم پرست اور زنا پرست ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے نزدیک صرف خوف دوزخ، نیکی و بدی کی علت ہے اسکو گناہ کے ارتکاب کے بعد ندامت اور خشوع کی کیفیت پیدا نہین ہوسکتی اسکی حالت بعینہ ایسی ہوگی جیسے کسی شخص کا کچھ مال نقصان ہوجائے لیکن ندامت اور پشیمانی اور خشوع سے اُسکو کچھ واسطہ نہ ہوگا۔ حالانکہ سوز و گداز جو بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول چیز ہے انہی چیزون کا نام ہے۔

علم کلام

امام صاحب اور علم کلام ابن خلدون کی غلطی کا اظہار

شہرت عام کے لحاظ سے علم کلام کو امام غزالی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ارسطو کو منطق کے ساتھ ابن خلدون نے علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ امام غزالی سے پہلے علم کلام مین فلسفہ کی آمیزش نہ تھی فلسفیانہ طرز پر سب سے پہلے امام صاحب ہی نے اس فن کو مرتب کیا لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ علم کی تاریخ مین ہم نے اس بحث کو نہایت مفصل لکھا ہے یہان صرف اس قدر جان لینا چاہیے کہ علم کلام مین ابتدا ہی سے دو طریقے قایم ہوگئے عقلی و نقلی نقلی[1] علم کلام خود اسلامی فرقون یعنی معتزلہ قدریہ، جبریہ، وغیرہ کے مقابلہ مین ایجاد ہوا تھا ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین جس کلام کا ذکر کیا ہے وہ یہی علم کلام ہے عقلی علم کلام فلسفہ اور دوسرے مذاہب کے مقابلے کے لئے ایجاد ہوا تھا جس کا بانی اول ابوالہذیل علاف تھا اور جس کو نظام جاحظ حسن نوبختی، ابومسلم اصفہانی وغیرہ نے ترقی دی۔

علم کلام کے دو مختلف طریقے عقلی علم کلام

نقلی علم کلام کی بھی متعدد شاخین تھین، ظاہریہ، ماتریہ، اشعریہ، امام غزالی اشعریہ طریقہ کے پیرو تھے، جس کے بانی اول امام ابوالحسن اشعری تھے یہ سب طریقے اول اول فلسفہ اور عقلیات سے کچھ تعلق نہین رکھتے تھے اشعریہ مین سب سے پہلے باقلانی نے بعض بعض فلسفیانہ اصطلاحین داخل کین، امام الحرمین وغیرہ نے اُسپر اضافہ کیا امام غزالی نے اس قدر ترقی دی کہ نقلی ہونے کے بجائے عقلی بن گیا، اسی بنا پر ابن خلدون کو دھوکہ ہوا کہ امام غزالی عقلی علم کلام کے موجد ہین بہر حال علم کلام کے متعلق جو کچھ ان کے کارنامے ہین ہم نہایت تفصیل کے ساتھ اُنکو بیان کرنا چاہتے ہین۔

منقولی علم کلام

علم کلام حقیقت میں دو چیزون کا نام ہے، اثبات اور ابطال یعنی فلسفہ وغیرہ کا ابطال اور عقائد اسلام کا اثبات امام صاحب نے دونون حصون کو لیا ہے۔ چنانچہ ہم ہر حصے پر الگ الگ بحث کرتے ہین۔

فلسفہ کا ابطال

منطق مین امام صاحب کی تصنیفات

امام صاحب نے فلسفہ کے رد کرنے سے پہلے یونانیون کے اُصول کے مطابق فنون فلسفہ پر کتابین لکھین جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ آئندہ اُن مسائل پر وہ جو رد و قدح کرین گے آشنائے فن ہو کر کرین گے۔

فن منطق مین دو کتابین لکھین محک[2] النظر اور معیار العلم پچھلی کتاب نہایت مفصل ہے اور اس مین منطق کے مسائل پر ساتھ ساتھ نکتہ چینیان بھی کرتے جاتے ہین یہ کتاب آج ناپید ہے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق میں ایک موقع پر یعنی

[1] نقلی اس لئے کہتے تھے کہ عقائد اسلامیہ کو دلائل نقلیہ یعنی قرآن و احادیث سے ثابت کیا جاتا تھا۔ [2] محک النظر حال میں مصر میں چھاپی گئی ہے ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جہان معروف اور حد کی تعریف پر اعتراض کیا جاتا ہے اُسکی تھوڑی سی عبارت نقل کی ہے چنانچہ اُسکا خلاصہ ہم ذیل مین لکھتے ہین۔ معروف اور حد کی جو تعریف منطق مین کی گئی ہے اگر اُسکی شرطین ملحوظ رکھی جائیں تو بجز شاذ و نادر کے کسی شے کی تعریف اور تحدید نہین کیجاسکتی۔ بوجوہ ذیل۔

بعض مسائل منطق پر امام صاحب کے اعتراضات

(۱) حد تام کی پہلی شرط یہ ہے کہ جنس قریب سے مرکب ہو لیکن اسپر کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس جس چیز کو ہم نے جنس قریب سمجھا وہ درحقیقت قریب ہے ممکن ہے کہ اس سے قریب تر جنس موجود ہو اور ہماری نظر سے رہ گئی ہو۔ مثلاً شراب کی تعریف سیال مسکر کے لفظ سے کیجاتی ہے اور سیال کو جنس قریب خیال کیا جاتا ہے حالانکہ سیال سے قریب تر جنس خود شراب (بمعنی لغوی) موجود ہے۔

(۲) جنس کے لئے ذاتی ہونا شرط ہے حالانکہ ذاتی اور عرضی کی تمیز حد سے زیادہ مشکل ہے۔

(۳) معروف مین شرط ہے کہ تمام ذاتیات آجائیں حالانکہ تمام ذاتیات کا احاطہ کرنا سخت مشکل ہے۔

یہ اعتراضات اگرچہ امام صاحب کے کمال فن اور دقت نظر کے ثبوت مین پیش نہیں کئے جاسکتے اور تیسرا اعتراض تو خود بو علی سینا سے ماخوذ ہے لیکن ان اعتراضات کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ارسطو کے زمانے سے آجتک جنس و فصل اور معروف و حد کے متعلق سیکڑون حیوان اور ناطق کے سوا کوئی مثال نہیں ملتی معرف و حد کے متعلق سیکڑوں اصطلاحین پیدا ہو گئی ہین، مثلاً جنس قریب، بعید، عالی، سافل، مقوم، مقسم، ذاتی، عرضی وغیرہ وغیرہ لیکن یہ تمام دقیقہ سنجیان انسان و حیوان ہی پر صرف کیجاتی ہین جن لوگون نے منطق کی تحصیل مین عمرین صرف کر دین ہین اُنسے انسان کے سوا کسی اور چیز مثلاً پھل پھول شاخ گھانس وغیرہ کی حقیقت پوچھی جائے تو ساری موشگافیان دھری رہ جائین گی طرہ یہ کہ انسان کی جامع و مانع تعریف بھی نہ ہو سکی انسان کی حد تام حیوان ناطق قرار دی ہے۔ لیکن غور سے دیکھو تو تمام جانور حیوان ناطق ہین حیوان ہونا تو ظاہر ناطق اسلئے کہ ہر جانور بقدر حیثیت استنباط نتائج کرتا ہے اور استنباط نتائج کرتا ہے اور استنباط نتائج ہی کا نام ناطق ہے یہ اور امر ہے کہ انسان جس قدر مختلف اور دور کے نتائج استنباط کرسکتا ہے جانور نہیں کرسکتا لیکن یہ کمی بیشی کا فرق ہے اصل نطق مین کلام نہیں اسکے علاوہ فرشتون کی نسبت کیا کہا جائیگا؟ وہ تو حساس متحرک بالارادہ ناطق سب کچھ ہین۔

ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ معروف اور حد کی جو تعریف کی گئی ہے اُسکی رو سے شاذ و نادر ہی کسی چیز کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ فلسفہ مین امام صاحب نے ایک نہایت مفصل کتاب مقاصد الفلاسفۃ لکھی یہ نہایت بسوط کتاب ہے اور فلسفہ کی تمام اقسام یعنی منطق۔ طبیعیات عنصریات۔ الہیات پر مشتمل ہے اسلامی ممالک مین اس کتاب کا نام و نشان نہیں ملتا لیکن یورپ کے کتب خانون مین اسکے متعدد نسخے موجود ہین۔ چنانچہ اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

جرمن کے پروفیسر H Gosche (گوشی) نے جرمن زبان مین امام غزالی پر جو کتاب لکھی اور جو برلن مین ۱۸۵۸ء مین چھاپی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گئی ہے جسمین اس کتاب کے چند صفحے نقل کئے ہین جسکو ہم اس موقع پر اس دعوی کے ثبوت مین نقل کرتے ہین کہ امام صاحب نے فلسفہ کے مباحث کو کس قدر صاف اور واضح کرکے لکھا ہے۔

المقدمة الاولی فی تقسیم العلوم لاشک فی ان لکل علم موضوعا تبحث فیہ عن احوال ذالک الموضوع والاشیاء الموجودة التی یمکن ان یکون منظوراً فیہا العلوم تنقسم الی وجودها بافعالنا کسائر الاعمال الانسانیة من السیاسات والتدبیرات والعبادات والریاضات فی المجاهدات وغیرها والی ما لیس وجودها بافعالنا کالسماء والارض والنبات والحیوان والمعادن وذوات الملائکة والجن والشیاطین وغیرها فلاجرم ان ینقسم العلم الحکمی الی قسمین احدهما مایعرف بہ احوال اعمالنا ویسمی علماً عملیاً وفائدتہ ان ینکشف بہ وجوہ الاعمال التی بہا منتظم مصالحنا فی الدنیا ویصدق لاجلہ رجاؤنا فی الآخرة والثانی نتعرف فیہ عن احوال الموجودات کلہا لتحصیل فی نفوسنا هیئة الوجود کلہ علی ترتیبہ کما تحصل الصور المرئیة فی المرآة ویکون حصول ذالک فی نفوسنا کمالا لنفوسنا فان استعداد النفس لقبولہا خاصیة النفس فیکون فی الحال فضیلة وفی الآخرة سبباً للسعادة کما سیاتی وکل واحد من العلمین ینقسم الی ثلاثة اقسام احدها العلم بتدبیر المشارکة التی للانسان مع الناس کافة فان الانسان خلق مضطراً الی مخالطة الخلق ولا ینتظم ذالک علی وجہ یودی الی حصول مصلحة الدنیا وصلاح الآخرة الا علی وجہ مخصوص وهذا علم اصلہ العلوم الشرعیة وتکملة العلوم السیاسیة المذکورة فی تدابیر المدن وترتیب اهلہا والثانی علم التدبیر المنزل وبہ یعرف وجہ المعیشة مع الزوجة والولد والخادم ومن یشتمل المنزل علیہ والثالث علم الاخلاق وماینبغی ان یکون الانسان علیہ لیکون جیباً فاضلاً فی اخلاقہ وصفاتہ ولما کان الانسان لا محالة اما وحدہ واما مخالطا لغیر وکانت المخالطة اما خاصة مع اهل المنزل واما عامة مع اهل البلد انقسم العلم بتدبیر هذہ الاحوال الثلاث الی ثلثة اقسام لا محالة واما العلم النظری فثلاثة اقسام احدها یسمی الالهی والفلسفة الاولی والثانی یسمی الریاضی والتعلیمی والعلم الاوسط والثالث یسمی الطبیعی والعلم الادنی وانما انقسم ثلاثة اقسام لان الامور المعقولة لاتخلو اما ان تکون بریة عن المادة والتعلق بالاجسام المتغیرة کذات الله تعالی وذات العقل والوحدة والعلة والمعلول والموافقة والمخالفة والوجود والعدم ونظائرہ فان هذہ الامور تستحیل ثبوت بعضها للمواد کذات العقل ولما بعضها فلا یجب ان یکون فی المواد وان کان قد تعرض لہا ذالک کالوحدة والعلة فان الجسم ایضاً قد یوصف بکونہ علة وواحداً کما یوصف العقل ولکن لیس من ضرورتہا ان تکون فی المواد واما ان تکون متعلقة بالمادة وهذا لایخلو اما ان تکون بحیث یحتاج الی مادة معینة حتی لایمکن ان یحصل فی الوهم فرقاً عن مادة معینة کالانسان والنبات والمعادن والسماء والارض وسائر انواع الاجسام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

واما ان یمکن تحصیلها فی الوهم من غیر مادة معینة کالمربع والمثلث والمستطیل والمدور فان هذه الامور وان کانت لا تقوم فی وجودها الا فی مادة خاصة یفوض فی الحدید والخشب والتراب و غیره الا کان مفهوم لا یمکن ان یحصل الا فی مادة معینة من لحم وعظم وغیره فان فرض من خشب لم یکن انسانا والمربع مربع کان من لحم او طین او خشب وهذه الامور یمکن تحصیلها فی الوهم من غیر التفات الی مادة فالعلم الذی یتولی النظر فیما هو بری عن المادة بالکلیة هو الالهی والذی یتولی النظر فی المواد المعینة هو الطبیعی فهل اهو علة لقسام هذه العلوم الی ثلثة اقسام ونظر الفلسفة هو فی هذه العلوم الثلثة۔

منطق و فلسفہ اگرچہ امام صاحب کا فن نہ تھا۔ یہانتک کہ اُنہون نے باقاعدہ اسکی تحصیل بھی نہین کی تھی تاہم یہ فنون بھی اُنکے فیض سے محروم نہ رہے۔

امام صاحب سے پہلے فلسفہ پر جتنی کتابین لکھی گئین اُن میں عموماً یہ خصوصیت ملحوظ ہے کہ کسی کی سمجھہ مین نہ آئیں، اور یہ اُصول مسلمانون کے زمانے سے بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔ ارسطو نے فلسفہ کی جب تدوین کی تو افلاطون نے سخت ناراض ہو کر کہلا بھیجا کہ تم نے اسرار اور رموز کا طلسم توڑ دیا۔ ارسطو نے جواب مین کہلا بھیجا کہ گو مین نے اسرار بیان کئے لیکن ایسے الفاظ مین بیان کئے کہ عام لوگون کی دسترس سے باہر ہین۔ مسلمانون میں فلسفہ ارسطو کا سب سے بڑا مفسر ابن سینا ہے اُس کی یہ حالت ہے کہ معمولی بات کو بھی اس قدر ایچ پیچ کے ساتھ اور ایسی مہیب اور پُر رعب عبارت مین ادا کرتا ہے کہ وہی معمولی بات عالم ملکوت کے فوق الادراک الہامات معلوم ہوتے ہین امام غزالی نے اس طلسم کو توڑ دیا وہ دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس طرح تحلیل کرتے ہین اور ایسے الفاظ میں ادا کرتے ہین کہ معمولی صاحب استعداد کی سمجھہ میں آجائے یہی طرز ہے جس کو امام فخر الدین رازی نے اور زیادہ ترقی دی۔ اور فلسفہ کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔

امام صاحب کی طرز تحریر سے فلسفہ کو کیا فائدہ پہونچا

اگرچہ افسوس ہے کہ متاخرین پھر وہی معما اور چیستان بولنے لگے جس سے یونانی فلسفہ کے مبتذل مسائل بھی رموز و دقائق بن گئے۔

فلسفہ کا رد تہافۃ الفلاسفۃ

غرض **مقاصد الفلاسفۃ** لکھکر جب امام صاحب ثابت کر چکے کہ فلسفہ کا کوئی راز اُن سے مخفی نہ رہا تو اُنہوں نے اصل مقصود یعنے فلسفہ کے رد پر توجہ کی اس بحث پر اُنھوں نے ایک خاص کتاب لکھی جس کا نام **تہافۃ الفلاسفۃ** ہے اس کے دیباچہ مین جو تمہید لکھی ہے وہ ہمارے زمانے کے حالات سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اسلئے ہم اُس کو مختصراً اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمارے زمانہ مین ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہین، جنکو یہ زعم ہے کہ اُنکا دل و دماغ عام آدمیون سے ممتاز ہے یہ لوگ مذہبی احکام اور قیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہین۔ اُنکا خیال ہے کہ حکمائے قدیم مثلاً افلاطون ارسطو وغیرہ، مذہب کو لغو سمجھتے تھے اور چونکہ یہ حکمار تمام علوم و فنون کے بانی اور موجد تھے اور عقل و ذہن مین اُنکا کوئی ہمسر نہین ہوا۔ اسلئے اُنکا انکار مذہب اسبات کی دلیل بین ہے کہ مذہب حقیقت مین لغو اور باطل ہے اور اُصول و قواعد فرضی اور مصنوعی ہین جو صرف ظاہر مین خوشنما اور دلفریب ہین۔

اس بنا پر مین نے ارادہ کیا کہ ان حکمار نے الہیات پر جو کچھ لکھا ہے اُنکی غلطیاں دکھاؤن اور ثابت کرون کہ اُن کے مسائل اور اُصول بازیچۂ اطفال ہین۔

فلسفہ کے مسائل تین قسم کے ہین۔

(۱) وہ مسائل جو صرف الفاظ و اصطلاحات کے لحاظ سے مسائل اسلام سے مختلف ہین، مثلاً وہ خدا کو جوہر سے تعبیر کرتے ہین۔ لیکن جوہر سے اُنکی مراد متحیز نہین بلکہ وہ شے مراد ہے جو بالذات قائم ہو۔ اور محتاج غیر نہو اس بنا پر خدا کو جوہر کہنا حقیقۃً درست ہے گو شریعت مین یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہین۔

(۲) وہ مسائل جو اُصول اسلام کے مخالف نہین مثلاً یہ مسئلہ کہ چاند مین اسوجہ سے گہن لگتا ہے کہ اس کے اور آفتاب کے بیچ مین زمین حائل ہو جاتی ہے اس قسم کے مسائل کا رد کرنا ہمارا فرض نہیں، جو لوگ ان مسائل کے انکار اور ابطال کو جزو اسلام سمجھتے ہین وہ حقیقت مین اسلام پر ظلم کرتے ہین، کیونکہ ان مسائل کے اسبات پر ہندسی دلائل قائم ہین جنکی واقفیت کے بعد اُنکی صحت مین کسی قسم کا شک نہیں رہ سکتا، اب اگر کوئی شخص یہ ثابت کرے کہ یہ مسائل اسلام کے برخلاف ہین تو واقف فن کو خود اسلام کے متعلق شبہہ پیدا ہوگا۔ (۳) تیسری قسم کے وہ مسائل ہین جو اسلام کے عقائد مقررہ کے خلاف ہین۔ مثلاً عالم کا قدم حشر اجساد کا انکار وغیرہ وغیرہ یہی مسائل ہین جنسے ہمکو غرض ہے اور جنکا باطل کرنا ہماری کتاب کا موضوع ہے۔

اس تمہید کے بعد امام صاحب نے فلسفہ کے ۲۰ مسئلون کو لیا ہے اور اُنکا ابطال کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ امام صاحب کی یہ محنت چندان سود مند نہیں ہوئی کیونکہ جن مسائل کو خلاف اسلام سمجھا ہے اُنمین سے ۱۷ کی نسبت جو اُنھون نے خود خاتمۂ کتاب مین تصریح کی ہے کہ اُنکی بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کیجا سکتی تین مسئلے جنکو قطعی کفر کا سبب قرار دیا ہے وہ بھی مختلف فیہ ہین۔

غرض علم کلام کے سلسلہ مین تو یہ کتاب چندان وقعت نہیں رکھتی لیکن ایک دوسری حیثیت سے امام غزالی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

مسلمانون نے جب فلسفہ یونانی کا ترجمہ کیا تو اُسکے اسقدر گرویدہ ہوئے کہ گویا اسکا ہر مسئلہ الہام الہی تھا چنانچہ افلاطون اور ارسطو کا دل و دماغ مسلمانون مین آجتک مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے ترجمہ کے بعد علمائے اسلام نے بطور خود جب فلسفہ مین تصنیفات کین تو مسائل فلسفہ کو مسلمات اولیہ کی طرح تسلیم کرتے آئے یعقوب کندی، فارابی، شیخ بو علی سینا جو درحقیقت خود ارسطو اور افلاطون کے ہمپایہ تھے ان مین سے کسی نے اُن مسائل پر چون و چرا نہین کی صرف ایک متکلمین کا گروہ تھا جسنے مذہبی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خیال کی وجہ سے مخالفت کی لیکن ان لوگوں کو صرف ان مسائل سے غرض تھی جو اُصول اسلام کے برخلاف تھے یہ طرز بالکل نہ تھا کہ عام طور پر یونانی فلسفہ کے مسائل بیان کئے جائیں اور ساتھ ساتھ اُنپر تنقید اور ریویو ہوتا جائے۔ امام غزالی کے تہافتہ الفلاسفۃ گو خود اس طرز پر نہیں لکھی گئی تھی لیکن اُسنے اس طرز کی بنیاد قائم کردی اسنے فلسفہ یونانی کی عظمت دلوںسے کم کردی اور لوگ اُسکے عیب و ہنر کی جانچ کی طرف متوجہ ہوگئے شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق لکھی تو یونانی مسائل کیساتھ جہاں جہاں اُنمیں غلطیاں تھیں اُنسے بھی تعرض کرتے گئے **ابوالبرکات بغدادی** نے کتاب المعتبر اسی انداز پر لکھی اور امام رازی نے تو فلسفہ یونانی کو بالکل ہی آماجگاہ بنالیا اور اسکے صحیح مسائل کی بھی دھجیاں اُڑادیں

امام صاحب نے جن مسائل فلسفہ کو باطل کیا

بہرحال اس کتاب میں امام صاحب نے جن مسائل پر بحث کی ہے اُن کی یہ تفصیل ہے۔

(۱) فلسفیوں کے اس دعوے کا ابطال کہ عالم ازلی ہے۔

(۲) اس دعوے کا ابطال کہ عالم ابدی ہے۔

(۳) فلاسفہ کا یہ قول کہ خدا عالم کا صانع ہے دھوکا ہے اور نہ اُنکے اُصول کے مطابق خدا صانع عالم ہوسکتا ہے۔

(۴) فلاسفہ خدا کا وجود نہیں ثابت کرسکتے۔

(۵) فلاسفہ خدا کی توحید نہیں ثابت کرسکتے۔

(۶) جو صفات الٰہی کے منکر ہیں یہ اُنکی غلطی ہے۔

(۷) فلاسفہ کا یہ قول غلط ہے کہ خدا کی جنس اور فصل نہیں۔

(۸) فلاسفہ کا یہ دعوی ثابت نہیں ہوسکتا کہ خدا کی ذات بسیط محض بلا ماہیۃ ہے۔

(۹) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ خدا کے جسم نہیں۔

(۱۰) فلاسفہ کو دہریہ ہونا لازم ہے۔

(۱۱) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ خدا اپنے سوا کسی اور کو جان سکتا ہے۔

(۱۲) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ خدا اپنی ذات کو جانتا ہے۔

(۱۳) فلاسفہ کا یہ دعوے غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔

(۱۴) فلاسفہ کا یہ دعوے غلط ہے کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے۔

(۱۵) فلاسفہ نے آسمان کی حرکت کی جو غرض بیان کی ہے وہ باطل ہے۔

(۱۶) فلاسفہ کا یہ خیال غلط ہے کہ آسمان تمام جزئیات کے عالم ہیں۔

(۱۷) خرق عادات کا انکار باطل ہے۔

(۱۸) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ روح ایک جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(۱۹) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ روح ابدی ہے۔

(۲۰) فلاسفہ جو قیامت اور حشر اجساد کے منکر ہیں یہ انکی غلطی ہے۔

امام صاحب نے ان مسائل پر جو کچھ لکھا ہے اُنپر اگر ریویو کیا جائے تو ہماری کتاب صدرا یا شمس بازغہ بنجائیگی اسلئے اس سے ہم درگذر کرتے ہیں تاہم نمونہ کے طور پر ہم ایک مسئلہ کو لیتے ہیں جسکے ضمن میں ہم امور ذیل دکھلانا چاہتے ہیں۔

(۱) یونانی کس طریقے سے حقایق اشیاء پر استدلال کیا کرتے تھے۔

(۲) چونکہ یونانیوں کے استدلال کا طریقہ محض خیالی تھا اسلئے علمائے اسلام محض احتمالات عقلی سے اسکو باطل کرتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے۔

(۳) فلسفہ قدیم جو ہمارے علماء کا سرمایۂ افتخار ہے اسکی عظمت وشان اسیوقت تک ہے کہ اُنہی مصطلحہ الفاظ اور اسی مخصوص پیرائے میں اسکو ادا کیا جائے ورنہ اگر ان مسائل کو تحلیل کرکے عام فہم طریقہ سے بیان کیا جائے تو بچوں کا کھیل رہ جاتا ہے۔

ایک خاص مسئلہ کا ذکر

یونانی عالم قدم کے قائل تھے امام صاحب نے اس مسئلہ کیمتعلق پہلے فلاسفہ کا استدلال نقل کیا پھر اُسپر رد وقدح کی۔ استدلال کے سمجھنے کیلئے پہلے چند اصطلاحیں سمجھ لینی چاہئیں اور چند مقدمات کو ذہن نشین کرلینا چاہئیے۔

(۱) جو چیز ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی اس کو واجب کہتے ہیں۔

(۲) جو چیز کبھی موجود تھی اور آئندہ موجود ہوسکتی ہے وہ ممتنع ہے۔

(۳) جو چیز ہمیشہ سے نہیں ہے لیکن وجود میں آئی اور فنا ہوجائیگی وہ ممکن ہے۔

(۴) جو چیز ممکن ہے وہ موجود ہونیسے پہلے بھی ممکن تھی کیونکہ اگر ممکن نہ تھی تو واجب ہوتی یا ممتنع لیکن اگر واجب ہوتی تو ہمیشہ سے موجود ہوتی اور اگر ممتنع ہوتی تو کبھی وجود میں نہ آتی۔

(۵) صفت کیلئے موجود کا وجود ضروری ہے مثلاً اگر سیاہی کا وجود ہے تو ضرور ہے کہ وہ سیاہی کسی خاص شئے میں پائی جائے

ان مقدمات کے بعد عالم کے قدیم ہونیپر اسطرح استدلال کیا جاتا ہے کہ عالم وجود میں آنیسے پہلے ممکن تھا (بربنائے مقدمہ ۴) اور چونکہ ممکن ہونا ایک صفت ہے اور صفت کیلئے موصوف کا ہونا ضرور ہے اسلئے ضروری ہے کہ کوئی موجود تھی جسکے ساتھ امکان کا یہ وصف قایم تھا اس سے ثابت ہوا کہ جب عالم موجود نہ تھا اُسوقت بھی کوئی شے تھی جس سے یہ عالم وجود میں آیا اس استدلال کو مثال میں یوں سمجھو کہ ایک صراحی جو اسوقت موجود ہے جب نہیں موجود تھی تب بھی کوئی شے (مٹی) موجود تھی جو ایک خاص صورت پکڑکر اب صراحی بنگئی۔

یہ استدلال اگر تجربہ۔ وجدان اور استقراء پر محول کیا جاتا تو یقین پیدا کرنیکے لئے کافی تھا لیکن یونانیوں نے صرف الفاظ و اصطلاحات و مفروضات پر مدار رکھا اسلئے انکی کوشش بیکار گئی چنانچہ امام غزالی نے اس استدلال کو اسطرح رد کیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ مسلم نہین کہ ہر قسم کی صفات کیلئے موصوف کا وجود خارجی ضرور ہے۔ امتناع بھی تو ایک صفت ہے اس کا موصوف کہان ہے جب ہم کہتے ہین کہ شریک باری ممتنع ہے تو ظاہر ہے کہ امتناع کی صفت کا موصوف شریک باری ہے لیکن کیا شریک باری خارج مین موجود ہے۔

اس کے علاوہ اعراض مثلاً سیاہی سپیدی وغیرہ جب موجود نہ تھے تو انکا وجود ممکن تھا اس امکان کا موصوف کیا چیز تھی ؟ اور وہ کہان موجود تھی ؟ اگر یہ کہا جائے کہ اعراض کے امکان کے یہ معنی ہین کہ جواہر موجود تھے اور وہ اعراض کے ساتھ متصف ہو سکتے تھے تو یہ درحقیقت اعراض کا امکان نہیں بلکہ اجسام کے اتصاف کا امکان ہے حاصل یہ کہ امکان امتناع وغیرہ عقلی اعتبارات ہین ان کے لئے وجود خارجی کی ضرورت نہین۔

امام صاحب نے اس تقریر کے بعد فلاسفہ کیطرف سے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے اور پھر انکا رد کیا ہے لیکن ہم اسکو اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہین۔

دیکھو! ایک معمولی مسئلہ، الفاظ کے چکر مین آکر اسقدر پیچیدہ ہو گیا ہے طرز استدلال نے اصل مسئلے کے سوا اور بہت سے مسئلے پیدا کر دئے امکان کی حقیقت۔ صفت کی حقیقت۔ صفت کیلئے موصوف کے وجود کی حقیقت۔ یہ مراحل طے ہو لین تب دعویٰ ثابت ہو۔ اس مسئلے پر سادہ اور صاف طریقے مین اسطرح استدلال کیا جا سکتا ہے۔

دنیا مین جو چیز موجود ہے ہم دیکھتے ہین کہ وہ عدم محض سے وجود مین نہین آئی اور نہ وہ معدوم محض ہو سکتی ہے مثلاً تخت ایک سادہ لکڑی تھی۔ لکڑی درخت تھا درخت تخم تھا۔ تخم کچھ اور تھا غرض کہین جا کر یہ سلسلہ اسطرح ختم نہین ہوتا کہ عدم محض رہ جائے۔ اسیطرح اگر تمام زمانہ ملکر چاہے کہ ایک ذرے کو بالکل فنا کر دے تو نہیں کر سکتا کسی چیز کو جلا دو راکھ ہو جائیگی۔ راکھ کو ہوا مین اڑا دو اسکے اجزا پریشان ہو جائینگے۔ لیکن بالکل معدوم نہ ہون گے۔

جو لوگ منطقی کج بحثیون اور اصطلاحات فلسفی کے خوگر ہین انکو یہ استدلال عامیانہ اور سوقیانہ معلوم ہوگا وہ یہی کہیں گے کہ استقرا، کوئی قطعی دلیل نہیں۔

لیکن انصاف سے دونوں طرز استدلال کا مقابلہ کرو۔

پہلا استدلال محض اصطلاحات پر مبنی ہے جس سے دل مین یقین کی کوئی کیفیت نہیں پیدا ہوتی اسکے علاوہ دلیل کے مقدمات سب بحث طلب ہین جو شخص ایک چیز کو بالکل معدوم فرض کرتا ہے وہ کیوں تسلیم کریگا کہ اسی حالت مین وہ ممکن ہے۔ امکان، وجوب، امتناع، یہ سب اوصاف اسی چیز کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں جسکا کسی نہ کسی قسم کا وجود ہو ممتنع کا وجود گو خارجی نہیں ہوتا لیکن ذہنی ہوتا ہے اور اسی بنا پر قضیہ کا موضوع ہو سکتا ہے لیکن جو چیز خارج میں ہے نہ ذہن میں ہے بلکہ معدوم مطلق ہے اسپر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ عدم کی حالت میں امکان کی صفت کیساتھ موصوف ہے لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ صفت

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا موصوف خارج مین موجود ہوتا ہے کُلّی ہونا ایک وصف ہے اسکا موصوف خارج مین کیونکر پایا جاسکتا ہے خارج مین جو چیز موجود ہوگی وہ جزئی ہوکر ہوگی کلی نہیں ہوسکتی غرض ان مقدمات کو جس قدر اُدھیڑو گے اس کے ریشے پھیلتے جائیں گے اور آخر مین کچھ ہات نہ آئیگا۔

بخلاف اس کے دوسرا طرز استدلال واقعات پر مبنی ہے جو دنیا مین ہزارون لاکھون چیزین موجود ہین سب موجودہ صورت سے پہلے کسی صورت مین موجود تھین۔ آج کوئی تجربہ اسکے خلاف نہیں بتایا جاسکتا ان واقعات سے کیا یقین نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی شے کبھی معدوم محض نہیں تھی۔

باقی یہ احتمالات کہ ممکن ہو کہ اُسکے خلاف تجربہ ہوا ہوا ور ہمکو معلوم نہو ممکن ہو کہ سب سے پہلے جو شے پیدا ہوئی وہ عدم محض سے پیدا ہوئی ہو۔ طالبعلمانہ کج بحثیان ہین جس سے یقین مین فرق نہیں آتا سینکڑون کلیات جو یقینی قرار دئے جاتے ہین انمین سے زیادہ احتمالات پیدا کئے جاسکتے ہین۔ لیکن کیا اس سے انکا یقینی ہونا باطل ہوجاتا ہے۔

بہر حال امام صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یونانی جس طریقے سے استدلال کرتے تھے امام صاحب نے بھی اسی قسم کے مقدمات سے ان کے استدلال کو رد کیا۔

علامہ ابن رشد نے جو ارسطو کا حلقہ بگوش ہے امام صاحب کی اس کتاب کا رد لکھا لیکن امام صاحب کی فضیلت کیلئے اسیقدر کافی ہے کہ باوجود اسکے کہ اُنھوں نے بطور خود نہایت قلیل زمانہ مین فلسفہ کی تحصیل کی تھی تاہم وہ فلسفہ پر اس طرح حملہ آور ہوسکے کہ ابن رشد جیسے فلاسفر کو اُن کے حملے کے روکنے کے لئے اسقدر اہتمام کرنا پڑا۔

اثبات عقائد

عقائد کا اثبات

امام صاحب کا اصلی کارنامہ یہیں سے شروع ہوتا ہے اور یہی چیز ہے جسنے امام صاحب کے نام کو شہرت دی ہے اثبات عقائد سے یہ مراد ہے کہ امام صاحب نے اسلام کے عقائد کو دلائل عقلیہ سے کیونکر ثابت کیا لیکن اسکی تفصیل سے پہلے یہ بحث طے کرنی چاہیے کہ امام صاحب کے نزدیک اسلامی عقائد کیا تھے؟ اسلام کا اصل اصول تو صرف دو کلمے ہیں لیکن انکی تفصیل میں اختلاف پیدا ہوکر بہت سے فرقے پیدا ہوگئے اور ہر فرقے نے اپنے قرارداد مسائل کو کفر و اسلام کا معیار قرار دیا امام صاحب بھی ایک خاص فرقہ یعنی اشعریہ سے منسوب تھے اور اس بناء پر انکے عقائد کے بیان مین اشعریون کے عقائد کی فہرست لکھدینی کافی تھی خصوصاً اس وجہ سے کہ احیاء العلوم میں جہان اسلام کے عقائد بیان کیے ہین کم و کاست اشاعرہ کے عقائد لکھدیے ہین لیکن مشکل یہ ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات اس باب مین مختلف ہین اور اس اختلاف نے لوگون کو ان کے عقائد کے متعلق حیرت زدہ کردیا ہے علامہ ابن رشد فصل المقال مین انکی نسبت لکھتے ہین۔

غزالی نے اپنی کتابون مین کسی مذہب خاص کا التزام نہین کیا بلکہ وہ اشعریوں کے ساتھ اشعری اور صوفیون کے صوفی اور فلاسفہ کیساتھ فیلسوف ہین۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امام صاحب کے مخالفونکا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جسکی تفصیل اس کتاب کے خاتمہ میں آئیگی وہ بھی اسیوجہ سے پیدا ہوا تھا کہ امام صاحب کی تصنیفات میں انکو جابجا اشاعرہ وغیرہ کے خلاف عقائد ملتے تھے چونکہ امام صاحب کے مذہبی خیالات کے متعلق یہ ایک اہم بحث ہے اور چونکہ عقائد میں مسلمانوں کا گروہ کثیر امام صاحب ہی کا پیرو ہے اسلئے ہم اس بحث کو تفصیل کیساتھ لکھتے ہیں خصوصاً اسوجہ سے کہ آجتک کسی نے اس چیستان کو حل نہیں کیا۔ اس اشکال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات کا باہمی اختلاف انکے تلون طبع یا صلح کل کے اصول پر مبنی نہیں ہے بلکہ امام صاحب نے قصداً ایسا کیا اور خود اسکی تصریح کردی جواہر القرآن میں لکھتے ہیں[1]

والرتبة الاولى من الرتبتين وهي معرفة ادلة ظاهر هذه العقيدة فقد ادرجناها الرسالة القدسية في قدر عشرين ورقا وهي احد فصول كتاب قواعد العقائد من كتب الاحياء واما ادلتها مع زيادة تحقيق ومع زيادة تأنق في ايراد الاسولة والاشكالات فقد اودعناها كتاب الاقتصاد في الاعتقاد في مقدار مائة ورقة وهو كتاب مفرد بنفسه يحوي لباب علم المتكلمين فان اردت ان تستنشق شيئا من روائح المعرفة صادفت منه مقداراً يسيراً مبثوثا في كتاب الصبر والشكر وكتاب المحبة وبيان التوحيد من اول كتاب التوكل وجملة ذلك في كتب الاحياء وتصادف منه قدراً صالحا يعرفك كيفية قرع باب المعرفة من كتاب مقصد الاقصى وان اردت صريح المعرفة بحقائق هذه العقيدة من غير مجمجمة ومراقبة فلا تصادفه الا في بعض كتبنا المضنون به على غير اهله۔

دونوں درجوں میں سے پہلا درجہ یعنی اس عقیدے کے ظاہری مفہوم پر استدلال کرنا تو اس کو ہم رسالہ قدسیہ میں درج کرچکے یہ رسالہ ۲۰ صفحوں میں ہے اور احیاء العلوم فصل قواعد العقائد کا ایک حصہ ہے باقی ان عقائد کے دلائل زیادہ تحقیق کے ساتھ اور سوال وجواب کی رنگ آمیزی کیساتھ تو کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں درج ہے جو سو ورق میں ہے جو مستقل ایک کتاب اور اس میں متکلمین کا تمام علم درج ہے لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ معرفت کی کسی قدر خوشبو دماغ میں آجائے تو احیاء العلوم کی کتاب الصبر والشکر وکتاب المحبۃ وبیان التوحید میں کتاب التوکل میں کچھ کچھ اسکا شمہ ملیگا اور کسی قدر مقصد الاقصیٰ میں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ معرفۃ کا دروازہ کسطرح کھٹکھٹایا جاتا ہے اور اگر چاہتے ہو کہ صاف صاف بے لاگ ان عقائد کی حقیقت معلوم ہو تو اس کو صرف ہماری کتاب المضنون بہ علی غیر اہلہ میں پا سکتے ہو

اس کتاب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

والثاني وهو محاجة الكفار ومجادلتهم ومنه يتشعب علم الكلام المقصود لرد الضلالات والبدع وازالة الشبهات ويتكفل به المتكلمون وهذا العلم قد شرحناه على طبقتين سمينا الطبقة القريبة منها الرسالة القدسية والطبقة التي فوقها الاقتصاد

دوسری چیز کافروں سے مناظرہ اور مجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جسکا مقصود گمراہیوں کا اور بدعتوں کا رد کرنا ہے اور اعتراضات کا رفع کرنا ہے اس علم کے ذمہ دار متکلمین ہیں۔ ہم نے دو طرز پر اس کی شرح کی ہے ایک معمولی طرز پر اس کا نام رسالہ قدسیہ ہے اور ایک اس سے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

[1] یہ کتاب بمبئی میں چھپ گئی ہے لیکن اخیر سے ناقص ہے میرے پاس پورا قلمی نسخہ موجود ہے۔

الاعتقاد ومقصود هذا العلم حراسة عقيدة العوام عن تشويش المبتدعة ولا يكون هذا العلم مليًّا بكشف الحقائق وبجنسه يتعلق كتاب الذی صنفناه فی تهافة الفلاسفة والذی اوردناه فی الرد علی الباطنیة فی کتاب الملقب بالمستظهری وفی کتاب حجة الحق وقاصم الباطنیة وکتاب مفصل الخلاف فی اصول الدین.

اعلیٰ تر اس علم کا مقصود یہ ہے کہ بدعتیوں کے شور وشغب سے عوام کے عقیدہ کی حفاظت کی جاوے۔ لیکن اس علم میں حقائق نہین بیان کئے جاتے اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جس میں فلاسفہ کی غلطیوں کا بیان ہے یعنی تہافۃ الفلاسفۃ اور وہ جو باطنیہ کے رد مین ہے یعنے مستظہری وحجۃ الحق وقاصم الباطنیہ ومفصل الخلاف۔

ان عبارتون مین امام صاحب نے خود تصریح کر دی ہے کہ عقائد میں انکی تصنیفات مختلف مراتب کی ہین بعض عوام کے مذاق کے موافق ہین بعض اس سے کسیقدر بلندرتبہ ہین بعض مین کچھ کچھ حقائق واسرار کا پردہ کھولا ہے بعض ایسے ہین جنمین تمام حقائق ظاہر کر دئیے ہین حقیقت یہ ہے کہ اسلام مین ابتدا ہی سے دو مختلف رائین قائم ہوگئی تھین اول گروہ کی رائے تھی کہ شریعت میں کچھہ اسرار نہین ہین جو عقائد شریعت مین مذکور ہین۔ ایک عامی جس طور پر انکو سمجھتا ہے خواص کو بھی اُسی طور سے سمجھنا چاہیے اور اس عقیدہ کے ثابت کرنیکے لئے جو دلائل ایک عامی کیلئے قائم کئے جاتے ہین خواص کیلئے بھی وہی دلائل استعمال کرنے چاہئین۔ دوسرا گروہ اسکے خلاف تھا علامہ ابن رشد فصل المقال میں لکھتے ہین۔

کثیر من الصدر الاول قد نقل عنهم انهم کانوا یرون ان للشرع ظاهرًا وباطنًا وانه لیس یجب ان تعلم بالباطنه من لیس من اهل العلم به لا یقدر علی فهمه

قرن اول کے اکثر بزرگون سے منقول ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور جو شخص باطن کے سمجھنے کی لیاقت نہین رکھتا اسکو باطن کا علم سکھلانا ضرور نہین۔

صحیح بخاری میں حضرت علیؓ کا قول منقول ہے کہ

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب الله ورسوله۔

جو بات لوگون کی عقل مین آئے اُنسے بیان کرو اور جو نہ آئے وہ چھوڑ دو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو لوگ خدا اور رسول خدا کو جھوٹا بنائین

امام غزالی اسی دوسرے گروہ کے ہم خیال تھے، چنانچہ اپنی تصنیفات میں کثرت سے اسکی تصریحین کی ہین احیاء العلوم کے دیباچہ مین اسپر نہایت مفصل بحث کی ہے جس کے ابتدائی مضامین یہ ہین۔

ان انقسام هذه العلوم الی خفیة وجلیة لا ینکرها ذو بصیرة وانما ینکرها القاصرون الذین تلقفوا فی اوائل الصبی شیئًا وجمدوا علیه فلم یکن لهم ترق الی شاو العلماء الخ

ان علوم کے خفی وجلی کی کثرت منقسم ہونیسے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہین کرسکتا۔ صرف وہ انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن مین کچھ باتین سیکھین اور پھر اُسی پر جم گئے تو وہ علماء کے مرتبہ تک ترقی نہین کرسکے

جواہر القرآن میں ذات باری اور واقعات قیامت کے متعلق جو عقائد ہین انکو لکھکر لکھتے ہین کہ ان عقائد کے دو درجے ہین۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

احدها معرفة ادلة هذه العقيدة الظاهرة من غير غوص على اسرارها والثانية معرفة اسرارها ولباب معانيها وحقيقة ظواهرها والرتبتان جميعا ليستا واجبتين على جميع العوام۔

ایک درجہ اس ظاہری عقیدہ کے دلائل کا جاننا ہے بغیر اس کے کہ اسکے ایک اسرار پر غور کیا جائے۔ دوسرے ان عقائد کے اسرار کا سمجھنا اور ان کے معانی کا مغز دریافت کرنا اور ان کے ظاہر کی اصل حقیقت دریافت کرنا ان دونوں درجوں کا حاصل کرنا سب پر فرض نہیں ہے۔

الجامع العوام کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

فليوضع كل شئ موضعه كما امر الله تعالى به نبيه حيث قال ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن فالمدعو بالحكمة الى الحق قوم وبالموعظة الحسنة قوم آخرون وبالمجادلة الحسنة قوم آخرون ما فصلنا اقسامهم في كتابنا القسطاس المستقيم۔

چاہیے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی جائے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اور قرآن میں فرمایا کہ تم لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت اور نصیحت کے ذریعے اور اُن سے مجادلہ کرو بطرز پسندیدہ حکمت کے جو لوگ مخاطب ہیں وہ اور ہیں۔ نصیحت کے مخاطب اور مجادلہ کے مخاطب اور جیسا کہ ہمنے اپنی کتاب قسطاس میں اسکی تفصیل بیان کی ہے۔

قسطاس مستقیم جسکا امام صاحب نے اس موقع پر حوالہ دیا ہے اسکی عبارت یہ ہے۔

قال الله تعالى ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن اعلم ان المدعو الى الله بالحكمة قوم وبالموعظة قوم وبالمجادلة قوم وان الحكمة ان غذي بها اهل الموعظة اضرتهم كما اضر بالطفل الرضيع التغذية بلحم الطير وان المجادلة ان استعملت مع اهل الحكمة اشمأزوا عنها كما يشمئز طبع الرجل القوي عن الارتضاع بلبن الآدمي وان من استعمل الجدال مع اهل الجدال بطريق لا يحسن كما يعلم من القرآن كان كمن غذى البدوي بخبز البر ولم يألف الا التمر وهذه دقائق لا تدرك الا بنور التعظيم المقتبس من عالم النبوة

خدا نے کہا ہے کہ لوگوں کو خدا کے رستہ کی طرف بلاؤ حکمت کے ذریعہ اور نصیحت کے ذریعے سے جو لوگ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں اور نصیحت کے ذریعے اور بحث کے ذریعہ سے اور اگر حکمت ان لوگوں کے لئے استعمال کیجائے جو نصیحت کے مخاطب ہیں تو اُنکو نقصان ہوگا جسطرح شیر خوار بچہ کو پرند کا گوشت کھانا نقصان کرتا ہے اور مجادلہ اُن لوگوں کے استعمال کیا جائے جو حکمت کے اہل ہیں تو اُنکو نفرت ہوگی جسطرح قوی آدمی کو آدمی کا دودھ پلایا جائے اور مجادلہ اگر بطرز پسندیدہ نہ کیا جائے تو اسکی یہ مثال ہوگی کہ ایک بدوی کو گیہوں کا آٹا کہلایا جائے حالانکہ اسکو صرف کہجور کہانیکی عادت ہے اور یہ وہ باریک باتیں ہیں جو صرف اس نور سے حاصل ہوتی ہیں جو مقام نبوت سے حاصل کیا گیا ہے۔

جواہر القرآن میں قیامت کے حالات میں لکھتے ہیں۔

ويشتمل ايضا على ذكر مقدمات احوال الفريقين وعنها يعبر بالحشر والنشر والحساب والميزان والصراط ولها ظواهر جلية تجري مجرى الغذاء لعوام الخلق ولها اسرار

اور اس میں فریقین (یعنی کافر و مسلمان) کے حالات مذکور ہیں جسکی تعبیر حشر و نشر و حساب و میزان و صراط سے کیجاتی ہے اور ان چیزوں کے ایک ظاہری معنی ہیں جو عوام خلق کیلئے غذا کا کام دیتے ہیں اور ایک باطنی جو دقیق ہیں اور خواص کے لئے بجائے زندگی کے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غامضہ تجری مجری الحیوۃ لخصوص الحلق ۔

ان اُصولوں کے معلوم ہونیکے بعد یہ عقیدہ خود بخود حل ہوتا ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات میں اختلاف کی کیا وجہ ہے امام صاحب کے نزدیک چونکہ تعلیم و ہدایت کا طریقہ سب کے لئے یکساں نہیں ہوسکتا تھا ۔ اسلئے ضرور تھا کہ انکی تصنیفات مختلف المذاق اور مختلف الاصول ہوتیں اب ہم ذیل میں ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کی کون سی کتابیں کس قسم کی ہیں ۔ اور ہمکو انکے خاص عقائد اور اُصول سے واقف ہونیکے لئے کن کتابوں پر اعتماد کرنا چاہیے جواہر القرآن کی عبارت جو آغاز بحث میں ہمنے نقل کی اس میں امام صاحب نے خود اسکی تعیین کردی ہے یہ نقشہ اسی کے موافق مرتب کیا گیا ہے رسالہ قدسیہ ۲۰ ورق میں ہے اور احیاء العلوم میں شامل ہے اسمیں ظاہری عقائد کے دلائل ہیں ۔ اقتصاد فی الاعتقاد سَو ورق میں ہے یہ بھی متکلمین کے معمولی انداز میں لیکن دلائل میں زیادہ تحقیق و تدقیق کی ہے ۔

تہافۃ الفلاسفہ	اس میں بھی متکلمین کا انداز ہے ۔
مستظہری	فرقہ باطنیہ کے رد میں ۔
حجۃ الحق	یہ بھی باطنیہ کے رد میں ہے اور بغداد میں لکھی گئی جیسا کہ امام صاحب نے منقذ میں تصریح کی ہے ۔
مفصل الخلاف	یہ بھی باطنیہ کے رد میں ہے ۔
قاصم الباطنیہ	ایضاً

یہ تمام تصنیفات مروجہ علم کلام کے انداز پر لکھی گئی ہیں اور حقائق و اسرار سے خالی ہیں ۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ	مضنون بہ علی غیر اہلہ کے خاتمہ میں امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ مضنون بہ علی اہلہ میں وہ حقائق لکھونگا جو مضنون بہ علی غیر اہلہ میں بھی نہیں لکھے تھے ۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ امام صاحب کی اور بھی تصنیفات ہیں جو انہی مباحث پر ہیں مثلاً منقذ من الضلال، التفرقہ بین الاسلام والزندقہ، مشکوۃ الانوار ۔ ان کتابوں کے متعلق امام صاحب کی کوئی خاص تصریح موجود نہیں لیکن ان کے مضامین سے خود پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قسم میں داخل کیجا سکتی ہیں ۔

اس تفصیل کے بعد اب موقع ہے کہ ہم امام صاحب کے خاص علم کلام سے بحث کریں لیکن اسکے لئے ضرور ہے کہ پہلے مختصر طور پر بتایا جائے کہ امام صاحب کے زمانہ میں جو علم کلام متداول تھا کیا تھا؟ اور امام صاحب نے اسمیں کیا تبدیلیاں کیں اور کس ضرورت سے کیں ۔

اس زمانہ میں جو علم کلام شائع تھا، اشعری کی طرف منسوب تھا، تردیدیہ کا علم کلام وجود میں آچکا تھا لیکن چونکہ اس زمانہ کے بڑے بڑے نامور علماء مثلاً باقلانی ابن فورک ۔ امام الحرمین ۔ وغیرہ شافعی تھے ۔ اور تردیدیہ حنفیہ سے خصوصیت رکھتا تھا اسلئے وہ چنداں رواج پذیر نہیں ہوا تھا اس کلام کی بنیاد امام ابو الحسن اشعری نے ڈالی تھی ۔ امام موصوف سے پہلے علم کلام کے جو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قدیم علم کلام کے مسائل

مختلف طریقے تھے آپس میں بالکل مختلف تھے یعنی ایک محض عقلی تھا اور دوسرا بالکل نقلی، امام موصوف چونکہ مدت تک معتزلی رہ چکے تھے، اور اخیر میں تائب ہوکر منقولی گروہ میں آئے تھے اسلئے انکے علم کلام میں خودبخود یہ خصوصیت پیدا ہوگئی کہ منقول میں معقول کی بھی کچھ آمیزش ہوگئی۔ تمام بڑے اشاعرہ متکلمین اپنے علم کلام کی ترجیح کی وجہ یہی قرار دیتے ہیں کہ وہ جامع عقل ونقل ہے۔

امام اشعری نے جو اُصول قایم کئے وہ معتدل اور افراط تفریط سے الگ تھے لیکن اُسی چیز نے جو اُسکی خوبی تھی (یعنی عقل کی آمیزش) رفتہ رفتہ اسکی حالت بدلدی امام اشعری کے بعد۔ امام غزالی تک کوئی شخص اس سلسلہ میں ایسا نہیں پیدا ہوا جو علوم عقلیہ کا ماہر ہوتا بلکہ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ کسی نے علوم عقلیہ کی تحصیل بھی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کلام کے اصول اور مسائل میں نہ بالکل سادگی رہی نہ پوری باریک بینی اس کی دونوں کی ناتمامی نے رفتہ رفتہ عقائد کو نہایت پیچیدہ، مشکل، اور مجموعہ اشکالات بنا دیا۔ اسکی توضیح مثلہٗ ذیل سے ہوگی۔

(۱) اشاعرہ سے پہلے، تمام محدثین اور ارباب ظاہر، خدا کی رویت کے قائل تھے بخلاف ان کے معتزلہ کو انکار تھا لیکن محدثین جہاں اسبات کے قائل تھے کہ خدا نظر آسکتا ہے اسبات کے بھی قائل تھے کہ خدا عرش پر متمکن ہے اور ذوجہۃ و قابل اشارہ ہے اشاعرہ نے احادیث وروایت کی بنا پر رویت کا تو اقرار کیا لیکن معقولات کی آمیزش سے ان امور کے قائل نہ ہوسکے کہ خدا متحیز ہے۔ ذوجہۃ ہے۔ قابل اشارہ ہے۔ کیونکہ اسقدر وہ جانتے تھے کہ یہ اُمور جسمانیات کے خواص میں ہیں اور خدا جسمانی نہیں ہے اب یہ دقت پیش آئی کہ جو چیز متحیز اور قابل اشارہ نہیں وہ آنکھ سے نظر نہیں آسکتی مجبوراً اشاعرہ حکم مناظرہ کے تمام مسلمہ اُصول سے انکار کرکے یہ دعوے کرنا پڑا کہ کسی چیز کے نظر آنیکے لئے اس کا سامنے ہونا یا قابل اشارہ ہونا ضرور نہیں، صرف اُس کا موجود ہونا کافی ہے۔ شرح مواقف میں ہے۔

ان الاشاعرۃ جوزوا رویۃ ما لا یکون مقابلا ولا فی حکمۃ بل جوزوا رایۃ اعمی الصین بقۃ الاندلس

اشاعرہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سامنے نہو اور نظر آئے بلکہ انکے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چین میں ایک اندہا اندلس کے مچھر کو دیکھے۔

اب دوسرا شبہہ یہ پیدا ہوا کہ اگر صرف موجود ہونا کافی ہے تو خدا ہمیشہ موجود رہے اسلئے ہر وقت اسکو نظر آنا چاہیے اس سے بچنے کے لئے اشاعرہ نے یہ اُصول قائم کیا کہ "ممکن ہے کہ ایک شے کے نظر آنیکے تمام شرائط پائے جائیں اور وہ نظر نہ آئے شرح مواقف میں ہے۔

لا نسلم وجوب الرویۃ عند اجتماع الشروط الثمانیۃ

نظر آنیکی جو آٹھ شرطیں ہیں انکے مجتمع ہونیکے ساتھ بھی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس شے کا نظر آنا ضرور ہے۔

۲۔ معجزات اور خرق عادات کو سب لوگ تسلیم کرتے آتے تھے۔ البتہ یہ فرق تھا کہ محدثین وفقہا کا یہ عقیدہ تھا کہ معجزہ میں خدا۔ اشیاء کی طبیعت وخاصیت کو بدلدیتا ہے۔ معتزلہ کا خیال تھا کہ کسی شے کی ذاتیات وخواص بدل نہیں سکتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن معجزہ غیر معلوم اسباب سے پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اسباب معلوم نہیں ہوئے اسلئے خرق عادت خیال کیا جاتا ہے بہر حال دونوں کے نزدیک معجزہ کا قبول کرنا سلسلۂ اسباب کے انکار سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اشاعرہ کو ایک طرف تو یہ خیال تھا کہ علۃ و معلول کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں کسی حالت میں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو سکیں،، دوسری طرف احادیث و آثار کی بنا پر خرق عادات سے انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُنھوں نے علۃ و معلول کا سلسلہ ہی اُڑا دیا اور یہ اُصول قرار دیا کہ دنیا میں کوئی چیز کسی چیز کا سبب ہی نہیں آگ جلاتی ہے لیکن نہ جلانا اسکی ذاتیات میں ہے نہ وہ جلانے کی علت ہے اسمیں یہانتک غلو کیا کہ سلسلۂ اسباب کا ماننا قادر مختار کی نفی کرنا ہے بلکہ ہر چیز کی علت بلا واسطہ خود خدا ہے۔

غرض عقل و نقل کی اس آمیزش سے بہت سے نئے اُصول علم کلام میں داخل کرنے پڑے اور یہی اُصول اشاعرہ اور دیگر فرقوں میں حد فاصل قرار پائے انمیں سے چند مقدم اُصول کو ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) انہ یجوز علی اللہ سبحانہ ان یکلف الخلق ما لا یطیقونہ

خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اُس کام کی تکلیف دے جو اُسکی طاقت سے باہر ہے۔

(۲) ان اللہ عز و جل ایلام الخلق و تعذیبہم من غیر جرم سابق و من غیر ثواب لاحق۔

خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے بغیر اسکے کہ انکا کوئی جرم ہو یا اُنکو آئندہ ثواب ملے۔

(۳) انہ تعالیٰ یفعل بعبادہ ما یشاء فلا یجب علیہ رعایۃ الاصلح بعبادہ

خدا اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خدا کو یہ ضرور نہیں کہ بندوں کی مصلحت کا لحاظ رکھے۔

(۴) ان معرفۃ اللہ سبحانہ و طاعتہ واجبۃ بایجاب اللہ و شرعہ لا بالعقل۔

خدا کا پہچاننا شریعت کے رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے

یہ تمام عقائد انہی عبارتوں کے ساتھ احیاء العلوم امام غزالی میں مذکور ہیں۔

(۵) ان البنیۃ لیست شرطاً فی الحیوۃ فالنار علی ما ہی علیہ یجوز ان یخلق اللہ فیہا الحیوۃ العقل لہ

زندگی کیلئے کوئی خاص بناوٹ شرط نہیں مثلاً آگ میں بحالت موجودہ خدا عقل اور زندگی و گویائی پیدا کر سکتا ہے۔

(۶) لا یمتنع ان یحضر عندنا جبال شاہقۃ و اصوات عالیۃ و نحن لا نبصرہا و لا نسمعہا و لا یمتنع ایضاً ان یبصر الاعمیٰ الذی یکون بالمشرق بقۃ بالمغرب و بالجملۃ فینکرو جمیع تاثیرات الطبائع و القویٰ۔

یہ جائز ہے کہ ہمارے سامنے اونچے پہاڑ موجود ہوں اور بلند آوازیں آتی ہوں اور ہمکو دکھائی اور سنائی نہ دیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اندھا مشرق میں بیٹھا ہوا مغرب کے ایک مچھر کو دیکھ لے

مختصر یہ ہے کہ امام اشعری طبیعت اور قویٰ کے تمام تاثیرات کے منکر ہیں

(مطالب عالیہ امام رازی بحث پر شبہات نبوت۔)

(۷) اما اہل السنۃ فقد جوزوا ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الہواء و یقلب الانسان حماراً و الحمار انساناً

اہل سنت کے نزدیک جادوگر اس بات پر قادر ہے کہ ہوا میں اُڑے اور آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنا دے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(تفسیر کبیر قصہ ہاروت ماروت)

معدوم کا اعادہ جائز ہے

یہ تمام مسائل اُصول عقائد میں شامل ہوگئے تھے اور اُنسے انکار کرنا گویا سُنی ہونیسے انکار کرنا تھا۔

امام صاحب نے ابتدائی عمر میں اسی علم کلام کی تعلیم پائی اور خود انہی اُصول کے موافق کتابیں لکھیں جب بغداد پہنچکر خیالات بدلے تو علم کلام کی نسبت انکی یہ رائے ہوگئی۔

قدیم علم کلام کی نسبت امام صاحب کی رائے

واما منفعتہ فقد یظن ان فائدتہ کشف الحقائق ومعرفتها علی ما هی علیہ فهیهات فلیس فی الکلام وفاء بهذا المطلب الشریف ولعل التخبیط والتضلیل فیہ اکثر من الکشف والتعریف وهذا اذا سمعتہ من محدث او حشوی ربما خطر ببالک ان الناس اعداء ما جهلوا فاسمع هذا ممن خبر الکلام ثم قلاہ بعد حقیقة الخبرة وبعد التغلغل فیہ الی منتهی درجة المتکلمین وجاوز ذلک الی التعمق فی علوم اخر تناسب نوع الکلام۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے (علم کلام) سے حقائق کھُل جاتے ہیں اور انکا ہُو بہُو علم ہوجاتا ہے لیکن افسوس! علم کلام اس عمدہ مقصد کیلیے کافی نہیں بلکہ کشف حقائق کی بہ نسبت اس سے خبط اور گمراہی زیادہ بڑھتی ہے۔ اور یہ بات اگر کوئی محدث یا ظاہر پرست کہتا تو تم کو خیال ہوتا کہ آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اُس کا دشمن ہوجاتا ہے لیکن یہ بات وہ شخص کہتا ہے (یعنی خود امام صاحب) جس نے علم کلام کو اس حد تک حاصل کیا کہ متکلمین اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے بلکہ علم کلام میں کمال حاصل کرنیکی غرض سے اور علوم جو اس فن سے مناسبت رکھتے تھے اُنسے واقفیت پیدا کی یہ سب کرکے وہ علم کلام سے بیزار ہو گیا

(احیاء العلوم ۔ ذکر علوم)

الجام العوام میں یقین کے مراتب کے بیان میں لکھتے ہیں۔

الثانیة ان یحصل بالادلة الوهمیة الکلامیة المبنیة علی امور مسلمة مصدق بها لاشتهارها بین اکابر العلماء وشناعة انکارها ونفرة النفوس عن ابداء فیها۔

دوسرا درجہ یقین کا ہے کہ علم کلام دلیلوںسے حاصل ہوتو یہی ہوتی ہیں اور ایسے اُمور پر مبنی ہوتی ہیں جو اسوجہ سے مسلم و مصدق ہیں کہ علماء میں مشہور ہوچکی ہیں اور انکا انکار کرنا بُرا خیال کیا جاتا ہے اور اگر کوئی ان دلائل میں بحث کرے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

امام صاحب نے علم کلام میں کیا اصلاحیں کیں۔

اب امام صاحب نے علم کلام کو نئے سرے سے مرتب کرنا چاہا تو اس میں دو قسم کے مسائل شامل تھے ایک وہ جو نصوص شرعیہ پر مبنی تھے دوسرے جنکو متکلمین نے لوازم بعیدہ کے لحاظ سے نصوص شرعیہ پر مبنی سمجھا تھا لیکن درحقیقت وہ اُنپر مبنی نہ تھے علم کلام میں جو دشواریاں اور زحمتیں تھیں وہ اسی دوسری قسم کے مسائل کیوجہ سے تھیں۔ کیونکہ یہ مسائل زیادہ تر بداہت اور عقل کے خلاف تھے اور اسوجہ سے اُنکے اثبات میں دور از کار دلیلوں سے کام لینا پڑتا تھا۔

امام صاحب نے پہلا یہ کام کیا کہ اس قسم کے مسائل علم کلام سے خارج کردیے بلکہ بہت سے مسائل کی نسبت تصریح کی کہ وہ غلط اور باطل ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

احیار العلوم میں عقائد کا حصہ قدیم مذاق پر لکھا ہے تاہم اس میں بھی ضمنی موقعوں پر اس قسم کے بہت سے مسائل کی غلطیاں ظاہر کین مثلاً یہ مسئلہ کہ سلسلۂ اسباب باطل ہے اور خاصہ و طبیعت کوئی چیز نہیں، متکلمین کا مسئلہ مسلمہ تھا۔ امام صاحب نے مختلف موقعوں پر اسکا ابطال کیا۔ احیار العلوم باب التوکل میں ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

سنته ربط المسببات بالاسباب اظهار الحكمة فالمسبب يتلو السبب لا محالة مهما تمت شروط السبب وذلك مثل الاسباب التى انتصبت للمسببات بتقدير الله ومشيئته اطرادا لا تختلف فانك ان انتظرت ان يخلق الله تعالى فيك شبعا دون الخبز او يخلق فى الخبز حركة اليك او يسخر لك ملكا ليمضغه لك ويوصله الى معدتك فقد جهلت سنة الله تعالى۔

طریقہ جاری رکھا ہے کہ مسببات کو اسباب کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے سبب ضرور سبب کے متعاقب وجود میں آئیگا بشرطیکہ سبب کے تمام شرائط پائے جائین یہ اس قسم کے اسباب ہین جنسے مسببات کا وجود وابستہ ہے جو کبھی ان سے الگ نہین ہوتا اور یہ بھی خدا کی تقدیر اور مشیت کیوجہ سے اگر تم اسباب کا انتظار کروگے کہ خدا تعالیٰ روٹی کے بغیر تمہاری بھوک کو دفع کر دے یا روٹی مین حرکت پیدا کر دے کہ خود بخود تم تک چلی آئے یا ایک فرشتہ مقرر کر دے کہ روٹی کو منہ مین چبا کر تمہارے معدہ تک پہنچا دے تو تم خدا کے طریقہ اور عادت سے جاہل ہو۔

یا مثلاً یہ مسئلہ کہ اشیار کا حسن و قبح عقلی نہیں، اگر یہ صحیح ہو تو کسی شریعت کو دوسری شریعت پر ترجیح کی کوئی وجہ نہیں رہتی کیونکہ جب کوئی شے فی نفسہ اچھی یا بُری نہیں تو کسی شریعت کی خوبی اور نقص کا معیار کیا ہوگا جس شریعت نے جو حکم چاہا دیا جو نہ چاہا نہ دیا۔ امام صاحب نے گو صاف طور سے اس مسئلے کی مخالفت نہیں کی لیکن درحقیقت انکی کتاب احیار العلوم سرتاپا اسی مسئلہ کے ابطال میں ہے اس کتاب میں شریعت کے تمام احکام کے مصالح، اسرار، اور وجوہ بیان کئے ہین جسکے یہ معنی ہین کہ شریعت نے جن چیزوں کا حکم دیا اسی وجہ سے دیا کہ وہ واقع مین بہتر اور عمدہ تھیں یا مسئلہ یہ مسئلہ کہ عالم جو پیدا کیا گیا ہے اسمین کوئی خاص مصلحت یا نظام اور ترتیب ملحوظ نہیں ہے بلکہ خدا نے جس طرح چاہا پیدا کر دیا، امام صاحب نے اسکی علانیہ مخالفت کی احیار العلوم باب توکل حقیقت توحید میں لکھتے ہین۔

فكل ما بين السماء والارض حادث على ترتيب واجب وحق لازم لا يتصور ان يكون الا كما حدث على هذا الترتيب الذى وجد فما تأخر متأخر الا لانتظار شرطه والمشروط قبل الشرط محال والمحال لا يوصف بكونه مقدورا۔

جو کچھ آسمان و زمین مین ہے وہ ضروری ترتیب اور لازمی حق کے موافق پیدا ہوا ہے جس طرح وہ پیدا ہوا اور جس ترتیب پر پیدا ہوا اسکے خلاف اور کچھ ہو ہی نہین سکتا تھا جو چیز کسی چیز کے بعد پیدا ہوئی اسیوجہ سے ہوئی کہ اسکا پیدا ہونا اسکی شرط پر موقوف تھا اور مشروط کا وجود بغیر شرط کے محال تھا اور محال کی نسبت یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ مقدر الٰہی تھا۔

اسی بحث کے خاتمہ میں لکھتے ہین۔

وليس فى الامكان اصلا احسن منه ولا اتم ولا اكمل ولو كان وادخره مع القدرة ولم يتفضل بفعله

جو کچھ دنیا مین ہے اس سے بہتر یا اس سے کامل تر ممکن ہی نہ تھا اور اگر ممکن تھا اور باوجود اسکے خدا نے اسکو رکھ چھوڑا اور اسکو پیدا کرکے اپنی عنایت کا اظہار

ف علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہین من المتکلمین ادعی ان اللہ لم یخلق شیئا بسبب ولا حکمۃ اس عبارت میں متکلمین کے لفظ سے اشاعرہ مقصود ہین۔۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لکان بخلا ناقص الجود و ظلما ناقص العدل ولو لم یکن قادرا لکان عجزا وذا نقص الالھیة ۔

نہیں کیا تو یہ بخل ہے جو خلاف کرم ہے اور ظلم ہے جو خلاف عدل ہے اور اگر باوجود ممکن ہونے کے خدا اسپر قادر نہیں تو اس سے خدا کا عجز لازم آتا ہے جو اسکی شان الوہیت کے خلاف ہے

ایک اور بڑی غلطی یہ تھی کہ نصوص شرعیہ میں جہان مجازات اور استعارات تھے متکلمین ہر جگہ انکے حقیقی معنی لیتے تھے اور اسوجہ سے انکو عجیب عجیب دعوؤں کا مدعی بننا پڑتا تھا مثلاً روایت میں ہے کہ قیامت میں بعض لوگونکی نمازین اندھی لولی لنگڑی بنکر آئیں گی“ اگرچہ یہ صرف نماز کے نقصان کی ایک تعبیر تھی۔ لیکن متکلمین اسکو حقیقی معنی پر محمول کرتے تھے اور اسکی وجہ سے انکو یہ دعوی کرنا پڑتا تھا کہ اعراض بھی بذات خود قایم ہوسکتی ہیں متکلمین کی ظاہر پرستی کیوجہ یہ تھی کہ انکے مقابلہ مین باطنیہ ایک فرقہ موجود تھا جو تمام نصوص شریعت کی تاویل کرتا تھا یہانتک کہ نماز روزہ حج زکواۃ سے یہ لوگ اور چیزین مراد لیتے تھے انکی لغو تاویلات کیوجہ سے متکلمین کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ اس جگہ بھی استعارہ اور مجاز کو اجازت دیگئی تو باطنیہ کو اپنی تاویلات کی سند ہاتھ آجاویگی۔ امام صاحب نے سب سے بڑا یہ کام کیا کہ نصوص شرعیہ کی تاویل و تفسیر کیلئے اُصول اور قاعدے منضبط کئے اور خاص اس بحث پر ایک مستقل رسالہ لکھا جسکا نام التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ہے۔ چونکہ یہ رسالہ نہایت مفید اور علم کلام کے سلسلے مین نہایت مہتم بالشان چیز ہے، اسلئے ہم اسکا خلاصہ اس مقام پر درج کرتے ہین۔

تفرقہ بین الاسلام والزندقہ کا خلاصہ

التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

یہ اُس عہد کی تصنیف ہے کہ امام صاحب اشعری کی تقلید سے آزاد ہو چکے ہین اور احیاء العلوم اشاعت پا چکی ہے اور چونکہ اس کتاب میں بعض بعض جگہ اشعریوں کے مخالف خیالات پائے جاتے ہین، اشاعرہ میں نہایت ناراضی پھیلی ہوئی ہے اور امام صاحب کی تضلیل اور تکفیر کی صدائین بلند ہو رہی ہین یہ حالات دیکھکر امام صاحب کے ایک مخلص دوست کا دل جلتا ہے اور وہ امام صاحب کو تمام واقعات کی اطلاع دیتا ہے امام صاحب اُسکو جواب میں لکھتے ہین یہی جواب التفرقہ بین الاسلام والزندقہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہین۔

برادر شفیق۔ احاسدین کا گروہ جو میری بعض تصنیفات (متعلق باسرار دین) پر نکتہ چینی کر رہا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ تصنیفات قدمائے اسلام اور مشایخ اہل کلام کے خلاف ہین اور یہ کہ اشعری کے عقیدے سے بال برابر بھی ہٹنا کفر ہے اسپر جو تم کو صدمہ ہوتا ہے اور تمہارا دل جلتا ہے میں اس سے واقف ہوں لیکن عزیز من تمکو صبر کرنا چاہئے جب رسول اللہ صلعم مطاعن سے نہ بچ سکے تو میری کیا ہستی ہے جس شخص کا یہ خیال ہے کہ اشاعرہ یا معتزلہ، یا حنبلیہ یا اور دیگر فرقوں کی مخالفت کفر ہے تو سمجھ لو کہ وہ اندھا مقلد ہے اسکی اصلاح کی کوشش میں اپنی اوقات نہ ضایع کرو“ جو شخص اشعری کی مخالفت کو کفر خیال کرتا ہے اور اس بنا پر علامہ باقلانی کو کافر کہتا ہو اس سے پوچھنا چاہئے کہ اشعری اور باقلانی اگر باہم مخالف ہین تو باقلانی کے کفر کو اشعری کے کفر پر کیوں ترجیح ہے اسکا برعکس کیوں نہو اور اگر باقلانی کی مخالفت جائز ہے تو کرابیسی اور قلانسی کی مخالفت کیوں نہیں جائز ہے۔ اگر وہ شخص یہ کہے کہ معتزلہ کا عقیدہ عقل میں نہیں آسکتا کہ خدا کی ذات ہی تمام صفات کے بجائے کافی ہو تو اس سے پوچھنا چاہئے کہ اشعری کا یہ عقیدہ کیونکر قیاس میں آسکتا ہے کہ کلام الٰہی میں کثرت نہیں اور پھر وہ امر بھی ہے اور نہی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

لہ خلاصہ مطلب لکھا گیا ہے لیکن اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کیا گیا ہے ۱۲

بھی۔ خبر بھی ہے اور استخبار بھی۔ قرآن بھی ہے اور انجیل بھی توراۃ بھی ہے اور زبور بھی۔ اگر تم انصاف کرو تو معلوم ہو گا کہ جو شخص حق کو کسی شخص خاص میں محدود سمجھتا ہے وہ خود کفر کے قریب ہے کیونکہ اُسنے اس شخص کو رسول اللہ کی طرح معصوم قرار دیا۔ غالباً تم کو کفر کے معیار جاننے کی خواہش ہوگی تو میں ایک قاعدہ کلیہ بتاتا ہوں۔ کفر کے معنی صرف یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کیجائے اُس چیز میں جو انہیں خدا کی طرف سے آئی۔ لیکن اس میں یہ دشواری پیش آئیگی کہ مسلمانوں میں سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی نسبت یہی الزام لگاتا ہے، اشعری معتزلہ کو اسلئے کافر کہتے ہیں کہ معتزلہ احادیث رویت کو تسلیم نہیں کرتے اور اسطرح رسول اللہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ معتزلہ اسلئے اشعری کی تکفیر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک صفات کی کثرت کا قائل ہونا توحید باری کے خلاف ہے اور رسول اللہ کی تکذیب ہے۔ اس شکل کے حل کرنیکے لئے میں تم کو تصدیق و تکذیب کی حقیقت بتاتا ہوں۔

تصدیق کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے اسکے وجود کو تسلیم کیا جائے لیکن وجود کے پانچ مدارج ہیں اور انہی مدارج سے واقف ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تکذیب کرتا ہے۔

اس لئے میں ان مراتب خمسہ کی تفصیل کرتا ہوں۔

وجود کے مراتب خمسہ

۱۔ وجود ذاتی ۔ یعنی وجود خارجی

۲۔ وجود حسی ۔ یعنی صرف حاسہ میں موجود ہونا مثلاً خواب میں ہم جن اشیاء کو دیکھتے ہیں انکا وجود صرف حاسہ میں ہوتا ہے، یا جس طرح بیماروں کو جاگنے کی حالت میں خیالی صورتیں نظر آتی ہیں یا شعلہ جوالہ کا دائرہ جو درحقیقت دائرہ نہیں ہمکو دائرہ نظر آتا ہے۔

۳۔ وجود خیالی ۔ مثلاً زید کو ہم نے دیکھا پھر آنکھیں بند کرلیں تو زید کی صورت جو ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے یہ وجود خیالی ہے۔

۴۔ وجود عقلی ۔ یعنی کسی شے کی اصلی حقیقت مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہماری قدرت اور اختیار میں ہے تو قدرت اور اختیار ہاتھ کا وجود عقلی ہے۔

۵۔ وجود شبہی ۔ یعنی وہ شے خود موجود نہیں لیکن اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے ان اقسام کے بیان کرنیکے بعد امام صاحب نے ہر ایک کی متعدد مثالیں لکھی ہیں مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں موت مینڈھے کی شکل میں لائی جاویگی اور ذبح کردی جائیگی" اسکو وجود حسی قرار دیا ہے یا مثلاً حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں یونس کو دیکھ رہا ہوں الخ اسکو وجود خیالی کی مثال میں پیش کیا ہے۔ تفصیلی مثالوں کے بیان کرنیکے بعد لکھتے ہیں کہ شریعت میں جن چیزوں کا ذکر آیا ہے ان کے وجود کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے لیکن اگر اقسام مذکورہ بالا سے کسی قسم کے مطابق اسکا وجود تسلیم کیا جائے تو یہ کفر نہیں ہے کیونکہ یہ تاویل ہے اور تاویل سے کسی فرقہ کو مفر نہیں سب سے زیادہ امام احمد حنبل تاویل سے بچتے ہیں لیکن مفصلہ حدیثوں میں انکو بھی تاویل کرنی پڑی۔

"حجر اسود خدا کا ہاتھ ہے"، "مسلمان کا دل خدا کی انگلیوں میں ہے"۔ "مجکو یمن سے خدا کی خوشبو آتی ہے"۔

پھر لکھتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے کہ اعمال تولے جائینگے، چونکہ اعمال عرض ہیں اور وہ تولے نہیں جاسکتے اس لئے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تاویل کے متعلق امام صاحب کی رائے

سب کو تاویل کرنی پڑی۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ نامۂ اعمال کے کاغذ تولے جائیں گے۔ معتزلہ کہتے ہیں تولنے سے انکشاف حقیقت مراد ہے بہر حال تاویل دونوں کو کرنی پڑی۔ باقی جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ نفس اعمال جو عرض ہیں وہی تولے جائیں گے اور انہی میں وزن پیدا ہو جائیگا۔ وہ سخت جاہل اور عقل سے بالکل معرا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب تاویل کے اُصول بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جن اشیاء کا ذکر شریعت میں ہے اول اُسکا وجود ذاتی ماننا چاہیئے۔ اگر کوئی دلیل قطعی موجود ہو کہ وجود ذاتی مراد نہیں ہو سکتا تو وجود حسی پھر خیالی، پھر عقلی، پھر شبہی، اب بحث یہ رہجاتی ہے کہ ایک کے نزدیک جو دلیل قطعی ہے دوسرے کے نزدیک نہیں، مثلاً اشعری کے نزدیک اثبات پر دلیل قطعی قایم ہے کہ خدا کسی جہت کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا لیکن حنبلیہ کے نزدیک اسپر کوئی دلیل نہیں، ایسی تاویلات کی صورت میں کسیکو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ گمراہ اور بدعتی کہا جا سکتا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ جب تاویل کی بنا پر ہم کسیکو کافر کہنا چاہیں تو پہلے ان اُمور کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ نص قابل تاویل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو یہ تاویل قریب ہے یا بعید وہ نص متواتر ثابت ہے یا بہ احاد یا بہ اجماع اُمت اگر متواتر ہے تو تمام تواتر کے شرائط پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ تواتر کی تعریف یہ ہے کہ اسمیں کسی طرح شک نہ ہو سکے مثلاً انبیاء اور مشہور شہروں کا وجود یا قرآن، یہ چیزیں متواتر ہیں لیکن قرآن کے سوا اور چیزوں کا تواتر ثابت ہونا نہایت غامض ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کثیر ایک امر پر متفق ہو جائے اور اسکو متواتر بیان کرے جسطرح شیعہ حضرت علیؓ کی ولایت کی حدیث بیان کرتے ہیں اجماع کا ثابت ہونا اور بھی مشکل ہے کیونکہ اجماع کے یہ معنی ہیں کہ تمام اہل حل و عقد ایک امر پر متفق ہو جائیں اور پھر ایک مدت تک اور بعضوں کے تا انقراض عصر اول اس اتفاق پر وہ لوگ قائم رہیں۔ اسپر بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ایسے اجماع کا منکر بھی کافر ہے یا نہیں کیونکہ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جب اجماع کے منعقد ہونیکے وقت ایک شخص کا اختلاف کرنا جائز تھا تو اب کیوں جائز نہو۔

پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ گو تواتر یا اجماع ہو چکا لیکن تاویل کرنے والیکو بھی اس اجماع یا تواتر کا یقینی علم تھا یا نہیں اگر نہیں ہے تو وہ مخطی ہوگا مکذب نہوگا۔ پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس دلیل کیوجہ سے وہ شخص تاویل کرتا ہے وہ شرائط برہان کے موافق دلیلی ہے یا نہیں۔ شرائط برہان کی تفصیل کیلیئے مجلدات درکار ہیں اور ہمنے محک النظر میں تھوڑا سا بیان کیا ہے لیکن فقہاء زمانہ اکثر اسکے سمجھنے سے عاجز ہیں اب اگر وہ دلیل قطعی ہے تو تاویل کی اجازت ہے اور اگر قطعی نہیں تو تاویل قریب کی اجازت ہو سکتی ہے نہ بعید کی پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ مسئلہ زیر بحث کوئی اُصول دین کا مسئلہ ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اسپر چنداں گیر و دار نہیں مثلاً شیعہ امام مہدیؑ کا سرداب میں مخفی ہونا مانتے ہیں۔ یہ ایک وہم پرستی ہے لیکن اس اعتقاد سے دین میں کوئی خلل نہیں آتا۔

اب جب تم کو یہ معلوم ہوا کہ تکفیر کیلیئے تمام مراتب مذکورۂ بالا کا لحاظ ضرور ہے تو تم سمجھے ہوگے اشعری کی مخالفت پر کسیکو کافر کہنا جہل ہے اور فقیہہ صرف علم فقہ کی بنا پر مہمات مذکورۂ بالا کا کیونکر فیصلہ کر سکتا ہے لہذا جب تم دیکھو کہ کوئی فقیہہ آدمی جس کا سرمایۂ علم صرف فقہ ہے کسیکی تکفیر یا تضلیل کرتا ہے تو اسکی کچھ پرواہ نہ کرو۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ جو چیز اصول عقائد سے تعلق نہیں رکھتی اسمیں تاویل کرنے پر تکفیر نہیں کرنی چاہیے مثلاً بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے آفتاب و ماہتاب کو خدا نہیں کہا تھا۔ کیونکہ اجسام کو خدا کہنا ان کی شان سے بعید ہے بلکہ اُنھوں نے جواہر فلکیہ نورانیہ دیکھے تھے اور اُنکو خدا سمجھا تھا۔ تو ایسی تاویل پر تکفیر اور تبدیع نہیں کرنی چاہیے۔

یہ تمام بحث تو ان مسائل کی نسبت تھی جو غلطی سے علم کلام میں مستزاد کر دیئے گئے تھے لیکن جو مسائل اصلی تھے اُن کی نسبت یہ مرحلہ باقی تھا کہ ان کے اثبات کا طریقہ اور طرز استدلال کہانتک صحیح ہے متکلمین جس طریقے سے انکو ثابت کرتے تھے نہ وہ نقلی تھے نہ اُصول عقلیہ کی معیار پر ٹھیک اُترتے تھے بہت بڑی دلیل جو اکثر عقائد کے اثبات کیلئے کام میں لائی جاتی تھی۔ تماثل اجسام کا مسئلہ تھا یعنی یہ کہ تمام اجسام کی ایک حقیقت اور ایک ماہیت ہے۔ شرح مقاصد میں اسکی نسبت لکھا ہے۔ قدیم علم کلام کا استدلال

وھذا اصل تبتنی علیہ کثیر من قواعد الاسلام کاثبات القادر المختار وکثیر من احوال النبوۃ والمعاد

یہ وہ اصل ہے جس پر اسلام کے بہت سے اُصول مبنی ہیں مثلاً قادر مختار کا وجود اور نبوت و معاد کے بہت سے حالات۔

تماثل اجسام کا ثابت ہونا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہو اسلئے اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اکثر عقائد اسلامی کا اثبات اسی مسئلے کے ثابت کرنے پر موقوف ہے تو خود ان عقائد کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔

ان وجوہ سے امام صاحب نے متکلمین کے استدلال و احتجاج کے طریقے کو چھوڑ کر تمام مسائل پر نئی دلیلیں قائم کیں انہیں سے بعض ایسی تھیں جنکو حکما استعمال کرتے تھے۔ لیکن امام صاحب کا یہ مشرب تھا کہ ع متاع خوش ز ہر دکاں کہ باشد۔

اب ہم مختصر طور پر امام صاحب کے خاص علم کلام کے تمام مسائل مع اُن کے دلائل کے لکھتے ہیں۔

امام صاحب کا خاص علم کلام۔ (الٰہیات)

خدا کے اثبات پر امام صاحب نے کوئی نئی دلیل نہیں قایم کی ان کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت واضح اور صاف ہے۔ متکلمین جو استدلال کرتے آتے تھے کہ عالم حادث ہے اور حادث خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا اسلئے اس کی کچھ علت ہو گی اور وہی خدا ہے۔ امام صاحب اسی استدلال کو کافی سمجھتے ہیں۔ امام صاحب کا مرتب کردہ علم کلام

صفات باری تنزیہ و تشبیہ

اس بحث کے متعلق جو نزاعیں تھیں اگرچہ درحقیقت لفظی تھیں یعنے جو لوگ تشبیہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے مثلاً خدا عرش پر ہے۔ آسمان پر اُتر کر آتا ہے۔ وہ بھی حقیقت میں تنزیہ کے قائل تھے۔ تاہم دونوں فرقے ایک دوسرے کے ہم زبان نہ ہوتے تھے اور اختلاف کا پردہ درمیان سے نہ اُٹھتا تھا امام صاحب نے اس بحث پر ایک مستقل رسالہ الجام العوام کے نام سے لکھا جس نے بہت کچھ اس اختلاف کو کم کر دیا اور قریباً دونوں ڈانڈے ملا دیئے۔ اس کے بعض نکتے یہاں درج کرنے کے قابل ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تنزیہ کے متعلق بڑی کھٹک یہ تھی کہ اگر اسلام کا مقصد محض تنزیہ اور تجرید تھا، تو قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے تشبیہ کے الفاظ کیوں آئے، قیامت کے دن خدا فرشتوں کے جھرمٹ میں آئیگا آٹھ فرشتے اس کا تخت اُٹھائے ہونگے، دوزخ کی تسکین کے لئے خدا اپنی ران دوزخ میں ڈال دیگا۔ اس قسم کی بیسیوں باتین ہیں جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں وارد ہین جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ انسان اپنے خیال کے پیمانے کیموافق خدا کی ذات و صفات ٹھہرائے ہین۔

امام صاحب نے اس عقدے کو اس طرح حل کیا کہ بے شبہہ قرآن و حدیث میں اس قسم کے الفاظ موجود ہین لیکن یکجا نہیں ہین بلکہ جستہ جستہ متفرق مقامات پر ہین، اور چونکہ تنزیہ کے مسئلے کو شارع نے نہایت کثرت سے بار بار بیان کر کے دلوں میں جانشین کر دیا تھا اس لئے تشبیہ کے الفاظ سے حقیقی تشبیہ کا خیال نہین پیدا ہو سکتا تھا۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ کعبہ خدا کا گھر ہے اس سے کسی شخص کو یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ خدا در حقیقت کعبہ میں سکونت رکھتا ہے اسیطرح قرآن کی آیتوں سے بھی جنہین عرش کو خدا کا مستقر کہا ہے خدا کے استقرار علی العرش کا خیال نہین آسکتا، کسی کو آئے تو اسکی یہ وجہ ہو گی کہ اُس نے تنزیہ کی آیتون کو نظر انداز کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو جب استعمال فرماتے تھے تو انہی لوگوں کے سامنے فرماتے تھے جنکے ذہنوں میں تنزیہ و تقدیس خوب جاگزین ہو چکی تھی۔

اس جواب پر یہ شبہہ پیدا ہوتا تھا کہ شارع نے صاف صاف کیوں نہیں کہدیا کہ خدا نہ متصل ہے نہ منفصل نہ جوہر ہے نہ عرض نہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر اس قسم کی تصریحات موجود ہوتین تو کسی سرے سے تشبیہ کا خیال ہی نہ آسکتا۔ امام صاحب نے اس تشبیہ کو یوں رفع کیا کہ اس قسم کی تقدیس عام لوگوں کے خیال مین نہین آسکتی تھی۔ عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کی نسبت یہ کہنا کہ نہ وہ عالم مین ہے نہ عالم سے باہر۔ گویا یہ کہنا ہے کہ وہ شے سرے سے موجود ہی نہین۔ بے شبہہ خواص کے ذہن میں یہ تقدیس آسکتی ہے لیکن شارع کو تمام عالم کی اصلاح مقصود تھی جن مین بڑا حصہ عوام ہی کا تھا۔

لطیفہ علامہ ابن تیمیہ نے بظاہر تشبیہ کے قائل تھے لوگوں نے اُنسے کہا کہ اس عقیدے کی رو سے خدا کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے کیونکہ خدا واجب الوجود ہے، اُنہوں نے کہا میرے عقیدے کے موافق خدا موجود تو ہو گا گو ممکن الوجود سہی تمہارے اعتقاد کے موافق تو وہ ممکن بھی نہیں رہتا بلکہ ناممکن اور محال بنجاتا ہے کیونکہ ایسی شے جو ہر جگہ ہو اور کہین نہو، عالم سے خارج بھی نہو اور عالم میں بھی نہو نہ متصل ہو نہ منفصل نہ ذو مکان ہو نہ ذو جہتہ سرے سے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ ارتفاع النقیضین ہے اور ارتفاع النقیضین محال ہے حقیقت یہ ہے کہ دنیا مین اور جسقدر مذاہب ہین، سب میں خدا کو بالکل انسانی اوصاف کیساتھ مانا گیا ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

توراة میں یہانتک ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک رات ایک پہلوان سے کشتی لڑے اور اسکو زیر کیا، چنا
پہلوان کی ران کو صدمہ بھی پہنچا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا، اسلام چونکہ دنیا کے تمام مذاہب
سے اعلیٰ و اکمل ہے اس کا خدا انسانی اوصاف سے بالکل بری ہے قرآن مجید میں ہے
جہان کہین اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہین وہ حقیقت مین مجازات اور استعارہ ہین۔

نبوت

نبوت کے متعلق امام صاحب نے منقذ من الضلال میں نہایت مفصل بحث کی ہے اور عام متکلمین سے جدا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

انسان[1] اصل خلقت کے لحاظ سے جاہل محض پیدا ہوا ہے، پیدا ہونیکے وقت وہ اقسام موجودات مین سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا سب سے پہلے اسمین لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، یبوست۔ نرمی سختی اس حاسہ کو مرئیات اور مسموعات سے کوئی تعلق نہین جو شے محض سننے سے معلوم ہوسکتی ہے اسکے حق مین یہ حاسہ بالکل معدوم ہے، لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کرسکتا ہے۔ پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی۔ یہانتک کہ محسوسات کی حد ختم ہوجاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب اسکو تمیز کی قوت حاصل ہوتی ہے اور ان چیزون کا خیال کرسکتا ہے جو حواس کی دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہے اس سے آگے بڑھکر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے ممکن محال، جائز و ناجائز کا ادراک ہوتا ہے۔ اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جسطرح تمیز و عقل کے مدرکات کیلیے حواس بالکل بیکار ہین اسیطرح اس درجہ کے مدرکات کیلیے عقل محض بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے بعض لوگ اس درجہ کے منکر ہین لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہوسکتا ہے جسطرح وہ شخص عقلی چیزون کا انکار کرتا ہے جسکو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے لحاظ سے اصطلاحی طور پر نبوت کی تعریف کرنا چاہین تو یون کرینگے کہ نبوت وہ قوت اور ملکہ ہے جس سے ان اشیاء کا ادراک ہوسکتا ہے جن کا ادراک حواس سے تمیز سے عقل سے نہین ہوسکتا۔ امام صاحب منقذ من الضلال[2] مین لکھتے ہین۔

بل الایمان بالنبوة ان یقر باثبات طور وراء العقل تنفتح فیه عین یدرک بها مدرکات خاصة والعقل معزول عنها کعزل السمع عن ادراک الالوان الخ

نبوت کے تسلیم کرنیکے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جسمین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ خاص چیزین معلوم ہوتی ہین جنسے عقل بالکل محروم ہے جسطرح قوت سامعہ رنگون کے ادراک سے بالکل معذور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت کا حقیقی اذعان اُس شخص کو ہوسکتا ہے جسکو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہو یا ان لوگون کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضیات یا مجاہدات سے مکاشفہ اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کیا ہو امام غزالی منقذ من الضلال میں اپنی حالت کا ذکر کرکے لکھتے ہین۔

[1] ماخوذ از منقذ من الضلال [2] صفحہ ۱۳ مطبوعہ مصر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وبالجملة فمن لم یرزق منه شیئا بالذوق فلیس یدارک من حقیقة النبوة الا الاسم

مختصر یہ ہے کہ جسے تصوف کا کچھ مزہ نہیں چکھا ہے وہ نبوت کی حقیقت کچھ نہیں جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جان لے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وھما بان لی بالضرورة من ممارسة طریقھم حقیقة النبوة وخاصیتھا۔

صوفیوں کے طریقے کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اس کا خاصہ بدیہی طور پر معلوم ہوگیا۔

یورپ میں آجکل مادہ پرستی کا وہ زور ہے کہ مادے کے سوا انکو نظر نہیں آتا۔ تاہم انہی لوگوں میں سے بعض بڑے بڑے فلاسفر اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حواس اور عقل کے سوا ایک اور بھی قوت ہے جس سے اشیا کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ نبوت کے اعتراف کا پہلا زینہ ہے۔

نبوت کی حقیقت اگرچہ صرف ذوقی طریقے سے صحیح طور سے سمجھ میں آسکتی ہے لیکن چونکہ منکر کیلئے صرف ذوق کا حوالہ کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ امام صاحب نے ایک اور طریقے سے نبوت کی صحت پر استدلال کیا جسکی تفصیل ذیل میں ہے۔

اس قدر ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئی ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کس قدر مختلف المراتب ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا شخص اس سے زیادہ ذہین ہے تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین ہے بڑھتے بڑھتے یہانتک نوبت پہنچی ہی کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں۔

جو لوگ شاعری میں قوت تقریر میں۔ صناعی میں۔ ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص کو کتنی ہی محنت وکوشش کریں ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔

انہی قویٰ میں حقائق اشیاء کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر انکو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے انکو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا۔ لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔

امام صاحب نے یہ مضمون احیاء العلوم کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے بیان تفاوت الناس فی العقل چنانچہ اس کے بعض فقرے یہ ہیں۔

وکیف ینکر تفاوت الغریزة ولولاہ لما اختلف الناس فی فہم العلوم ولما انقسموا الی بلید لا یفھم

عقل فطری کے کم و بیش ہونیکا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے عقلوں میں اگر اختلاف مراتب نہوتا تو تمام لوگ علوم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

توراۃ میں یہانتک ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک رات ایک پہلوان سے کشتی لڑے اور اسکو زیر کیا، چنانچہ پہلوان کی ران کو صدمہ بھی پہنچا صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا، اسلام چونکہ دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ و اکمل ہے اس کا خدا انسانی اوصاف سے بالکل بری ہے قرآن مجید میں ہے جہاں کہیں اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں وہ حقیقت میں مجازات اور استعارہ ہیں۔

نبوت

نبوت کے متعلق امام صاحب نے منقذ من الضلال میں نہایت مفصل بحث کی ہے اور عام متکلمین سے جدا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔[1]

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے جاہل محض پیدا ہوا ہے، پیدا ہونیکے وقت وہ اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا سب سے پہلے اسمیں لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، یبوست۔ نرمی سختی اس حاسہ کو مرئیات اور مسموعات سے کوئی تعلق نہیں جو شے محض سننے سے معلوم ہوسکتی ہے اس کے حق میں یہ حاسہ بالکل معدوم ہے، لمس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کرسکتا ہے۔ پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی۔ یہانتک کہ محسوسات کی حد ختم ہوجاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب اُسکو تمیز کی قوت حاصل ہوتی ہے اور ان چیزوں کا خیال کرسکتا ہے جو حواس کی دسترس سے باہر ہیں یہ دور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے اس سے آگے بڑھکر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے ممکن محال۔ جائز و ناجائز کا ادراک ہوتا ہے۔ اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جسطرح تمیز و عقل کے مدرکات کیلئے حواس بالکل بیکار ہیں اسیطرح اس درجہ کے مدرکات کیلئے عقل محض بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے بعض لوگ اس درجہ کے منکر ہیں لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہوسکتا ہے جسطرح وہ شخص عقلی چیزوں کا انکار کرتا ہے جسکو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے لحاظ سے اصطلاحی طور پر نبوت کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ نبوت وہ قوت اور ملکہ ہے جس سے اُن اشیاء کا ادراک ہوسکتا ہے جن کا ادراک حواس سے تمیز سے عقل سے نہیں ہوسکتا۔ امام صاحب منقذ من الضلال[2] میں لکھتے ہیں۔

بل الایمان بالنبوۃ ان یقر باثبات طور وراء العقل تنفتح فیہ عین یدرک بہا مدرکات خاصۃ والعقل معزول عنہا کعزل السمع عن ادراک الالوان الخ

نبوت کے تسلیم کرنیکے یہ معنی ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جسمیں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ خاص چیزیں معلوم ہوتی ہیں جنسے عقل بالکل محروم ہے جسطرح قوت سامعہ رنگوں کے ادراک سے بالکل معذور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت کا حقیقی اذعان اُس شخص کو ہوسکتا ہے جسکو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہو یا اُنلوگوں کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہیں یا جنہوں نے ریاضیات یا مجاہدات سے مکاشفہ اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کیا ہو امام غزالی منقذ من الضلال میں اپنی حالت کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔

[1] ماخوذ از منقذ من الضلال ... صفحہ ... مطبوعہ مصر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وبالجملة فمن لم یرزق منه شیئا بالذوق فلیس یدرک من حقیقة النبوة الا الاسم

مختصر یہ ہے کہ جسے تصوف کا کچھ مزہ نہیں چکھا ہے وہ نبوت کی حقیقت کچھ نہیں جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جان لے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وھما بان لی بالضرورۃ من ممارسۃ طریقتھم حقیقۃ النبوۃ وخاصیتھا۔

صوفیوں کے طریقے کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اس کا خاصہ بدیہی طور پر معلوم ہوگیا۔

یورپ میں آجکل مادہ پرستی کا وہ زور ہے کہ مادے کے سوا انکو نظر نہیں آتا۔ تاہم انہی لوگوں میں سے بعض بڑے بڑے فلاسفر اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حواس اور عقل کے سوا ایک اور بھی قوت ہے جس سے اشیا کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ نبوت کے اعتراف کا پہلا زینہ ہے۔

نبوت کی حقیقت اگرچہ صرف ذوقی طریقے سے صحیح طور سے سمجھ میں آسکتی ہے لیکن چونکہ منکر کیلئے صرف ذوق کا حوالہ کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ امام صاحب نے ایک اور طریقے سے نبوت کی صحت پر استدلال کیا جسکی تفصیل ذیل میں ہے۔

اس قدر ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئی ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کس قدر مختلف المراتب ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا شخص اس سے زیادہ ذہین ہے تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین ہے یہ بڑھتے بڑھتے یہانتک نوبت پہنچی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں۔

جو لوگ شاعری میں قوت تقریر میں۔ صناعی میں۔ ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص کو کتنی ہی محنت و کوشش کریں اُن کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔

انہی قویٰ میں حقائق اشیاء کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر اُنکو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے انکو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا۔ لیکن اس قوت کی وجہ سے انکو خودبخود اُن کو اشیاء کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے۔ اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔

امام صاحب نے یہ مضمون احیاء العلوم کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے بیان تفاوت الناس فی العقل چنانچہ اس کے بعض فقرے یہ ہیں۔

وکیف ینکر تفاوت الغریزۃ ولولاہ لما اختلف الناس فی فہم العلوم ولما انقسموا الی بلید لا یفہم

عقل فطری کے کم و بیش ہونیکا کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے عقلوں میں اگر اختلاف مراتب نہوتا تو تمام لوگ علوم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بالتفهم الا بعد طويل من التعلم الى ذكى يفهم بادنى رمز واشارة والى كامل يبعث من نفسه حقائق الا مور دون التعلم كما قال الله تعالى يكاد زيتها يضئ ولو لم تمسه نار نور على نور وذالك مثل الا نبياء عليهم السلام اذ تنضح لهم فى بواطنهم امور غامضة من غير تعلم و سماع و يعبر ذالك بالالهام عن مثله غير النبى صلى الله عليه وسلم حيث قال ان روح القدس نفث فى روعى الخ .

حالت کیون ہوتی کہ انسانون مین کوئی اسقدر کودن ہے کہ سمجہانے پر بھی بڑی مشکل سے سمجہتا ہے۔ کوئی اسقدر ذہین ہے کہ ذرا سے اشارہ سے سمجہہ جاتا ہے کوئی اسقدر کامل ہے کہ بغیر سکہلانیکے تمام باتین خود اسکی طبیعت سے پیدا ہوتی ہین جیساکہ خدا نے کہا

انبیاء علیہ السلام کی یہی مثال ہے کیونکہ اُنپر باریک باتین خود بخود کھل جاتی ہین بغیر اس کے کہ کسی سے سیکہا ہو یا سنا ہو اسی کا نام الہام ہے اور آنحضرت نے یہ جو فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل مین پھونکا اس سے یہی مراد ہے۔

اس تقریر سے اس قدر ثابت ہوا کہ نبوت کا وجود ممکن ہے اور افراد انسانی میں پائی جا سکتی ہے اب اگر کسی شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو اس کے حالات خود اسکی شہادت دیسکتے ہین۔ جالینوس کی تصنیفات دیکھنے سے اس کے طبیب ہونیکا قطعی علم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کی کتابین ہمکو یقین دلاتی ہین کہ وہ فقیہہ تھے اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین کہ نبوت کے آثار اسکے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اسکا کامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہیں ہوسکتا ماخوذ منقذ من الضلال

معجزات

نبوت کی بحث میں معجزات یا خرق عادات کا مسئلہ نہایت اہم ہے فلسفہ اور مذہب مین جو اختلاف ہے اس کی بنیاد یہین سے شروع ہوتی ہے فلسفہ کا سرمایہ ناز جو کچھ ہے یہ ہے کہ وہ جزئیات کو کلیات کے تحت میں لاتا ہے اور ہر چیز کی علت اور سبب ڈھونڈھ کر نکالتا ہے۔ خرق عادت۔ اس سلسلے کو بالکل توڑ دیتا ہے اسکے طفیل سے جانور آدمی بن سکتا ہے ذرہ پہاڑ ہوسکتا ہے آگ پانی ہو سکتی ہے۔ ستارے چلنے سے رک جاتے ہین۔ اسلام میں جب فلسفہ اور حکمت کا رواج ہوا تو اس مسئلہ کی بحث بھی پیش آئی جن لوگونکو فلسفہ کا زیادہ نشہ چڑھ گیا تھا اُنہون نے صاف انکار کیا۔ رسائل اخوان الصفا کے ارکان اسی گروہ مین داخل ہین علامہ ابن حزم ظاہری جو بہت بڑے محدث تھے انکا یہ مذہب ہے کہ دنیا مین علت و معلول۔ سبب و مسبب تاثیرات اشیاء کا سلسلہ قائم ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی سلسلے کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی خدا بطور اظہار قدرت کے

ل علامہ موصوف نے تصریح اپنی کتاب ملل ونحل مین کی ہے۔ (یہ سلسلہ توڑ دیتا ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے ل)

معتزلہ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہین خرق عادات کا اقرار کرتے ہین اور کہین انکار اشاعرہ کے نزدیک چونکہ مذہب کو خرق عادات کے اقرار سے چارہ نہ تھا۔ اور نہ اسکا کوئی قاعدہ معین نہیں قرار پا سکتا تھا کہ فلان قسم کا خرق عادت ممکن ہے اور فلان قسم کی نہیں اسلئے اُنہون نے علت و معلول کے سلسلے ہی سے انکار کیا انکے نزدیک نہ کسی چیز مین کوئی چیز کسیکی علت ہی نہ معلول امام صاحب نے مضنون بہ علی غیر اہلہ مین معجزات کے عنوان سے ایک مستقل مضمون لکھا ہے ل جسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ل مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸

کنکریوں کا تسبیح پڑھنا۔ عصا کا سانپ بنجانا۔ جانوروں کا کلام کرنا اور اس قسم کے واقعات جو منقول ہین اُنکی تین قسمیں ہین حسی خیالی۔ عقلی۔ حسی کے یہ معنی ہین کہ درحقیقت یہ واقعات اسی طرح وقوع مین آئے اس کے امکان مین چند دلائل ہین۔

(۱) جو خدا نطفہ سے آدمی اور مادہ سے جاندار پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ سنگریزے مین جان ڈالدے اور حیوان کو گویائی کی قوت دے

(۲) تمام اجسام متماثل ہین اسلئے ایک جسم مین جو باتین پائی جاتی ہین وہ ہر ایک جسم مین پائی جاسکتی ہین گو بالفعل نہ پائی جائین۔

(۳) آفتاب ایک مدت مین ایک چیز کو گرم کرسکتا ہے، آگ فوراً کرسکتی ہے۔ اسلئے ممکن ہے کہ جو امور بتدریج وقوع مین آتے ہین پیغمبر کی تاثیر سے فوراً وقوع مین آئین خیالی کے معنی یہ ہین کہ زبان حال تمثیلاً محسوس صورت مین نظر آئے امام صاحب اسکی تفصیل اسطرح کرتے ہین

القسم الثالث الخيالي ان لسان الحال يصير مشاهدًا محسوسًا على سبيل التمثيل وهذه خاصية الانبياء والرسل عليهم الصلوة والسلام كما ان لسان الحال يتمثل فى المنام بغير الانبياء ويسمعون صوتا وكلاما كمن يرى فى منامه ان جملا يكلمه وفرسها يخاطبه ميتا يعطيه شيئا او ياخذه بيده او يسلب منه شيئا او تصير اصبعه شمسا او قمرا و يصير ظفره اسدا او غير ذلك مما يراه النائم فى منامه فالانبياء عليهم الصلوة والسلام يرون ذلك فى اليقظة وتخاطبهم هذه الاشياء فى اليقظة فان المتيقظ لا تميز بين ان يكون ذلك نطقا خياليا او نطقا حسيا من خارج والنائم انما يعرف ذلك بسبب تنباهه والتفرقة بين النوم واليقظة و من كانت له ولاية تامة تفيض تلك الولاية اشعتها على خيالات الحاضرين حتے انهم يرون ما يراه ويسمعون ما يسمعه والتمثيل الخيالي اشهر هذه الاقسام والايمان بهذه الاقسام كلها واجب لا

تیسری قسم خیالی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیل کے طور پر محسوس اور مشاہد ہو جاتی ہے اور یہ انبیاء اور پیغمبرون کا خاصہ ہے عام لوگونکیلئے خواب مین جسطرح یہ حالی کیفیت محسوس صورت پکڑ لیتی ہے اور آوازین سنائی دیتی ہین مثلاً جب آدمی خواب مین دیکھتا ہے کہ ایک اونٹ اس سے باتین کر رہا ہے یا گھوڑا اس سے خطاب کر رہا ہے یا کوئی مردہ اسکو کچھ دے رہا ہے یا اسکا ہاتھ پکڑ رہا ہے یا اس سے کچھ چھینتا ہے یا اسکی انگلی چاند یا سورج بنگئی ہے یا اسکا ناخن شیر ہوگیا ہے وغیرہ وغیرہ اسیطرح انبیا کو یہ چیزین بیداری مین نظر آتی ہین اور یہ چیزین حالت بیداری میں انسے خطاب کرتی ہین جاگنے والیکو اس حالتمین فرق نہین معلوم ہوسکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے یا حسی ہے سونے والیکو جو ان دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ جاگ اُٹھتا ہے اور سونے جاگنے کی حالتمین اسکو فرق معلوم ہوتا ہے جسکو ولایت تام حاصل ہوجاتی ہے اسکی ولایت کی شعاعین حاضرین پر بھی پڑتی ہین یہانتک کہ انکو بھی وہ اشیا نظر آتی ہین اور وہ آوازین سنائی دیتی ہین جو صاحب ولایت کو نظر آتی ہین اور سنائی دیتی ہین معجزات کے تینون اقسام مین سے تمثیل خیالی جس کا ابھی بیان ہوا زیادہ متعارف ہے لیکن تینون اقسام پر ایمان لانا واجب ہے۔

عقلی کی تفسیر امام صاحب اس طرح کرتے ہین۔

القسم الثاني العقلي وهو قول الله تعالى وان من شئ الا يسبح بحمده وهو شهادة كل مخلوق و محدث على خالقه و موجده كشهادة البناء على الباني

دوسری قسم عقلی ہے جیسا کہ خدا کے اس قول مین ہے کہ تمام چیزین خدا کی تسبیح پڑھتی ہین اس کے معنی یہ ہین کہ جس قدر مخلوقات اور محدثات ہین اپنے خالق اور موجد کی گواہی دیتے ہین جس طرح تعمیر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

والکتابة علی الکاتب یقال لذلک لسان الحال والمتکلمون یقولون هذه دلالة الدلیل علی المدلول والحمقی من الناس لا یعرفون هذه المرتبة لا یعترفون بها

اس بات کی شہادت ہے کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہے اور تحریر اس بات کی شہادت ہے کہ اس کا کوئی لکھنے والا ہے اسکا نام زبان حال ہے اور متکلمین اسکو دلالۃ الدلیل علی المدلول کہتے ہیں لیکن حمقا اس حالت کا اعتراف نہیں کرتے

امام صاحب نے معجزات کے متعلق جو احتمالات بیان کئے اُن میں سے پہلا تو عام متکلمین کا مذہب ہے دوسرا یعنی عقلی معتزلہ کی رائے ہے۔ تیسرا حکما اور فلاسفہ کا خیال ہے۔ چنانچہ اسکی نہایت مفصل بحث ہماری کتاب تاریخ کلام میں مذکور ہے۔

امام صاحب کا آخری فقرہ جس سے تمثیل خیالی کی ترجیح کی خوشبو آتی ہے تعجب انگیز ہے۔

ع منکر مے بودن و ہمرنگ مستان زیستن۔

یہ بحث تو معجزہ کے امکان کے متعلق تھی۔ امکان کے ثبوت کے بعد یہ بحث باقی رہتی ہے کہ وہ نبوت کی دلیل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اشاعرہ عموماً اسکی دلیل نبوت ہونے پر متفق ہیں۔ حکمائے اسلام میں سے بوعلی سینا اشاعرہ کا ہمزبان ہے چنانچہ کتاب الشفا میں تصریح کی ہے کہ پیغمبر کے لئے معجزہ کا ہونا ضرور ہے تاکہ اس بات کا یقین ہو کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ امام غزالی کا اس باب میں جو خیال ہے یہ ہے۔

منقذ من الضلال میں یہ لکھکر کہ نبی کے ارشادات و ہدایات سے خود اسبات کا یقین ہوجاتا ہے کہ وہ نبی ہے لکھتے ہیں۔ فمن ذالک الطریق فاطلب الیقین بالنبوة لا من قلب العصا ثعبانا وشق القمر فان ذالک اذا نظرت الیه وحده ولم تنضم الیه القرائن الکثیرة الخارجة الحصر بما ظننت انه سحر وتخییل منقذ من الضلال صفحہ ۱۷

اس بحث پر علامہ ابن رشد نے اپنے رسالہ میں نہایت مفصل اور دقیق گفتگو کی ہے لیکن یہ اس کے لکھنے کا موقع نہیں۔ علم کلام کی تاریخ میں ہم علامہ موصوف کی پوری تقریر نقل کرینگے اور اسپر انتقاد کرینگے۔

تکلیفات شرعیہ اور عذاب و ثواب

تکلیفات شرعیہ عذاب و ثواب

مذہب کے معرکۃ الآراء مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے۔ ملاحدہ کا خیال ہے کہ چونکہ مذہب انسان کی ایجاد ہے اور انسانی تمدن کے نمونے پر قائم کیا گیا ہے اس لئے عذاب و ثواب کا مسئلہ بھی اس میں شامل کیا گیا ورنہ عذاب و ثواب خدا کی شان سے بالکل بعید ہے۔ کیونکہ عذاب کی بنیاد دو اصول ہے۔ (۱) انتقام کی خواہش جو ہر انسان میں فطری ہے۔ (۲) تنبیہ و تربیت تاکہ مجرم سے اس قسم کا فعل پھر سرزد ہونے پائے یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ خدا میں انتقام کی خواہش نہیں ہوسکتی۔ انسانوں میں جو زیادہ نیک نفس ہیں ان میں جب یہ خواہش کم ہوتی ہے تو خدا کی شان تو بہت ارفع ہے۔ تنبیہ و تربیت بھی مقصود نہیں ہوسکتی کیونکہ عذاب قیامت کے بعد انسان کو کوئی ایسا موقع ہی نہیں حاصل ہوگا کہ وہ اپنے پچھلے افعال کا کفارہ کرسکے۔

تکلیفات شرعیہ کی نسبت بھی ملاحدہ کا یہی اعتراض تھا کہ خدا کو اس سے کیا فائدہ؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امام صاحب کے زمانے میں ملاحدہ کے علاوہ فرقہ باطنیہ کی طرف سے بھی یہ شبہہ اکثر پیش کیا جاتا تھا اس لئے امام صاحب نے مضنون بہ علی غیر اہلہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور اس اعتراض کو نہایت خوبی سے اُٹھایا ہے اسکا ماحصل یہ ہے عالم جسمانیات میں اسباب و علل کا جو سلسلہ ہے اس کسیکو انکار نہیں ہو سکتا۔ سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے سقمونیا مسہل ہے یہ اشیا جب استعمال کئے جائینگے انکے آثار ضرور ظاہر ہونگے اب اگر کوئی شخص مثلاً سنکھیا کھالے اور مرجائے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ خدا نے کیوں اسکو مار ڈالا یا خدا کو اُس کے مار ڈالنے سے کیا غرض تھی؟ کیونکہ مرنا، سنکھیا کھانے کا ایک لازمی نتیجہ تھا جو اس سے منفک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سنکھیا خود خوشی سے کھائی۔ اور جب کھائی تو اس کا نتیجہ خواہ مخواہ ظاہر ہونا ضرور تھا۔ یہی سلسلہ روحانیت میں قائم ہے۔ نیک و بد جس قدر افعال ہیں انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے۔ اچھے کاموں سے روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے بُرے افعال سے اسمیں آلودگی اور نجاست آجاتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو کسی طرح منفک نہیں ہو سکتے جو شخص کسی فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے اسیوقت اُسکی روح پر ایک خاص اثر مترتب ہو جاتا ہے اسی کا نام عذاب ہے فرض کرو ایک شخص نے چوری کی اس فعل کے ارتکاب کیساتھ ہی اسپر دناءت کا اثر طاری ہو گیا اب وہ گرفتار ہو یا نہو اسکو سزا دیجائے یا نہ دیجائے لیکن نفس داغدار ہو چکا۔ اور یہ دھبہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اب جسطرح یہ اعتراض نہیں ہو سکتا تھا کہ سنکھیا کھانے پر خدا نے فلاں شخص کو کیوں مار ڈالا اسیطرح یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ فعل بد کے ارتکاب پر خدا نے عذاب کیوں دیا؟ کیونکہ عذاب اس فعل بد کا لازمی نتیجہ تھا جو اس سے منفک نہیں ہو سکتا تھا

امام صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

اما العقاب على ترك الامر او ارتكاب النهي فليس لعقاب من الله تعالى غضبا وانتقاما ومثال ذالك ان من غاد والوقاع عاقبه الله تعالى بعدم الولد ومن ترك الاكل والشرب عاقبه بالجوع والعطش فكذلك نسبة الطاعات والمعاصي الى الآلام الاخروية ولكن انتهما من غير فرق فالسوال عن انه لم تفضي المعصية الى العقاب كسوال في انه لم يهلك الحيوان عن السم ام يودي السم الى الهلاك (صفحه ۱۱)

اوامر اور نواہی کی عدم تعمیل پر عذاب ہوگا وہ غضب یا انتقام نہیں ہے اسکی مثال یہ ہے کہ جو شخص بیوی سے صحبت نہ کرے گا خدا اسکو اولاد نہ دیگا جو شخص کھانا پینا چھوڑ دیگا خدا اسکو بھوک پیاس کی تکلیف دیگا۔ طاعات و معاصی کو قیامت کی تکلیفات اور لذائذ سے بھی بالکل یہی نسبت ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ معصیت پر کیوں عذاب ہوگا گویا یہ کہنا ہے کہ جاندار زہر سے کیوں ہلاک ہو جاتا ہے اور زہر کیوں ہلاکت کا سبب ہے۔

تکلیفات شرعیہ کی نسبت عام اشاعرہ کا خیال تھا کہ اس سے صرف تعمیل احکام مقصود ہے اور اُسکی مثال یہ ہے کہ ایک آقا کو اپنے نوکروں کا امتحان منظور ہے اُسنے سبکو حکم دیا کہ تمام رات ہاتھ باندھے کھڑے رہو اس حکم سے آقا کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی فائدہ نہیں نہ نوکرون کے لئے کچھہ مفید ہے لیکن جو شخص اس حکم کی تعمیل کریگا اُسکی نسبت یہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ آقا کا جان نثار ملازم ہے تکلیفات شرعیہ کی بھی یہی حالت ہے اور یہی وجہ ہے کہ جسقدر اُنکی بجا آوری مین فوق العادۃ تکلیفین اُٹھائی جائین اُسیقدر خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ امام صاحب نے اس خیال کی مخالفت کی انکے نزدیک شریعت کے جسقدر اوامر و نواہی ہین وہ فی نفسہ انسان کے حق مین مفید یا مُضر ہین شارع نے اسی فائدہ و ضرر کے لحاظ سے انسان کو کسی کام کا حکم دیا ہے یا اُس سے روکا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ طبیب اشیاء کے خواص و تاثیرات سے واقف ہے اس بناء پر وہ مریض کو حکم دیتا ہے کہ فلان چیز سے پرہیز کرو۔ اگر وہ طبیب کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو اُسکی بیماری بڑھتی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہین کہ چونکہ طبیب کے حکم کی تعمیل نہین کی اس لئے بیماری کو ترقی ہوئی لیکن درحقیقت یہ طبیب کی محض مخالفت کا اثر نہ تھا بلکہ اس بات کا اثر تھا کہ وہ شے خود مُضر تھی۔ مریض اگر کسی اور کام مین جو مرض سے متعلق نہوتا طبیب کی مخالفت کرتا تو اسکو بیماری کے بڑھنے مین کچھ دخل نہ تھا۔ امام صاحب کے خاص الفاظ یہ ہین۔

وللنفوس طب کما ان للاجسام اطباء والانبیاء علیهم السلام اطباء للنفوس ثم یقال ان الطبیب امر کذا او نهاه عن کذا وانه زاد مرضه لانه خالف الطبیب انه صحیح لانه راعی قانون الطب ولم یقصر فی الاحتماء بالحقیقة لم یتمادی مرض المریض مخالفة الطبیب لعین المخالفة بل لانه سلک غیر طریق الصحة التی امره الطبیب بها (مضنون علی بہ غیر اہلہ صفحہ ۱۰)

جس طرح جسمانی امراض کیلئے طب ہے روح کے لئے بھی ایک طب ہے اور انبیاء علیہم السلام اس کے طبیب ہین۔ محاورے مین کہا جاتا ہے کہ بیمار اس وجہ سے اچھا نہین ہوا کہ اس نے طب کی مخالفت کی یا اس وجہ سے اچھا ہوا کہ طب کے احکام کی پابندی کی حالانکہ مرض کا بڑھنا اس وجہ سے نہ تھا کہ مریض نے طبیب کی مخالفت کی بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے تندرستی کے وہ قاعدے نہین برتے جو طبیب نے اس کو بتلائے تھے۔

معاد یا حالات بعد الموت

مذہب کی روح اور روان جو کچھ کہو معاد کا اعتقاد ہے مذہب مین جو کچھہ تاثیر ہے اور افعال انسانی پر مذہب کا جو اثر پڑتا ہے وہ اعتقاد کی بدولت ہے لیکن جسقدر وہ مہتم بالشان ہے اُسیقدر عسیر التصور ہے ایک بدوی شاعر الحاد کے لہجہ مین کہتا ہے۔

اموت ثم بعث ثم نشر۔ مرنا پھر زندہ ہونا پھر چلنا پھرنا! ای عمرو حدیث خرافة یا ام عمرو (شاعر کے بیٹے کا نام ہے) کی ماں یہ تو خرافات باتین ہین

اس مرحلے مین جو مشکلین ہین ان مین پہلا اور سب سے مشکل بقائے روح کا مسئلہ ہے یعنی یہ ثابت کرنا کہ روح جسم سے جُدا کوئی چیز ہے۔ مادیین کا خیال ہے کہ روح کوئی جداگانہ چیز نہیں بلکہ جسطرح چند دواؤن کی ترکیب دینے سے ایک مزاج خاص پیدا ہو جاتا ہے یا تارون کی خاص ترکیب سے خاص خاص راگ پیدا ہوتے ہین اسی طرح عناصر کی خاص طور پر ترکیب پانے سے ایک مزاج خاص پیدا ہو جاتا ہے جو ادراک اور تصوف کا سبب ہوتا ہے اور اسی کا نام روح ہے۔

روح کے ثابت کرنیکے بعد دوسرا مرحلہ اسکی بقا کا ثابت کرنا ہے یعنی یہ کہ جسم کے فانی ہونے پر وہ باقی رہ سکتی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان مرحلوں کے بعد عذاب قبر، قیامت، میزان، حساب، جنت و دوزخ کی بحثیں ہیں۔
امام صاحب نے مضنون صغیر و مضنون کبیر میں ان مباحث کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ہم ان دونوں کتابوں کے حوالوں سے ان مباحث کو اپنی زبان میں لکھتے ہیں۔
روح کی حقیقت کے متعلق امام صاحب نے احیاء العلوم میں عذر کیا کہ "ان اسرار میں ہے جنکو ظاہر کرنا جائز نہیں۔ لیکن مضنون صغیر میں اس راز سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور اسکی حقیقت یہ بیان کی کہ "وہ جوہر ہے لیکن جسم نہیں۔ اسکا تعلق بدن سے ہے لیکن اس طرح کہ بدن سے نہ متصل ہے نہ منفصل نہ داخل ہے نہ خارج۔ نہ حال ہے، نہ محل"
جوہر ہونے کی یہ دلیل ہے کہ روح اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور چونکہ ادراک عرض ہے یعنی ایک کیفیت کا نام ہے اور فلسفہ میں یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے کہ عرض عرض کیساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضرور ہے کہ روح جوہر ہو ورنہ ادراک کا قیام اسکے ساتھ ممکن نہ ہوسکے گا
جسم نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اگر جسم ہوگا تو اسمیں طول و عرض ہوگا اور اس کے اجزا نکل سکیں گے۔ اور اجزا ہوں گے تو یہ ممکن ہوگا کہ ایک جز میں ایک چیز پائی جائے اور دوسرے جز میں اسی چیز کا نقیض مثلاً لکڑی کا ایک تختہ نصف سپید ہو سکتا ہے اور نصف سیاہ۔ اس بنا پر یہ ممکن ہوگا کہ روح کے جز میں زید کا علم ہو اور دوسرے جز میں اسی زید کا جہل اس صورت میں روح ایک ہی زمانہ میں ایک شے سے واقف بھی ہوگی۔ اور ناواقف بھی اور یہ محال ہے متصل و منفصل داخل خارج نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ یہ تمام اوصاف جسم کیساتھ خاص ہیں۔ اور جب روح سرے سے جسم ہی نہیں تو متصل منفصل داخل خارج کچھ بھی نہیں مثلاً ایک پتھر کو عالم اور جاہل کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دونوں وصف جاندار کیساتھ خاص ہیں اور پتھر سرے سے جاندار نہیں
اس تفصیل کے بعد امام صاحب نے یہ سوال قائم کرکے شارع نے روح کی حقیقت بتانے سے کیوں انکار کیا؟ جواب دیا ہے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں عوام و خواص عوام تو ایسی چیز کا تصور ہی نہیں کر سکتے اسی بنا پر فرقہ حلیلہ اور کرامیہ خدا کے جسم ہونیکے قائل ہوگئے ہیں کیونکہ انکے نزدیک جو چیز مجسم نہ ہوگی وہ موجود ہی نہیں ہو سکتی جو لوگ عوام کی نسبت کسیقدر وسیع الخیال ہیں وہ جسم کی نفی کرتے ہیں تاہم خدا کا ذو جہتہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں اشعریہ اور معتزلہ البتہ اس قسم کے وجود کے قائل ہیں جو جسم و جہتہ سے بری ہو لیکن انکے نزدیک اس قسم کا وجود ذات باری و صفات باری کیساتھ خاص ہے۔ اگر روح کا وجود بھی اسی قسم کا مانا جائے تو انکے نزدیک خدا میں اور روح میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ بہرحال چونکہ روح کی حقیقت عوام و خواص دونوں کی فہم سے باہر تھی اسلئے شارع نے اس کے بتانے سے اعراض کیا۔
امام صاحب نے روح کی جو حقیقت بیان کی اور اسپر جو دلائل پیش کئے یونانیوں سے ماخوذ ہیں ارسطو نے اثولوجیا میں بعینہ یہی تقریر کی ہے۔ اور بو علی سینا نے اسکو مختلف پیرایوں میں آب و رنگ وغیرہ ادا کیا ہے لیکن یہ امر بظاہر تعجب انگیز ہے کہ جو سب سے مقدم امر تھا یعنی روح کا اثبات، امام صاحب نے اسی کو چھوڑ دیا روح کا جوہر ہونا، غیر جسمانی ہونا یہ فرعی امور ہیں۔ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ روح کوئی شی بھی ہے یا نہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک و تعقل محض مادہ کا نام نہیں۔ مادہ ایک بےحس بیجان اور لایعقل چیز ہے۔ دقیق خیالات اور علوم و فنون، مادہ سے انجام نہیں پاسکتے بلکہ کوئی اور جوہر لطیف ہے جس سے یہ کرشمے سرزد ہوتے ہیں اور اسی کا نام روح ہے لیکن یہ استدلال وجدانی ہے اگر کوئی منکر انکار پر آمادہ ہو اور کہے کہ تم نے جو کچھ کہا عین دعوی کا اعادہ ہے۔ دلیل نہیں ممکن ہے کہ مادہ ہی ایک خاص ترکیب پاکر ان نیرنگیوں کا مظہر ہو۔ کلوں سے جو عجیب و غریب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں، ارغنوں سے جو دلکش اور موثر نغمے پیدا ہوتے ہیں انہیں روح کا کون سا شائبہ ہے، تو ہم دلیل سے اسکی زبان نہیں بند کرسکتے یہی سبب تھا کہ امام صاحب نے روح کے ثبوت پر کوئی منطقی دلیل نہیں پیش کی مضمون بالا غیر الملہ میں فقرہ یہ الفاظ لکھے

ولیس البدن من قوام ذاتک	جسم تمہاری حقیقۃ اور ماہیت میں داخل نہیں ہے
فانہدام البدن لا یعدمک	اس سے جسم کا فنا ہونا تمہارا فنا ہونا نہیں ہے

واقعات بعد الموت

مثلاً عذاب قبر حساب میزان قیامت لذات بہشت۔ عذاب دوزخ۔ ان تمام امور کی نسبت اکابر اسلام کی مختلف رائیں ہیں ایک گروہ انکو جسمانی قرار دیتا ہے۔ اس گروہ میں بھی دو فرقے بن گئے ہیں، ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ گو یہ چیزیں جسمانی ہونگی لیکن انکی جسمانیت اس عالم فانی کی جسمانیت سے بالکل مختلف ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں جہاں لذات بہشت کا بیان ہے ساتھ ہی یہ بھی تصریح ہے کہ اجسام دنیوی کی خاصیتیں ان میں نہوگی مثلاً شراب ہوگی لیکن اس میں نشہ نہوگا غذائیں ہونگی لیکن بول و براز کی حاجت نہو گی حضرت عبد اللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے ان کا قول ہے کہ آخرت میں جو چیزیں ہونگی انکو دنیا کی چیزوں سے فقط نام میں مشارکت ہے دوسرا گروہ یعنی اشاعرہ ان چیزوں کو بالکل جسمانی قرار دیتا ہے۔ اور اسی قسم کی جسمانیت تسلیم کرتا ہے جیسی ہماری عالم اجسام کی ہے۔

تیسرا گروہ انکے روحانی ہونیکا قائل ہے انکا خیال ہے کہ گو ان اشیاء کا جسمانی ہونا محال نہیں لیکن عالم آخرت اس آخرت سے بہت بالاتر ہے اس لیے جسمانی کیفیتیں اس کے شایاں شان نہیں اسکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ خود عالم فانی میں مختلف طبقے ہیں صورت پرست اور طفل مزاج لوگ جسمانیت محض مثلاً غذا و لباس پر مفتون ہیں جو ان سے عالی رتبہ ہیں وہ ان چیزوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ اور عزت و ناموس کے طالب ہیں لیکن جو لوگ رسیدگان الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے خواہاں نہیں اس معارف اور حقائق کے سوا تمام چیزیں حقیر ہیں چنانچہ حضرات صوفیہ مشاہدہ الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے خواہاں نہیں اسی بنا پر عالم آخرت کے لذائذ کو جسمانی کہنا گویا دنیا اور آخرت کو ہم پلہ قرار دینا ہے اسی مضمون کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے

؎ حور و خلد و کوثر اے واعظ اگر خوش کردہ ٭ بزم باہم شاہد و نقل و شراب بے ہیچ نیست۔

امام صاحب کا میلان روحانیت کی طرف تھا لیکن ساتھ ہی انکا یہ بھی خیال تھا کہ شریعت عام و خاص سب کے لئے ہے اس لئے اس کا پیرایہ ایسا ہونا چاہیئے جس سے عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

؎ لو علمائے روح کے اثبات پر [illegible] لیکن وہ یونانیوں کے عام دلائل کیطرح صرف لفظوں کا گورکھ دھندا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

حشر ونشر پصراط ومیزان وغیرہ کے متعلق امام صاحب نے جواہر القرآن میں اجمالاً جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر گذر چکا۔ احیاء العلوم ومضنون کبیر میں ان امور کی تفصیل کی ہے۔

احیاء العلوم کے خاتمہ میں موت کا جو باب باندھا ہے اسمیں عذاب قبر کا ایک خاص عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں شاید تمہاری ذہن میں یہ اعتراض آئے کہ ہمنے کافروں کی قبروں کا امتحان کیا ہے لیکن سانپ اور بچھو کہیں نہیں دیکھے اس لئے مشاہدے کے خلاف کیونکر یقین لائیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں تین احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال جو زیادہ صحیح اور بظاہر یہی یہ ہے کہ حقیقت کافر کی قبر میں سانپ بچھو ہوتے ہیں۔ اور اس کو کاٹتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آسکتے۔ کیونکہ یہ عالم ملکوت کے واقعات ہیں اور عالم ملکوت کے واقعات ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسکو خواب کے واقعات پر قیاس کیا جائے۔ مثلاً خواب میں آدمی دیکھتا ہے کہ سانپ اسکو کاٹتا ہے، کاٹنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے آدمی روتا اور چلاتا ہے لیکن یہ سب عالم خواب میں ہوتا رہتا ہے اور دن کو وہ اسکی ہمبستر ہوتی ہے واقعات مطلق محسوس نہیں ہوتے اسیطرح قبر کا عذاب ہے جو مردہ کو محسوس ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو اسکی کچھ خبر نہیں ہوسکتی

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مرنیکے بعد انسان کو جو روحانی تکلیفیں ہونگی انکو سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے اس تیسرے احتمال کو امام صاحب نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے کیمیائے سعادت جو احیاء العلوم کے بعد لکھی گئی ہے اسمیں امام صاحب نے اس مسئلے کو زیادہ صاف کیا ہے اسکے چند فقرے یہ ہیں۔

احمقان بتصیر چنیں میگویند کہ ما در گور نگاہ میکنیم ہیچ نمی بینیم۔ اگر بودے بچشم ما درست ستمانیز بدیدے این حمقان باید کہ بدانند ازیں اژدہا در ذات روح مردہ است و از باطن جان او بیرون نیست تا دیگرے بہ بینید بلکہ این اژدہا در اندرون وے بود وپیش از مرگ وا و غافل بود وخبر ا نیست۔ واگر چناں بودے کہ این اژدہا بیروں او بودے چنانکہ مردان نپہ اندار آسان تر بودے کہ آخر یک ساعت دست از وے بداشتے لیکن چوں ممکن است درمیاں جان وے آن خود از عین صفات اوست۔ چگونہ ازاں بگریزد،

پس اگر گوئی کہ این مار معدوم است۔ انچہ از دیدن باشد خیال است۔ بدانکہ این غلطی عظیم ست بلکہ آں مار موجود ست کہ معنی موجود یافتہ بود ومعنی معدوم نایافتہ۔ وہرچہ تو یافتہ نو شدہ در خواب وتو آن را می بینی آن موجود ست در حق تو اگرچہ خلق دیگر آن را نتواں دید۔ وہرچہ تواں را نمی بینی نایافتہ ونا موجود لست اگرچہ ہمہ خلق آن را بہ بینید۔ (کیمیائے سعادت. عنوان چہارم در معرفت آخرت عذاب قبر)

لیکن مضنون بہ علی غیر اہلہ میں بالکل پردہ اٹھا دیا ہے اور صاف صاف لکھتے ہیں۔

فصل فی عذاب القبر۔ النفس اذا فارقت البدن حملت القوۃ الوھمیۃ معھا لحاذکرناھا وتجردعن البدن متنزھۃ لیس

ملہ کیمیائے سعادت عنوان چہارم حد آخرت ۱۲ ۵۲ مضنون صفحہ ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

يصيبها شئ من الهيآت البدنية وهي عند الموت عالمة بمفارقتها عن البدن فيحصل لها من الدنيا متوهمة نفسها الانسان المقبور الذى على صورته كان فى الدنيا يتخيل وهو يتوهم ويتخيل بدنها مقبوراً ويتخيل الآلام الواصلة اليها على سبيل العقوبات الحسية على ما وردت به الشرائع الصادقة فهذا عذاب القبر وان كانت سعيدة تتخيلة على صورة ملائمة على وفق ما كانت تعتقد من الجنات والانهار والحدائق والغلمان والولدان والحور العين والكاس من المعين فهذا ثواب القبر ولهذا قال النبى عليه الصلوة والسلام القبر اما روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النيران فالقبر الحقيقى هذه الهيأة وعذاب القبر وثوابه ما ذكرنا هاهنا

قیامت کے متعلق جو اعتراضات تھے انہیں سے اکثر متکلمین کے مخترع عقائد کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً روایت میں صرف اسقدر ہی کہ قیامت میں مُردے زندہ ہو کر اٹھینگے اسکی کوئی تصریح نہ تھی کہ جسم بھی بعینہ وہی ہوگا جو دنیا میں تھا متکلمین نے اس قدر مستزاد کیا کہ بعینہ وہی جسم اور وہی صورت ہوگی۔ اسپر منکروں نے اعتراض کیا کہ اولاً تو اعادہ معدوم محال ہی۔ ثانیاً۔ دنیا میں مثلاً ایک آدمی دوسرے آدمی کو مار کر کھا گیا اور اسکے اجزائے بدن اس کے اجزائے بدن میں شامل ہو کر ایک ہو گئے۔ تو اگر قاتل کا جسم قیامت میں بعینہ وہی موجود ہوگا جو دنیا میں تھا تو مقتول کا جسم بعینہ وہی نہیں ہو سکتا۔ متکلمین نے پہلے اعتراض کے جواب میں تو اعادہ معدوم کو جائز ثابت کرنا چاہا اور دوسرے کے لیئے بہت تاویلیں کیں۔

لیکن چونکہ اعتراض قوی تھے، جواب میں بجز اسکے کہ سینہ زوریوں احتمال آفرینیوں تشکیکات اور تاویلات سے کام لیا جائے۔ اور کیا ہو سکتا تھا۔ طرہ یہ کہ متکلمین انہی چیزوں کو مایہ ناز سمجھتے تھے اور اسکو زور استدلال سے تعبیر کرتے تھے امام صاحب نے اس سعی عبث سے ہاتھ اٹھایا اور اسی حد تک قناعت کی جسقدر روایتوں میں مذکور تھا یعنی یہ کہ قیامت میں مُردے زندہ ہو کر اٹھینگے جسم کا بعینہ دنیاوی جسم ہونا ضرور نہیں اس بنا پر تاویلات اور سینہ زوریوں کی حاجت نہیں رہی چنانچہ کیمیائے سعادت میں خود لکھتے ہیں

دوم شرط اعادہ آن نیست کہ ہمان قالب کہ داشتہ است بوے باز دہند کہ قالب مرکب ست، اگرچہ اسپ بدل افتد سوار ہمان باشد واز کودکی تا پیری خود بدل افتادہ باشد اجزائے غذائے دیگر او ہمان بود۔ پس کسانیکہ این شرط کردند برین اشکالہا خارت وازان جوابہائے ضعیف داوند۔[1]

ملاحدہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ دنیا میں تمام چیزیں بتدریج پیدا ہوتی جاتی ہیں اور جو کچھ پیدا ہوتا ہی اسباب کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے اسلیے یہ کیونکر ممکن ہی کہ بلا توسط اسباب قیامت میں تمام آدمی دفعتہ پیدا ہو جائیں۔ امام صاحب نے اس اعتراض کو اسطرح اٹھایا ہے کہ حیوانات کی پیدائش کے دو طریقے ہیں **تولد و توالد**۔ تولد کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کے فراہم ہونے سے ابتدأً پیدا ہو جائیں جس طرح برسات میں آپ سے آپ حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ توالد یہ کہ تولد کے بعد نسل و خاندان کا سلسلہ قائم ہو مثلاً حضرت آدم ابتداءً خاک سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

[1] کیمیائے سعادت عنوان چہارم اندر معرفت آخرت ۱۲ مطبع نولکشور صفحہ ۳۸۔

خفلقنکم من تراب پھر حضرت آدم سے نسل کا سلسلہ قائم ہوا چنانچہ خدا فرماتا ہے انا خلقنا الانسان من نطفۃ عالم کائنات میں اسکی اور سینکڑوں مثالیں ہیں۔

فلاسفہ[۱] کا قول ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے حرکات فلکیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے نیز یہ کہ افلاک کے ہر دور کی جدا تاثیر اور جدا نتائج ہیں اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ افلاک کا کوئی ایسا دور آئے جس کے نتائج موجودہ دور سے بالکل مختلف ہوں اور وہ یہ ہو کہ تمام آدمی جو مر چکے تھے دفعتہً زندہ ہو جائیں اور ایک نیا عالم ظہور میں آئے امام صاحب کے اخیر فقرے یہ ہیں کما جاز ان یحدث دود بشکل مخصوص بسبب انواع من الحیوانات لم یعہد مثلہا قبلہا ان یحدث من مجادث زمان یحشرہا فیہا او وقت تجمع اجزاء ہم و نعود الی اشیاحہم و ادواحہم۔ بہشت کی لذات و کیفیات کی نسبت امام صاحب لکھتے ہیں[۲]۔

بہشت کی جسمانی لذتیں معجزے کیطرح تین قسم کی قرار دیجا سکتی ہیں، حسی، خیالی عقلی حسی یعنی کھانا، پینا، لباس مکان وغیرہ وغیرہ خیالی جسطرح آدمی خواب میں کھانے پینے کا لطف اٹھاتا ہے عقلی کے یہ معنی کہ بہشت میں جو روحانی لذتیں حاصل ہونگی انکو شراب شیریں، چشمہائے رواں۔ ایوانہائے بلند، میوہ جات لذیذ سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ روحانی لذتوں کے بہت سے اقسام ہیں۔ اس لیے ہر لذت کو ایک خاص جسمانی لذت سے تعبیر کیا ہے۔ اخیر میں لکھتے ہیں

فالمشغوف بالتقلید والجمود علی الصور الذین لم تنفتح لہ طرق الحقائق تمثل لہ ہذہ الصور و اللذات والعارفون المستصغرون لعالم الصور واللذات المحسوسۃ تفتح لہم من لطائف السرور واللذات العقلیۃ ما یلیق بہم ویشتہی شہوتہم وشہوتہم اذ حظ الجنات فیہا لکل امرء ما یشتہیہ

جو شخص تقلید کا شیفتہ اور صورت پرست ہے اور حقیقت کی راہیں اسپر نہیں کھلی ہیں اسکے سامنے یہ صورتیں اور لذتیں مجسم بن کر آئیں گی۔ لیکن جو لوگ محسوس لذتوں اور ظاہری صورتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں انکو وہ پر لطف مسرتیں عقلی لذتیں حاصل ہوں گی جو انکے شایاں ہیں، اور جو انکی باتیں کہی جا سکتی ہیں کیونکہ جنت کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو وہ چیز حاصل ہو جو اسکی تمنا اور آرزو ہے

تصوّف

علمی حیثیت سے تصوّف کو امام صاحب سے وہی نسبت ہے جو منطق کو ارسطو سے ہے۔ تصوّف کی ابتدا اگرچہ قرن اول میں ہو چکی تھی لیکن امام صاحب کے زمانے تک اسکی جو حالت تھی وہ تفصیل ذیل سے معلوم ہو گی۔

امام قشیری اپنے مشہور رسالے میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرت کے وجود باوجود تک صحابہ کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھکر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا یہ زمانہ بھی ہو چکا تو بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعوٰی ہر فرقہ کو یہانتک کہ اہل بدعت کو بھی تھا، اسلئے جو لوگ خاص اہل سنت و جماعت میں سے زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے۔ یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونیسے پہلے رواج پا چکا تھا صاحب کشف الظنون کا

صوفی کا لقب کب سے شروع ہوا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

[۱] معنون صفحہ ۲ [۲] معنون صفحہ ۲، [۳] معنون صفحہ ۲۸ [۴] رسالہ قشیریہ ذکر مشائخ طریقت

بیان ہے کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابوہاشم صوفی کو ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی تھی، امام صاحب موصوف نے ایک دوسرے موقع پر تصوف کی وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں، بعض کا قول ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے یہ انکی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا ہے بعض کے نزدیک صف لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ صوف سے ماخوذ ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی خصوصیت نہیں،

حضرت ذوالنون مصری	صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کو لیا ہے۔
حضرت جنید بغدادی	جس کا جینا مرنا محض خدا پر ہو۔
ابوبکر جریری	تمام اخلاق حسنہ کا جامع اور تمام اخلاق رویہ سے بری۔
منصور حلاج	جو شخص کہ نہ اسکو کوئی پسند کرے، نہ وہ کسی کو پسند کرے۔
ردیم	جو شخص اپنے آپ کو بالکل خدا کے ہاتھ میں دیدے

صوف / حقیقت

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں اسی قسم کے بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ انمیں سے کوئی تعریف جامع و مانع نہیں بلکہ ہر بزرگ نے اپنے مذاق کی بناء پر تصوف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کی ہے۔ اور بعض حضرات نے زہد و فقر تصوف، تینوں کو خلط ملط کر دیا ہے حالانکہ یہ تینوں تین مختلف چیزیں ہیں، تصوف درحقیقت زہد و فقر تصوف اور اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتدا میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا، زہد جسقدر بڑھتا گیا روحانی اوصاف یعنی صبر و شکر، توکل و رضا، انس و محبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوتے گئے، عبادات میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھتا تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف و الہام اور بعض قسم کے خرق و عادات کا ظہور ہوا، غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا، لیکن یہ صاف طور سے طے نہ ہوا کہ انمیں سے تصوف کا اصلی حصہ کسقدر ہے، اسی بناء پر قدما میں سے ہر شخص نے تصوف کی نئی تعریف بیان کی یعنی مجموعہ میں سے صرف ایک حصہ تو لے لیا، امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی وہ امام قشیری کا رسالہ تھا تاہم اس رسالہ میں صرف ورع تقوی صبر شکر وغیرہ کے عنوان قائم کئے ہیں اور ہر عنوان کے نیچے ایک حصہ تو لے لیا، امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی وہ قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکایتیں لکھدی ہیں کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی اور مکاشفات اور روحانی ادراکات کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں، امام غزالی پہلے شخص تھے جنہوں نے علمی طور پر اس فن کو مرتب کیا علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

امام غزالی ... علمی ... کیا

وجمع الغزالی بین الامرین فی الاحیاء فدون فیه | امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا چنانچہ ورع

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

الاحکام الورع والاقتداء ثم بین آداب نفوسہم وشرح اصطلاحاتہم فی عباداتہم فصار علم التصوف فی الملۃ علما مدونا بعد ان کان الطریقۃ عبادۃ فقط

اور اقتداء کے احکام لکھنے گیا تھا ارباب حال کے آداب طریقے تمام اور مصطلحات کی شرح کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا

تصوف کی حقیقت جو امام صاحب نے بیان کی اس کا خلاصہ یہ ہے۔ تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے علم و عمل لیکن یہ فرق ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے تصوف میں بخلاف اس کے عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے انسان کو اشیاء کا جو ادراک ہوتا ہے اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ استنباط، استدلال تعلم و تعلیم سے حاصل ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غور و فکر کے بغیر دفعتہً ایک شے کا ادراک ہو جاتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ہوا اور کیونکر ہوا؟ اصطلاح تصوف میں اس کا نام الہام ہے۔

اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیۂ نفس سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو یعنی اہل و عیال دوست احباب جاہ و دولت کسی چیز سے وابستگی باقی نہ رہے اس کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ کسی کا مطلقاً خیال نہ آنے پائے اس کے ساتھ زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے رفتہ رفتہ یہ مشق اس قدر بڑھے کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور تصور میں زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا جائے پھر یہ تصور جمایا جائے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے یہ تصور اس حد تک پہونچ جائے کہ صرف و صورت کا خیال جاتا رہے اور اللہ کا تصور دل میں اس طرح اثر کر جائے کہ کسی وقت جدا ہونے نہ پائے جب یہ حالت پیدا ہو جائیگی تو مکاشفہ شروع ہوگا ابتدا میں برق خاطف کی طرح نکل جائیگا پھر ترقی ہوتی جائے گی اور ثبات و دوام حاصل ہوگا۔[1]

مکاشفہ سے ان تمام اشیاء کی حقیقت کھل جاتی ہے جن کا علم محض تقلیدی اور اجمالی طور پر تھا مثلاً نبوت وحی ملائکہ شیطان۔ جنت۔ دوزخ۔ عذاب قبر۔ پل صراط۔ میزان۔ حساب۔ ان اشیاء کے متعلق مختلف رائیں ہیں بعض ان تمام چیزوں کو تمثیلات خیالی قرار دیتے ہیں بعض انکو بالکل ظاہری معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن جب مکاشفہ حاصل ہوتا ہے تو ان اشیاء کی جو کچھ حقیقت ہے وہ گویا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

(احیاء العلوم۔ جلد اول۔ بیان العلم الذی ہو فرض کفایۃ۔ ذکر علم المکاشفہ)

ظاہر بینوں کو یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ انسان کو جو ادراک ہوتا ہے وہ صرف حواس کے ذریعے سے ہوتا ہے یہ ناممکن محض ہے کہ حواس معطل ہو جائیں اور دل کے ذریعہ سے ادراک ہو۔ دل اول تو محل ادراک نہیں اور ہو بھی تو اس کا ادراک انہی چیزوں پر متفرع ہوگا جو حواس خمسہ نے اس کے سامنے پیش کئے ہوں،

امام صاحب اس شبہہ سے بیخبر نہ تھے انہوں نے احیاء العلوم جلد دوم۔ دیباچہ بیان الفرق المقامین بمثال محسوس میں خود اس شبہہ کو ذکر کیا ہے لیکن اس شبہہ کا جواب قال نہیں بلکہ حال ہے، امام صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

[1] احیاء العلوم جلد دوم بیان الفرق بین الالہام والتعلیم

فاعلم ان هذا من عجائب اسرار القلب ولا یسمح بذکرہ فی علم المعاملۃ

یہ اسرار قلب کے عجائبات ہیں جن کے ظاہر کرنے کی علم معاملہ میں اجازت نہیں۔

امام صاحب نے اسکو مثال میں یوں سمجھایا ہے۔

ایک دفعہ روم وچین کے نقاشوں میں مقابلہ ہوا دونوں اپنی اپنی فضیلت کے مدعی تھے بادشاہ وقت نے آمنے سامنے دو دیواریں دونوں گروہ کے لیے مقرر کردیں کہ ہر ایک اپنے حصے کی دیوار پر اپنی صنعت کاری کا نمونہ دکھلائے بیچ میں پردہ ڈال دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کی نقل نہ اتارنے پائے چند روز کے بعد رومی مصوروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے کام سے فارغ ہوچکے چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہوچکے۔ پردہ اٹھایا گیا تو دونوں میں سرمو فرق نہ تھا معلوم ہوا کہ رومیوں نے بجائے نقاشی کے صرف یہ کیا تھا کہ دیوار کو صیقل کرکے آئینہ بنا دیا تھا پردہ اٹھا تو سامنے کی دیوار کے تمام نقش اس میں اتر آئے

امام صاحب اس مثال کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ صوفیہ کے علوم کی یہی مثال ہے وہ قلب کو اسقدر صاف اور مجلا کردیتے ہیں کہ تمام معلومات خود اس میں منقش ہوجاتے ہیں،

رومیان ۔ آن صوفیانند اے پسر	نے تکرار کتاب ۔ و نز ہنر
لیک صیقل کردہ اند آن سینہا	پاک ز آز و حرص و بخل وکینہا
آن صفائے آئینہ ۔ وصف دل ست	صورت بے منتہا را قابل ست
صورت بے صورت بیحد و عیب	ز آئینہ دل تافت بر موسی ز جیب
عقل اینجا ساکت آید یا مضل	زانکہ دل یا اوست یا خود اوست دل
عکس ہر نقشے نہ تابد تا ابد	جز بدل ہم بے عدد ہم با عدد
تا ابد ۔ نو نو صور کاید برو	مے نماید بے حجابی اندرو
اہل صیقل رستہ اند از بو و رنگ	ہر دمے بینند خوبی بے درنگ
نقش و قشر علم را بگذاشتند	رایت عین الیقین افراشتند
بر تراند از عرش و کرسی و خلا	ساکنان مقعد صدق خدا

اگرچہ ظاہر پرستوں کو اس مثال سے بھی تسلی نہ ہوگی لیکن یہ مسئلہ کہ حواس ظاہری کے سوا ادراک کا کوئی اور ذریعہ بھی ہے بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا گروہ مانتا آتا ہے حکمائے اشراق جنکا شیخ فلاطون تھا عموماً اس مسئلے کے قائل تھے اور اسی بنا پر وہ اور فرقوں سے ممتاز تھے یورپ سے بڑھکر کون مادہ پرست ہوسکتا ہے تاہم وہاں بھی ایک گروہ موجود ہے جو روحانی ادراک کا قائل ہے اور اسپر چولسٹ یعنی روحانی کے لقب سے مشہور ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس بنا پر اس خیال کی اصلیت سے انکار نہیں ہو سکتا، منکر یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اسکا تجربہ نہیں ہوا لیکن یہ اسکے کہنے پر موقوف نہیں ارباب حال نے پہلے ہی کہدیا ہے ؎ ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی۔

بہر حال تصفیہ قلب سے اس قسم کا ادراک ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ تصفیہ قلب کیلئے انسان کا اخلاق رویہ سے بری ہونا ضرور ہے اسلئے پہلے تہذیب اخلاق سے ہوتی ہے اخلاق کا یہ حال ہے کہ ظاہری اور محسوس صورتوں میں تو ہر شخص انکو سمجھ سکتا ہے لیکن دقائق اخلاق کا سمجھنا نہایت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ذمائم اخلاق میں مبتلا ہیں لیکن سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے کہ انمیں یہ ذمائم پائے جاتے ہیں، امام غزالی سے پہلے جو کتابیں تصوف میں لکھی گئی تھیں مثلاً قوت القلوب رسالہ قشیریہ وغیرہ سب میں ان مسائل کا ذکر ہے لیکن صرف نام لکھ دئے ہیں انکی حد و حقیقت نہیں بیان کی جس سے انکی اشتباہ انگیز اور مبہم صورتیں خیال میں آجائیں امام صاحب نے احیاء العلوم میں ایک ایک پر مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس تو ضیح و دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے انکی حقیقت بیان کی ہے کہ آجتک اس پر اضافہ نہ ہو سکا اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے تصوف کو فن بنا دیا۔

مجاہدہ و ریاضت میں قلب پر بہت سے حالات اور کیفیتیں طاری ہوتی ہیں انکے سیکڑوں انواع اور مدارج ہیں اور جسقدر فن تصوف کو ترقی ہوتی گئی ہے ان گوناگون کیفیتوں کیلئے خاص خاص اصطلاحیں قائم ہوتی گئی ہیں۔ امام قشیری کے زمانے تک جو اصطلاحات قائم ہو چکی تھیں انکے نام یہ ہیں۔ وقت مقام ۔ حال قبض و بسط ہیبہ ۔ انس ۔ تواجد ۔ جمع ۔ فرق ۔ جمع الجمع ۔ فنا و بقا ۔ غیبت و حضور ۔ صحو و سکر ۔ ذوق و شرب محو و اثبات ستر و تجلی ۔ محاضرہ و مکاشفہ ۔ لوائح و طوالع ۔ لوامع ۔ بوادہ و ہجوم تلوین و تمکین قرب و بعد ۔ خواطر ۔ علم الیقین ۔ حق الیقین ۔ عین الیقین ۔ لطیفہ ۔ سِر۔

امام غزالی نے اپنے رسالہ املاء عن مشکلات الاحیاء میں اصطلاحات مذکورہ پر مصطلحات ذیل اضافہ کئے۔

سفر ۔ سالک ۔ مکان ۔ شطح ۔ ذہاب ۔ وصل فصل ادب ۔ تجلی ۔ علت ۔ انزعاج ۔ غیرت ہویت ۔ فتوح وسم ۔ رسم زوائد ۔ ارادہ ۔ ہمت ۔ غربت ۔ مکر ۔ اصطلام ۔ رغبت ۔ وجد۔

امام صاحب نے ان مصطلحات کی شرح بھی کی ہے کسی کو شوق ہو تو اصل کتاب کیطرف رجوع کرے۔

تصوف اگرچہ (جیسا کہ بیان ہوا) درحقیقت صرف ایک قسم کا علم ہے یعنی علم باطن لیکن اسکے نتائج عجیب و غریب ہیں جو مقامات سے تعبیر کئے جاتے ہیں مثلاً خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا چونکہ عقائد اسلام میں داخل ہے عالم و جاہل عام و خاص سب اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن عام لوگوں کو چونکہ اس مسئلے کا علم تقلید یا استدلال سے ہوتا ہے اس لئے اس سے کوئی خاص حالت نہیں پیدا ہوتی اور افعال و اعمال پر اسکا چنداں اثر نہیں بخلاف اسکے تصوف میں اس مسئلے کا علم مشاہدہ اور کشف کی حیثیت سے ہوتا ہے یعنی صوفی کو درحقیقت چاروں طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر خضوع خشوع ہیبت خوف ادب انقیاد کی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی طرح علم ظاہری سے نہیں پیدا ہو سکتی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یا مثلاً خدا کا رزاق ہونا سب مانتے ہیں لیکن طلب معاش میں لوگوں کو جو بیقراری رہتی ہے اُس سے اعتقاد کا پتہ بھی نہیں چلسکتا بخلاف اسکے صوفیہ میں سے جو لوگ اس مقام تک پہونچتے ہیں اُنکو وہ اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ ایک ویران اور سنسان جنگل میں پہونچ جائیں جہاں سیکڑوں کوس تک آب و دانہ کا پتہ نہو تب بھی کھانے پینے کی ذرا فکر نہ ہوگی۔

اسیطرح صبر و شکر توکل رضا۔ قناعت تواضع وغیرہ کی حقیقی کیفیت صوفی پر طاری ہوتی ہے اور سلسلہ یا حال بنجاتا ہے صوفیہ کے مدارج میں اختلاف ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے موافق کوئی خاص مقام اختیار کرلیتا ہے اور اُسمیں ترقی کرتا ہے مثلاً کسی پر توکل کی کیفیت طاری ہے کوئی وجد کے مقام میں ہے کوئی محو کے عالم میں ہے کسی پر اثبات کا غلبہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بحث کے خاتمہ میں یہ راز بھی ظاہر کردینا ضرور ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں سُوفی تھا۔ اور اسکا مادہ سوفا تھا جسکے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکما کا انداز پایا جاتا تھا اسلئے لوگوں نے اُنکو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اسکا اشارہ نکلتا ہے چنانچہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں

واعلم ان الاشراقیین من الحکماء الالٰہیین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح ولا یبعد ان یؤخذ ھذا الاصطلاح من اصطلاحھم

حکمائے اشراقیہ مشرب در اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے۔ اور اگر یہ اصطلاح اُنکی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔

مُجدّدیّت

از آن کہ پیروی خلق گمرہی آرد
نمیرویم براہے کہ کارواں رفتہ است

انسان کتناہی بڑا عاقل عالم۔ تجربہ کار۔ دقیق النظر۔ آزاد طبع ہو لیکن خاندانی روایتیں قومی خیالات معاصرین کی صحبت گرد و پیش کے حالات ایسی چیزیں ہیں کہ زیادہ تر انسان انہی چیزوں کے قالب میں ڈھلتا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بلحاظ اغلب انسان کے تمام معتقدات و خیالات و ارادات انہی اسباب کے لازمی نتائج ہیں لیکن کبھی کبھی لاکھوں بلکہ کروروں میں ایک آدہ ایسا جوہر قابل بھی نکل آتا ہے جو ان تمام چیزوں میں سے کسی سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ خود ان چیزوں کو درہم برہم کر کے ایک نیا عالم پیدا کردیتا ہے یہی شخص مجدد مصلح۔ اور ریفارمر ہوتا ہے۔

امام صاحب جس زمانہ میں پیدا ہوئے تقلید کا عام تسلط ہوچکا تھا اگرچہ اسوقت بہت سے فرقے موجود تھے جن کے اصول عقائد باہم مختلف تھے۔ مثلاً معتزلہ۔ باطنیہ۔ اشعریہ۔ ماتریدیہ۔ حنبلیہ۔ اسی طرح فروعی اختلافات کے لحاظ سے بھی بہت سے مختلف فرقے موجود تھے مثلاً ظاہریہ۔ حنفیہ۔ شافعیہ۔ مالکیہ۔ لیکن ہر فرقہ اور ہر گروہ میں تقلید کا نشہ عام طور پر سرایت کرگیا تھا۔ بڑے بڑے محدثین مثلاً دارقطنی بیہقی وغیرہ جنکی واقفیت حدیث اور کثرت روایت بلا تکلف ائمہ مجتہدین سے کم نہ تھی اور جو شب و روز حدیث میں مشغول رہتے تھے اور ایک ایک حدیث پر تحقیقات و تدقیقات کا انبار لگادیتے تھے صرف اسوجہ سے کہ شافعی طریقے میں تربیت پاچکے تھے ایک مسئلے میں بھی امام شافعی کی رائے سے مخالفت نہیں کرسکتے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ حالت صرف نقلی علوم تک محدود نہ تھی بلکہ علوم عقلیہ کی بھی یہی حالت تھی ابن سینا اور فارابی جو خود ارسطو اور فلاطون کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے یونانیوں کے ہر قسم کے مزخرافات کو یقین اور قطعی سمجھتے تھے یونانی آسمانوں کو جاندار اور ذی روح سمجھتے تھے اور انکی حرکت ارادی سے تعبیر کرتے تھے بوعلی سینا نے بھی اپنی تمام تصانیف میں اسی بیہودہ خیال کی تائید کی اسطرح کے اور سیکڑوں غلط مسائل تھے جنکے متعلق کسی کو کبھی چون وچرا کا خیال تک نہیں آتا تھا۔

مذہبی فرقوں کا شمار اگرچہ بیسیوں سے متجاوز تھا لیکن بلحاظ اغلب تمام اسلامی دنیا تین فرقوں میں منقسم تھی، اشاعرہ حنبلیہ باطنیہ یہ فرقے باہم سخت مخالفت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ اور مرتد سمجھتے تھے۔ اشاعرہ اور حنبلیہ اگرچہ دونوں اہل سنت وجماعت سے تھے تاہم انمیں بھی ہمیشہ مذہبی لڑائیاں رہتی تھیں ۴۶۹ھ میں جب شریف ابو القاسم جو بہت بڑے مشہور واعظ تھے اور نظام الملک نے انکو بڑی عزت کیساتھ نظامیہ بغداد کا واعظ مقرر کیا تھا بغداد میں آئے تو منبر پر لا بنہ حنابلہ کی شان میں کہا کہ امام احمدؒ کافر نہ تھے لیکن انکے پیروکار کافر ہیں پیر انکفانہ کرکے قاضی القضاۃ کے گھر پر جاکر اسی قسم کی باتیں کہیں جسپر سخت ہنگامہ ہوا طرہ یہ کہ اس کارروائی کے صلہ میں دربار کی طرف سے انکو علم السنۃ کا خطاب ملا چنانچہ علامہ ابن اثیر نے ان واقعات کو اپنی تاریخ میں مفصل لکھا ہے الپ ارسلان سلجوقی کے زمانے میں شیعوں اور اشعریوں پر مدت تک مساجد میں سر منبر لعنت پڑھی جاتی تھی[1] نظام الملک نے اشاعرہ کی لعنت موقوف کرادی لیکن شیعہ بیچارے اسی طرح ہدف لعن رہے۔

امام ابو القاسم قشیری کے فرزند ابو نصر عبد الرحیم بہت بڑے مشہور واعظ تھے علامہ ابو اسحاق شیرازی انکے وعظ میں شریک ہوتے تھے اور علماء بغداد کا اتفاق تھا کہ ہمنے اس رتبہ کا شخص نہیں دیکھا وہ اپنے وعظوں میں ہمیشہ حنابلہ کو برا بھلا کہتے تھے یہانتک کہ سخت خونریزی ہوئی اور بہت سے لوگ جان سے مارے گئے[2]۔

ان فرقوں نے بڑھتے بڑھتے حکومت وسلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اندلس میں جیسا کہ ابن خلدون نے تصریح کی ہے اعتقادات کے لحاظ سے حنبلیہ مذہب سلطنت کا مذہب تھا چنانچہ خلفائے ملثمین جو اس زمانے میں حکمران تھے یہی مذہب رکھتے تھے باطنیہ نے مصر پر قبضہ کیا تھا اور اشعری مذہب تمام خراسان وعراق کا شاہی مذہب بن گیا تھا حکومت کے رعب سے تقلید کو اور زیادہ قوت ہو گئی تھی اور کوئی شخص مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اشاعرہ کی عملداری میں دوسرے فرقوں کے لوگ اگرچہ ناپید نہیں ہو گئے تھے لیکن نہایت گمنامی اور زاویہ نشینی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے علامہ ابن اثیر نے ۵۵۵ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس سال محمد بن احمد نے قضا کی جو ائمہ معتزلہ سے تھا اور معتزلی ہونیکی وجہ سے پورے پچاس برس تک اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا امام ابو الحسن اشعری نے جو مجموعہ عقائد تیار کیا تھا اس سے ایک ذرہ بھی انحراف کرنا جرم خیال کیا جاتا تھا علامہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ امام غزالی کے حال میں لکھا ہے والقوم اعنی الاشاعرۃ لاسیما المغاربۃ منہم یستعظمون ھذا الصنع ولا یرون مخالفۃ ابی الحسن فی نقیر و قطمیر خود امام غزالی تفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں احیاء العلوم کے مخالفین کے لکھتے

[1] ابن خلکان تذکرہ عمید کندری [2] ابن خلکان ذکر عبد الکریم ابو القاسم قشیری ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں کہ یہ لوگ اشعری کے عقیدے سے بال برابر بھی ہٹنا کفر خیال کرتے ہیں۔

امام صاحب کا ابتدائی نشو و نما اشعری فرقہ کی حیثیت سے ہوا تعلیم و تربیت کا کمال امام الحرمین کی صحبت میں حاصل ہوا جو اس زمانے میں فرقہ اشعریہ کے رئیس اور پیشوائے کل تھے دربار کا تعلق نظام الملک سے پیدا ہوا جو اشاعرہ کا بہت بڑا حامی اور پیرو تھا انکے پیر طریقت بھی غالباً اشعری ہیں غرض خاندان کا اثر اساتذہ کی تعلیم۔ سوسائٹی کا دباؤ دربار کا تعلق جو چیز تھی اسکی مقتضی تھی کہ امام صاحب کو ویسا ہی بنا دے جیسے اور انکے ہمعصر تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ انکی تعلیم قدیم طریقے کے موافق کامل ہو چکی تھی لیکن انکی مجتہدانہ طبیعت نے ان بندشوں کو توڑا اور انکو ہدایت کی استقت قلبک چنانچہ منقذ من الضلال میں لکھتے ہیں حتی انحلت عنی رابطة التقليد فتحرك باطنی الی طلب حقيقة الفطرة الاصلية یہاں تک کی تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور طبیعت کو یہ تلاش ہوئی کہ فطرت اصلی

امام صاحب کا تقلید کو چھوڑنا

تقلید کا پردہ آنکھوں سے اٹھا تو نظر آیا کہ اسلامی عقائد اسلامی اخلاق۔ اسلامی علوم اسلامی اصول حکومت ایک چیز تھی اس حالت پر نہیں جو قرون اولی میں تھی زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ ان تمام چیزوں کو رسم و رواج نے جس قالب میں بدل دیا تھا وہ مذہبی قالب خیال کیا تھا اور اسلئے انکی اصلاح میں مخالفت کا سخت اندیشہ تھا تاہم امام صاحب بلا خوف لومۃ لائم تہذیب آزادی اور دلیری سے عام اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔

عقائد کی اصلاح

عقائد کی اصلاح

عقائد کے متعلق امام صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں جنکا ذکر علم کلام کے ریویو میں گذر چکا اور اس موقع پر اس سے بحث مقصود نہیں۔ یہاں دوسری حیثیت سے ہم اسکے متعلق بحث کرنی چاہتے ہیں۔ عقائد کے متعلق سب سے پہلے امام صاحب نے یہ تفریق کی کہ وہ خاص عقائد کس قدر ہیں جن پر کفر و اسلام اور حق و باطل کا مدار ہے خدا کی صفات کا عین ماہیت یا خارج ماہیت ہونا۔ قرآن مجید کا مخلوق ہونا خدا کا قیامت میں مرئی ہونا یا نہ ہونا وجوب عدل تاویل نصوص جبر و قدر وغیرہ وغیرہ یہ تمام مسائل لوگوں نے اصول اسلام میں داخل کر لئے تھے یعنی ان مسائل کے متعلق جس فرقے نے جو رائے قائم کی تھی اسکو وہ کفر اسلام کی حد فاصل قرار دیتا تھا۔ محدثین علانیہ نہایت اصرار سے کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ قرآن مجید قائم نہیں وہ کافر ہے اسی طرح اشاعرہ معتزلہ کو معتزلہ اشاعرہ کو انہی مسائل کی بنا پر کافر کہتے تھے امام صاحب نے خود بھی ان تمام مسائل میں ایک خاص پہلو اختیار کیا لیکن یہ ظاہر کر دیا کہ یہ مسائل کفر و اسلام کی معیار نہیں۔ قدریہ اور جبریہ کو عام طور پر مجوسی جہنمی اور ناری کہا جاتا تھا امام صاحب نے اپنے رسالہ املا فی مشکلات الاحیاء میں صاف تصریح کی کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں مشکلات الاحیاء میں نہایت تفصیل اور قوت استدلال کیساتھ جہاں اس مسئلے کو طے کیا ہے اخیر میں لکھتے ہیں۔

جن عقائد پر کفر و اسلام کا مدار ہے انکی تشریح

فان قلت فاين انت من تكفير كثير من الناس والحديث بجميع اهل البدع عامة وخاصة وقول النبي صلى الله عليه وسلم في القدرية انهم مجوس هذه الامة الى آخره فاعلم

اگر تم کہو کہ یہ بھی خبر ہو؟ کہ ان لوگوں کو اکثروں نے کافر کہا ہے اور اہل بدعت کی شان میں خاص و عام دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں اور قدریہ کے حق میں تو خاص حدیث موجود ہے کہ وہ اس امت کے مجوسی ہیں تو تمکو جاننا چاہیئے کہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انہ ان کان کفرھم کثیر من العلمآء فقال یقی علیھم دنیھم وتردو فیھم کثیر۱ و اکثرھم وکل فریق منہم فی مقابلتہ من خالفہ فلیقع التحاکم عند العالم الا کبر۔

گو ان لوگوں کو اکثروں نے کافر کہا ہو لیکن جن لوگوں نے انکو مسلمان قرار دیا جن لوگوں کو انکے اسلام اور کفر میں تردد ہو انکی تعداد بھی کچھ کم نہیں بلکہ کافر کہنے والوں سے زیادہ ہو اور دونوں ایک دوسرے کے فریق مقابل ہیں انکا فیصلہ اس حاکم کے دربار میں ہوگا

مکفرین کا بڑا استدلال یہ تھا کہ حدیث میں آیا ہو کہ میری اُمت میں ۷۳ فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک ناجی ہو گا باقی سب دوزخی امام صاحب اس حدیث کو اپنے رسالہ تفرقہ میں نقل کر کے لکھتے ہیں۔

تکفیر کی

ان الحدیث الاول صحیح ولکن لیس المعنی انھم کفاد مخلدون بل انھم یدخلون النار ویعرضون علیھا ویترکون فیھا بقدر معاصیھم

پہلی حدیث صحیح ہے لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ لوگ کافر ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہینگے بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور بقدر اپنے گناہوں کے اسمیں رہیں گے۔

جو کی غلطی کا اظہار

ان فرقوں میں جس بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر اور تفسیق کرتا تھا وہ در اصل تاویل نصوص کا مسئلہ تھا۔ حنابلہ کا مذہب تھا کہ کسی لفظ کی تاویل نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ہر لفظ کے عام ظاہری معنی مراد لینی چاہئیں۔ اس بنا پر وہ تاویل کرنے والوں کو گمراہ اور بعض حالت میں کافر سمجھتے تھے۔ اشاعرہ نے تاویل کو کسی قدر وسعت دی تھی لیکن جسقدر خود وسعت دیچکے تھے اُس سے ذرہ بھر تجاوز کو کفر اور ارتداد سمجھتے تھے اور اسی بنا پر معتزلہ کو کافر یا فاسق و مبتدع کہتے تھے۔

نصوص کی تاویل

چونکہ یہی مسئلہ تمام جھگڑوں کی بنیاد تھا۔ امام صاحب نے اس مسئلے پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی اور اسپر ایک خاص رسالہ التفرقہ بین الاسلام والزندقہ لکھا اس رسالے میں امام صاحب نے یہ ثابت کیا کہ تاویل سے کسی فرقے کو چارہ نہیں حنابلہ کو جو تاویل کے بالکل منکر ہیں اُنکو بھی تین حدیثوں میں تاویل کرنی پڑی جنمیں سے ایک یہ ہو کہ حجر اسود خدا کا ہاتھ ہو اور جب ہر فرقے کو تاویل کی ضرورت پڑتی ہو تو تاویل کو کفر نہیں کہہ سکتے۔ اشاعرہ نے تاویل کا اصول یہ قرار دیا تھا کہ جس جگہ دلیل قطعی سے ثابت ہو کہ حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے وہاں تاویل کیجا سکتی ہو اس بنا پر وہ اپنے مخالفین کو مبتدع اور کافر کہتے تھے امام صاحب نے اس غلطی پر مطلع کیا کہ دلیل قطعی کا فیصلہ کیونکر ہو ایک شخص جس چیز کو دلیل قطعی سمجھتا ہو دوسرا نہیں سمجھتا مثلاً اشاعرہ کے نزدیک اسبات پر دلیل قطعی قائم ہو کہ خدا کسی جہت اور مقام کیساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا اور اس بنا پر وہ حنابلہ کو گمراہ قرار دیتے ہیں لیکن حنابلہ کے نزدیک اشاعرہ جو دلیل اپنے دعوے پر قائم کرتے ہیں وہ قطعی نہیں تاویل کے متعلق امام صاحب نے اور بہت سے نکتے بیان کئے جنکو ہم اس کتاب کے حصہ کلام میں نقل کر چکے ہیں اُن صفحوں کو ایک بار اور پڑھنا چاہیئے۔

تاویل کا اصول

تکفیر کا ایک بڑا سبب تواتر کا انکار خیال کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ فلاں مسئلہ چونکہ روایات متواترہ سے ثابت ہو چکا ہو اس لیے انکار کفر ہے امام صاحب نے اس عقدہ کو اس طرح حل کیا کہ بیشک تواتر کا انکار کفر ہے لیکن تواتر کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ قرآن مجید کے سوا کسی چیز کا تواتر سے ثابت ہونا نہایت مشتبہ ہے ممکن ہو کہ ایک گروہ کثیر ایک روایت پر متفق ہو جائے اور وہ درحقیقت صحیح نہ ہو مثلاً حضرت علی کی خلافت بلا فصل کو شیعوں کا تمام گروہ جو لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز ہے

تواتر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

متواتر بیان کرتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ متواتر۔

اجماع

تکفیر کا ایک اور بڑا سبب اجماع کا انکار کرنا قرار دیا جاتا تھا یعنی یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں مسئلہ پر چونکہ اجماع ہو چکا ہے اسلئے منکر کافر یا کم از کم فاسق و گمراہ ہے۔

امام صاحب نے بتایا کہ اجماع کا ثابت ہونا تواتر سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ اجماع کے یہ معنی ہیں کہ تمام اہل حل و عقد ایک امر پر متفق ہوجائیں اور ایک مدت تک اس اتفاق پر قائم رہیں بعضوں کے نزدیک یہ اتفاق عصر اول کے گذر جانے تک قائم رہنا چاہئے فرض کرو کہ ایسا اجماع ہوا بھی تو یہ کیونکر ثابت ہو کہ جو شخص اس مسئلے کا منکر ہے اسکو بھی اس اجماع کا یقینی علم ہے یہ بھی فرض کرو کہ علم بھی ہے لیکن جب عین اجماع کے وقت اجماع سے مخالفت کرنی جائز تھی تو اب کیوں جائز نہ ہو۔

ایک بڑی غلطی یہ تھی کہ ہر قسم کے مسائل پر بلا امتیاز کفر و فسق کا حکم نافذ کیا جاتا تھا امام صاحب نے بتایا کہ گو ایک مسئلہ سرتاپا غلط ہو لیکن اگر وہ اصول دین سے نہیں ہے تو اسپر مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیعہ کہتے ہیں کہ امام مہدی سامرہ کے سرداب میں مخفی ہیں یہ واقعہ گو غلط ہو لیکن اسکو اصول دین سے کچھ تعلق نہیں اس لئے اگر کوئی شخص اسکا قائل ہو تو اس کو گمراہ نہیں کہہ سکتے یا مثلاً بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے چاند اور سورج کو پہلے خدا کہا تھا اس سے چاند اور سورج مراد نہیں بلکہ انوار الٰہی مراد ہیں تو اس بنا پر ان صوفیہ کو مبتدع اور گمراہ نہیں کہہ سکتے۔

غرض تکفیر کی جو جو وجہیں لوگوں نے قائم کی تھیں امام صاحب نے سب کو رد کیا اور قطعی دلائل سے ثابت کیا کہ تمام کلمہ گو مسلمان ہیں اور اسلامی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں آپس میں جو اختلافات ہیں وہ اصل اسلام سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ اجتہادی اور فروعی باتیں ہیں جنکی حد اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ انمیں سے ایک صحیح ہو اور دوسری غلط

امام صاحب نے یہ فیاضی اپنے ہم مذہبوں پر محدود نہیں رکھی بلکہ انکی رائے میں بجز ان کفار کے جنکے سامنے اسلام کی حقیقت پورے طور پر ظاہر کر دی جائے اور پھر وہ ایمان نہ لائیں باقی سب مجبور و معذور ہیں چنانچہ رسالہ تفرقہ میں لکھتے ہیں

بل اقول اکثر نصاری الروم والترک فی ھذا الزمان تشملھم الرحمۃ ان شاء اللہ تعالیٰ الخ

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اکثر نصاری روم اور ترک جو ہمارے زمانے میں ہیں انکو رحمت الٰہی انشاء اللہ شامل ہوگی۔

امام صاحب کی اس فیاضی طبعی پر اگرچہ ابتدا میں بہت مخالفت ہوئی لیکن بالآخر یہ علم کلام کا مسئلہ مسلمہ بن گیا کہ اہل قبلہ جسقدر ہیں سب مسلمان ہیں چنانچہ علم کلام کی تمام کتابوں کا خاتمہ اسی مسئلے پر ہوتا ہے۔

عملی طور پر امام صاحب کی کوشش کا جو اثر ہوا وہ یہ تھا کہ اشعریہ و حنابلہ جو آپسمیں ضد یکدگر تھے اور جنمیں اختلافات عقائد کی بنا پر بارہا خونریزیاں ہو چکی تھیں، رفتہ رفتہ انکا اختلاف کم ہوتا گیا یہانتک کہ بجز بعض متعصبین کے اشاعرہ اور حنابلہ عموماً شیر و شکر ہو گئے۔ امام صاحب کی اصلاح کا عملی اثر

دارالخلافہ بغداد کے سنی و شیعہ میں بھی سنہ ۵[illegible]ھ میں صلح ہو گئی اور وہ خونریزیاں جنکی بدولت بغداد کے محلے کے محلے برباد

سلہ ۵ یہ تمام مباحث امام صاحب نے الفرقہ میں لکھے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو گئے تھے وفعۃً رک گئیں۔

اسی سلسلے میں امام صاحب نے اس طریقہ بحث کی اصلاح پر توجہ کی جو ایک مدت سے چلا آتا تھا۔

مناظرہ ومباحثہ کا طریقہ تشحیذ ذہن اور تحقیق مسائل کیلئے نہایت مفید طریقہ ہے لیکن مسلمانوں میں مذہبی مناظرہ کا جو طریقہ قائم ہو گیا تھا وہ نہایت نامناسب تھا فریق مقابل کی نسبت عموماً لعن طعن اور سب وشتم کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اور سیدھی سی بات بھی کہنی چاہئے تھی تو نہایت سخت کلامی اور درشتی کے لہجے میں کہتے تھے جس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ مخالف کو بجائے اسکے ہدایت ہوتی اور عداوت پیدا ہوتی تھی اسلامی فرقوں میں جو عداوت کینہ پروری بغض وعناد روز بروز ترقی کرتا چاتا تھا اسکی وجہ زیادہ اسی طریقہ مناظرہ کا رواج تھا۔

اس بناء پر امام صاحب نے اس نامناسب رواج کی نہایت سختی سے مخالفت کی احیاء العلوم میں مختلف مقامات پر اس کی برائیاں بیان کیں ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

فانھم یبالغون فی التعصب للحق وینظرون الی المخالفین بعین الازدراء والاستحقار ولو جلوا من جانب اللطف والرحمۃ والنصح فی الخلوۃ لا فی معرض التعصب والتحقیر لانجحوا فیہ ولکن لما کان الجاہ لا یقوم الا بالاستتباع ولا یستمیل الاتباع مثل التعصب واللعن والشتم للخصوم اتخذوا التعصب عادتھم والتہم وسموہ ذبا عن الدین ونضالا عن المسلمین وفیہ علی التحقیق ھلاک الخلق

علماء نہایت سخت تعصب ظاہر کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو حقارت اور توہین کی نظر سے دیکھتے ہیں اگر یہ لوگ مخالفوں کے مقابلے میں نرمی ملائمت اور لطف سے کام لیتے ہیں اور تنہائی میں خیر خواہی کے طور پر سمجھاتے تو کامیاب ہوتے لیکن چونکہ شان وشوکت کیلئے جماعت بندی ضروری ہے اور جماعت بندی کیلئے مذہب کا جوش ظاہر کرنا اور مخالفین مذہب کو برا کہنا ضروری ہے اس لئے ان علماء نے تعصب کو اپنا آلہ بنا لیا ہے اور اسکا نام حمایت مذہب اور مدافعت عن الاسلام رکھا ہے۔ حالانکہ درحقیقت یہ خلق کو تباہ کرنا ہے۔

جو عقائد ذہنیات اسلام میں داخل نہ تھے انپر امام صاحب نے اگرچہ اثباتاً یا نفیاً چنداں زور نہیں دیا لیکن انمیں سے جن چیزوں کا اثر انسان کی عام علمی ودماغی اور تمدنی طریقے پر پڑتا تھا انکے متعلق ضروری اصلاحیں کیں جنکی تفصیل یہ ہے۔

جن مسائل کا اثر دماغی اور تمدنی ترقی پر پڑتا تھا انکی اصلاح

عقل اور نقل کی تطبیق

(۱) عام یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا ساتھ نبھ نہیں سکتا امام صاحب نے اس خیال کو نہایت زور کیساتھ رد کیا احیاء العلوم میں لکھتے ہیں[1]

وظن من ظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم الشرعیۃ وان الجمع بینھما غیر ممکن وھو ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ نعوذ باللہ منہ بل ھذا القائل ربما تناقض عندہ بعض العلوم الشرعیۃ لبعض فیعجز عن الجمع بینھما فیظن انہ تناقض فی الدین

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں تناقض ہے اور دونوں کو جمع کرنا محال ہے لیکن یہ خیال کورنظمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نعوذ باللہ اس خیال کے آدمی کو خود علوم شرعیہ میں جہاں بظاہر تناقض نظر آئیگا اور وہ اسکی توجیہ نہ کر سکے گا تو سمجھے گا کہ مذہب کی باتوں میں تناقض پایا جاتا ہے

اسی باب میں اس عبارت سے پہلے لکھتے ہیں۔

[1] کتاب ... بیان حال النفس بالاضافۃ الی اقسام العلوم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیۃ جاھل و المکتفی بمجرد العقل عن انوار القرآن والسنۃ مغرور فایاک ان تکون من احد الفریقین وکن جامعاً بین الاصلین فان العلوم العقلیۃ کالاغذیۃ والعلوم الشرعیۃ کالادویۃ۔

جو شخص عقل کو بالکل معزول کرکے محض تقلید کی طرف بلاتا ہے وہ جاہل ہے اور جو شخص صرف عقل پر بھروسہ کرکے قرآن و حدیث سے بے پرواہ بنتا ہے وہ مغرور ہے خبردار تم ایسے ایک فریق نہ بنجانا تمکو دونوں کا جامع ہونا چاہیے کیونکہ علوم عقلیہ غذا کی طرح ہیں اور علوم شرعیہ دوا کی طرح۔

اسباب وعلل کا سلسلہ

(۲) اشاعرہ نے بعض اصول ایسے قائم کئے تھے جن سے علوم و فنون و فلسفہ و حکمت سب بیکار ہوئے جاتے تھے مثلاً یہ کہ اسباب و مسببات کا کوئی سلسلہ نہیں ہے کسی چیز میں کوئی اثر اور خاصہ نہیں ہے واقعات عالم میں کوئی ترتیب و انتظام نہیں ہے یہ اصول اگر ایک لحظہ کیلئے بھی تسلیم کرلئے جائیں تو تمام علوم و فنون تحقیقات و تدقیقات بلکہ ہر قسم کی علمی ترقیوں کا خاتمہ ہوجائے اسلئے امام صاحب نے اس اصول کو نہایت زور شور سے باطل کیا چنانچہ اسکا بیان علم کلام کے حصے میں گزر چکا ہے۔

عذاب و ثواب

(۳) عذاب ثواب کی نسبت اشاعرہ کا اعتقاد تھا کہ وہ طاعت و معصیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا جسکو چاہتا ہے بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ بہت سے لوگ جو سخت گناہوں کے مرتکب ہیں جوش کرم کی وجہ سے بخش دئے جائینگے اور بہت سے بےگناہ بے وجہ معرض عتاب میں آجائینگے یہ خیال چونکہ بظاہر انسان کی بیچارگی و عاجزی اور خدا کی عظمت و جلال کی تصویر کھینچنے کے لئے مؤثر تھا نہایت مقبول ہوگیا تھا اور اسکا انکار کرنا اہل سنت و جماعت کے فرقے سے خارج ہونیکی علامت خیال کیا جاتا تھا ہم امام صاحب نے اسکی مخالفت کی احیاء العلوم باب توبہ اقسام گناہ میں لکھتے ہیں۔

بے شبہ ہمکو یہ ماننا ضرور ہے کہ گنہگار معاف کیا جاسکتا ہے گو اُسکے گناہ بہت ہوں اور مطیع پر عتاب ہوسکتا ہے گو اُسنے بہت ظاہری عبادتیں کی ہوں کیونکہ اصلی چیز تقویٰ ہے اور تقویٰ دل سے متعلق ہے اور دل کا حال خود دل والے کو معلوم ہوتا دوسرے کا کیا ذکر ہے۔

لیکن ارباب کشف کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ عفو جب ہی ہوتا ہے جب عفو کی کوئی مخفی وجہ موجود ہوتی ہے اور غضب اسیوقت ہوتا ہے جب کوئی اندرونی سبب موجود ہوتا ہے کیونکہ ایسا نہو تو عفو و غضب کو اعمال جزا کہنا غلط ہوگا اور جزا نہوگی تو عدل نہوگا اور عدل نہوگا تو خدا کے یہ اقوال صحیح نہونگے کہ وما ربک بظلام للعبید۔ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ حالانکہ وہ بالکل سچ ہے کیونکہ انسان کو صرف اپنی کوشش کا نتیجہ ملتا ہے اور یہ مسئلہ ارباب کشف پر اسطرح کھل گیا ہے کہ آنکھ سے دیکھنے سے بڑھکر ہے

(۴) باطنیہ کی مخالفت اور عوام کی اشمالت و ہمزبانی کیوجہ سے الہیات اور معاد میں جسمانیت کا پہلو اسقدر غالب ہوگیا تھا کہ روحانیت کا نام و نشان نہیں رہا تھا مثلاً لوح محفوظ کے یہ معنی قرار دئے جاتے تھے کہ سونے یا چاندی کا بہت بڑا تختہ ہے جسپر تمام واقعات عالم نہایت جلی اور عمدہ خط میں لکھے ہوئے ہیں اسیطرح اور تمام روحانیت کو شارع نے جن تمثیلی پیرایوں میں ادا کیا تھا اسکو محض جسمانی قرار دیا جاتا تھا امام صاحب نے متعدد کتابوں میں اور خصوصاً جواہر القرآن میں نہایت تفصیل سے اسپر بحث کی مضمون صغیر میں لوح و قلم کے متعلق جہاں بحث کی ہے اخیر میں لکھتے ہیں۔

فلا یبعد ان یکون قلم اللہ تعالیٰ لا کحرکتنا ماصبعہ ویدکہ وکل ذالک علی تشبیہ اسکے ہاتھ اور انگلیاں ہیں اور یہ سب اسکی ذات اور اسکی کلیۃ شان کے موافق ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بما یلیق بل انتروا لیفتہ نقاس عن حقیقۃ الجسمیۃ بل جملتہا جواہر روحانیۃ کیونکہ خدا جسمانیت سے پاک ہے بلکہ یہ سب چیزیں جواہر نورانی ہیں
احیاء العلوم باب توبہ کیفیۃ توزع الدرجات میں لکھتے ہیں و کذلک قد یرد فی امر الآخرۃ ضرب امثلۃ یکذب بہا الملحد بجمود نظرہ علی ظاہر المثال و تناقضہ عندہ کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤتی بالموت یوم القیامۃ فی صورۃ کبش املح فیذبح یعنی قیامت کے باب میں اکثر باتیں بطور تمثیل کے آئی ہیں جنسے ملحد آدمی اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ وہ لفظ ظاہری معنوں پر انکو محمول کرتا ہے مثلاً آنحضرت کا یہ قول کہ قیامت میں موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائیگی اور ذبح کر دیجائیگی۔

اس مضمون کو امام صاحب نے اس کثرت سے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے کہ انکا انتخاب بھی یہاں درج نہیں ہو سکتا ناظرین کو جواہر القرآن معارج القدس مضنون کبیر صغیر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اس موقع پر یہ ظاہر کرنا بھی ضرور ہے کہ باوجود اسکے امام صاحب کی ہمیشہ یہ رائے رہی کہ عوام کے سامنے ان روحانیات کو جسمانی ہی پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہیئے کیونکہ وہ روحانیت کا تصور نہیں کرسکتے اور اسلئے انکے سامنے کسی شے کو روحانی کہنا گویا انکار کرنا ہے۔

مذہب کی غرض و غایت

(۵) مذہب کی غرض و غایت لوگوں نے صرف بہشت کے لذائذ اور حظوظ قرار دئے تھے امام صاحب نے نہایت زور سے اس بات پر توجہ دلائی کہ یہ چیزیں انسان کا مقصد اعلیٰ نہیں ہو سکتیں احیاء العلوم باب توبہ کیفیۃ توزع الدرجات میں جہاں عارفان الٰہی کا درجہ بیان کیا ہے لکھتے ہیں

واما الحور والقصور والانہار من اللبن والعسل والخمر والحلی والاساور فانہم لا یحرصون علیہا ولو اعطوہا لم یقنعوا بہا ولا یطلبون الا لذۃ النظر الی وجہ اللہ تعالی الکریم

باقی حور و قصور و نہریں دودھ۔ شہد۔ شراب زیور اور کنگن تو وہ لوگ ان چیزوں کی خواہش نہ کرینگے اور انکو اگر یہ چیزیں دیجائیں گی تو قناعت نہ کرینگے انکا مقصد صرف دیدار الٰہی ہوگا۔

تعلیم کی اصلاح

تعلیم کی اصلاح

قوم کی مذہبی اخلاقی۔ تمدنی ترقی اور تہذیب کا مدار تعلیم اور طرز تعلیم پر ہے تعلیم درحقیقت قوم کا مایہ خمیر ہے یعنی قوم کا بننا بگڑنا تعلیم ہی کے بننے بگڑنے پر موقوف ہے اسلام میں اگرچہ ایک مدت سے تعلیم کا رواج عام ہو چکا تھا اور امام صاحب کا زمانہ تعلیم کے اوج شباب کا زمانہ تھا لیکن طرز تعلیم میں بہت سی ایسی اغلاط پیدا ہو گئی تھیں جنکا اثر مذہب اخلاق اور تمدن سب پر پڑتا تھا۔

مذہبی اور غیر مذہبی علوم کی تفریق

(۱) سب سے بڑا اختلاط مبحث یہ تھا کہ مذہبی اور غیر مذہبی علوم آپس میں مختلط ہو گئے تھے یعنی جو علوم اور درحقیقت مذہبی نہ تھے وہ مذہبی علوم خیال کئے جانے لگے تھے اور اسی حیثیت سے انکی تعلیم دیجاتی تھی اس سے دو قسم کے سخت ضرر پیدا ہو گئے تھے۔

(۱) چونکہ ان علوم کو مذہبی عظمت دیدی گئی تھی اسلئے انکی طرف اسقدر اعتنا ہو گیا تھا اور انکی تعلیم میں اسقدر زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے کہ دوسرے ضروری علوم کیطرف بے التفاتی ہو گئی تھی یا انکے لئے سرے سے وقت نہیں ملتا تھا (۲) بہت بڑا ضرر یہ تھا کہ یہ علوم چونکہ مذہبی حیثیت سے حاصل کئے جاتے تھے اسلئے انکے مسائل جو اختلاف و نزاع پیدا ہوتی تھی وہ مذہبی رنگ پکڑ لیتی تھی اور اسلئے اختلاف و نزاع کو زیادہ قوت ہو جاتی تھی اور فریقین میں اس قسم کے بغض و عناد و نفاق و شقاق پیدا ہوتا جاتا تھا جو مذہبی اختلافات کا خاصہ ہے علماء کے گروہ میں ایک مدت سے جو اختلافات اور ان اختلافات کی وجہ سے تکفیر و تفسیق سب و لعن جنگ و جدل کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دستور چلا آتا ہے وہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے ادب منطق نحو ریاضی وغیرہ کے مسائل کے متعلق علما میں جب بحث و مناظرہ کی وجہ سے ردّ و قدح کی نوبت آتی ہے تو تکفیر اور تفسیق سے کبھی کام نہیں لیا جاتا لیکن فقہا و متکلمین میں جزئیات مسائل پر بحث چھڑ جاتی ہے تو کم سے کم تفسیق ورنہ تکفیر کے بغیر تسلی نہیں ہوتی (۳) جو علوم درس میں داخل تھے انمیں ترجیح و مساوات کا اندازہ صحیح نہیں لیا گیا تھا بعض علوم پر ضرورت سے زیادہ وقت صرف کیا جاتا تھا اور بعض پر قدر ضرورت سے بھی کم توجہ کیجاتی تھی (۴) عقلی اور صنعتی علوم یعنی طب و صنعت وغیرہ بالکل درس میں داخل نہ تھے (۵) علم اخلاق بھی درس میں داخل نہ تھا امام صاحب نے ان تمام غلطیوں کی احیاء العلوم کے دیباچہ میں اس بحث پر ایک نہایت مفصل اور مدلل مضمون لکھا ہے جسکی سرخی یہ ہے۔

الباب الثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامها واحکامها وفیہ بیان ما هو فرض عین وما هو فرض کفایة وبیان ان موقع الکلام والفقه من علم الدین الی ای حد هو۔

دوسرا باب اس بیان میں ہے کہ علم محمود کونسا ہے اور مذموم کون اور یہ کہ انکے احکام اور اقسام کیا ہیں اور یہ کہ انمیں کونسا فرض عین ہے اور کونسا فرض کفایہ اور یہ کہ علم دین میں فقہ اور کلام کا کیا درجہ ہے۔

اس مضمون میں نہایت تدقیق سے علوم شرعیہ و غیر شرعیہ محمودہ وغیر محمودہ میں تفریق کی ہے علوم شرعیہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ اصول۔ فروع۔ مقدمات یعنی نحو و لغت متممات یعنی فن قراءت و تفسیر پھر فروع کی دو قسمیں کی ہیں اور پہلی قسم کی نسبت لکھا ہے

احدهما یتعلق بمصالح الدنیا ویحویه کتب الفقه والمتکفل به الفقهاء وهم علماء الدنیا۔

انمیں سے ایک دنیوی مصالح سے متعلق ہے اور کتب فقہ اس پر حاوی ہیں اس فن کے متکفل فقہا ہیں اور علمائے دنیا میں محسوب ہیں۔

فقہ کو دنیوی علوم میں شمار کرنا چونکہ تعجب انگیز بات تھی اسلئے خود اعتراض کیا کہ

فان قلت لم الحقت الفقه بعلم الدنیا والحقت الفقهاء بعلماء الدنیا

اگر تم یہ کہو کہ فقہ کو تم نے دنیاوی علوم میں کس لحاظ سے داخل کیا اور فقہا کو علمائے دنیا

پھر نہایت تفصیل سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ فقہ درحقیقت دنیاوی علوم میں داخل ہے (ناظرین کو اصل کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے)

اسی بحث میں ایک نہایت مفصل مضمون اس مسئلے پر لکھا ہے کہ علوم شرعیہ یعنی فقہ توحید تذکیر حکمۃ علم کے جو معنی قرون اولی میں تھے وہ آجکل بدل دیئے گئے۔

فقہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسکے معنی قرون اولی میں تزکیۂ نفس خوف عاقبت اور دنیا سے بے نیازی کے تھے قرآن مجید میں تفقہوا کا لفظ جو وارد ہے اس سے یہی فقہ مراد ہے نہ کہ طلاق عتاق لعان سلم اور اجارہ کے مسائل چنانچہ اسکی دلیل میں لکھتے ہیں۔

فذالك لایحصل به انذار ولا تخویف بل التجرد له علی الدوام یقسی القلب وینزع الخشیة منه کما نشاهد الان من المتجردین له

کیونکہ اس قسم کے مسائل سے تخویف اور ترہیب نہیں حاصل ہوتی بلکہ ان مسائل میں شب و روز مصروف رہنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور خوف جاتا رہتا ہے چنانچہ جو لوگ اس شغل میں منہمک ہیں انکی یہ کیفیت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں

فقہ کے ایک خاص حصے کی نسبت جسکو فقہاء کی اصطلاح میں خلافیات سے تعبیر کیا جاتا ہے لکھتے ہیں۔

واما الخلافیة التی احدثت فی هذه الاعصار المتاخرة

باقی خلافیات جو اخیر زمانے میں پیدا ہوگئیں تو خبردار اسکے پاس نہ پھٹکنا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فایاک ان تحوم حولها واجتنبها اجتناب السم القاتل — اور اس سے اس طرح بچنا جس طرح زہر قاتل سے بچتے ہیں۔

علم توحید یعنی علم کلام کے متعلق لکھتے ہیں۔

قرون اولی میں علم توحید جس چیز کا نام تھا آجکل متکلمین کے خیال میں بھی نہیں ہے اور خیال میں بھی ہو تو اسپر عمل نہیں کر سکتے۔ علم توحید کے معنی قرون اولی میں اس اعتقاد رکھنے کے تھے کہ عالم کے تمام واقعات صرف خدا سے وابستہ ہیں اور اسباب اور وسائط محض بیکار ہیں اس اعتقاد کا یہ نتیجہ ہے کہ غصہ و غضب کا مادہ انسان سے بالکل مسلوب ہو جائے اور کسی شخص سے اسکو رنج و عداوت نہ رہے توکل بھی اسی توحید کا نتیجہ ہے لیکن اب علم توحید ان باتوں کا نام ہے مجادلہ و مناظرہ کے قواعد کا جاننا۔ مخالف کے تناقص اور اختلاف کا تفحص کرنا۔ کثرت سے شبہے اور اعتراضات پیدا کرنا الزامی جواب دینا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ قرون اولی میں ان چیزوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگ ان باتوں کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ اور اس قسم کی بحث کرنیوالوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے، امام صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

اللفظ الثالث التوحيد وقد جعل الآن عبارة عن صناعة الكلام ومعرفة طريق المجادلة والاحاطة بطرق مناقضات الخصوم والقدرة على التشدق فيها بتكثير الاسئلة واثارة الشبهات وتاليف الالزامات مع ان جميع ما هو خاصة هذه الصناعة لم يكن يعرف منها شئ في العصر الاول بل كان يشتد منهم النكير على من كان يفتح بابا من الجدال۔

علوم کی تحصیل میں تناسب ملحوظ رکھنے کے لحاظ سے امام صاحب نے علوم کی دو قسمیں قرار دی ہیں، فرض عین فرض کفایہ یہ امر ہمیشہ سے مسلم رہا ہے کہ علوم میں سے بعض ایسے ہیں جنکا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور بعض ایسے جنکا حاصل کرنا ہر شخص پر فرداً فرداً فرض نہیں بلکہ جماعت میں سے ایک آدمی بھی سیکھ لے تو اوروں کے سر سے وہ فرض اتر جاتا ہے لیکن ان علوم کے تعیین میں اختلاف ہے متکلمین کے نزدیک جس علم کا سیکھنا فرض عین ہے وہ علم کلام ہے فقہاء کے نزدیک فقہ محدثین کے نزدیک حدیث مفسرین کے نزدیک تفسیر۔

امام صاحب نے ان تمام اقوال سے اختلاف کیا اور ایک مثال کے ضمن میں فرض عین کی اسطرح تشریح کی۔ فرض کرو ایک شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اسپر اسوقت صرف کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا اور اسپر اعتقاد لانا فرض ہے اس اعتقاد کے لئے دلائل اور براہین کی ضرورت نہیں اب نماز کا وقت آگیا تو نماز کا سیکھنا فرض ہو جائیگا اسی طرح روزہ زکوۃ حج لیکن ان فرائض کے صرف ضروری ارکان سیکھنے فرض ہونگے مستحبات اور نوافل اور دوسری قسم کی تحقیقات اور تفصیلات کا سیکھنا فرض عین نہیں یہ اوامر کا حال ہے، نواہی کی تعلیم بھی حسب موقع فرض ہو جائیگی مثلاً کسی شہر میں شراب اور سور کا گوشت کھانیکا رواج ہو تو وہاں شراب اور سور کی حرمت کا جاننا فرض ہوگا۔

غرض امام صاحب نے علوم مروجہ میں سے ایک علم کو بھی فرض عین نہیں قرار دیا۔ انکے نزدیک سب فرض کفایہ ہیں فرض کفایہ کے متعلق مستقل عنوان قائم کرکے نہایت مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فرض کفایہ کی دو قسمیں ہیں۔ علوم شرعیہ، علوم دنیویہ۔

علوم شرعیہ میں جس قدر فرض کفایہ ہے اُسکی تفصیل یہ ہے۔

تفسیر میں کوئی تفسیر جسکی ضخامت قرآن مجید سے دوگنی ہو مثلاً تفسیر وجیز یا بہت سے بہت تگنی مثلاً تفسیر وسیط۔

حدیث میں صحیحین یا زیادہ شوق ہو تو وہ صحیح حدیثیں جو صحیحین میں نہیں ہیں۔

فقہ میں مختصر مزنی، یا زیادہ سے زیادہ وسیط کے برابر کوئی کتاب۔

علم کلام میں کوئی مختصر سی کتاب مثلاً قواعد العقائد یا زیادہ سے زیادہ اقتصاد فی الاعتقاد جو سو ورق میں ہے (علم دنیویہ کے متعلق لکھتے ہیں

اما فرض الکفایۃ فھو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام امور الدنیا کالطب اذ ھو ضروری فی حاجۃ بقاء الابدان وکالحساب فانہ ضروری فی المعاملات وقسمۃ المواریث فلا تتعجب من قولنا ان الطب والحساب من فروض الکفایات وان اصول الصناعات ایضاً من فروض الکفایات کالفلاحۃ والحیاکۃ والسیاسۃ بل الحجامۃ والخیاطۃ۔

فرض کفایہ وہ علم ہے جسکے بغیر دنیاوی ضرورتیں انجام نہ پاسکتی ہوں مثلاً علم طب کیونکہ بقاء زندگی کیلئے وہ ضروری ہے یا علم حساب کیونکہ معاملات میں اور تقسیم ترکہ میں اسکی ضرورت پڑتی ہے (اس کے بعد لکھتے ہیں) ہمارے اس قول پر کہ طب و حساب فرض کفایہ ہے تعجب نکرنا چاہیے بلکہ صنعتی علوم بھی فرض کفایہ ہیں مثلاً کاشتکاری جولاہہ پن سائیسی بلکہ حجامت اور درزی گری۔

جیساکہ امام صاحب نے بیان کیا علوم دینیہ کی طرح بہت سے دنیوی علوم بھی اگرچہ فرض کفایہ تھے لیکن لوگ دنیوی علم کی طرف مطلق رُخ نہیں کرتے تھے۔ (امام صاحب نے اسکی اصلی وجہ ظاہر کی چنانچہ لکھتے ہیں۔

فکم من بلدۃ لیس فیہا طبیب الا من اھل الذمۃ ولا یجوز قبول شہادتہم فیما یتعلق بالاطباء من احکام الفقہ ثم لا نری احداً یشتغل بہ ویتہاترون علی علم الفقہ۔ ھل لھذا سبب الا ان الطب لیس یتیسر الوصول بہ الی تولی الاوقاف والوصایا وحیازۃ مال الایتام وتقلد القضاء والحکومۃ والتقدم بہ علی الاقران والتسلط بہ علی الاعداء

بہت سے ایسے شہر ہیں جہاں صرف یہودی عیسائی طبیب ہیں اور ان کی شہادت سے فقہ کی طبی مسائل میں جائز نہیں باوجود اسکے ہم دیکھتے ہیں طب کو کوئی نہیں سیکھتا اور فقہ پر گرے پڑتے ہیں (پھر اسکی وجہ بتاتے ہیں) کیا اسکا اور کچھ سبب ہو سکتا ہے بجز اسکے کہ طب کے ذریعے سے یہ بات نہیں حاصل ہو سکتی کہ اوقات پر وصیتوں پر یتیموں کے مال پر قبضہ حاصل ہو قضا کا عہدہ حکومت ہاتھ آئے ہمعصروں پر تفوق حاصل ہو مخالفین کو زیر کیا جائے۔

علوم عقلیہ میں سے منطق کو علم کلام کا ایک حصہ قرار دیا اور فلسفہ کی نسبت یہ تشریح کی کہ الٰہیات کے جو مسائل مذہب کے مخالف ہیں وہ کفر و بدعت ہیں باقی علم کلام میں داخل ہے طبیعیات میں بھی جو مسائل مخالف مذہب ہیں وہ باطل ہیں باقی کے سیکھنے کا مضائقہ نہیں گو وہ ضروری بھی نہیں۔

امام صاحب نے فقہ و کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی وہ دنیائے اسلام میں بالکل ایک نئی صدا تھی اور امام صاحب ہی کا حوصلہ تھا کہ وہ اس قسم کی رائے ظاہر کرسکے امام صاحب خود بھی اس سے بےخبر نہ تھے چنانچہ اپنے اوپر آپ اعتراض کرتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وعلماء الافذاذ المشهورون بالفضل هم الفقهاء والمتکلمون وهم افضل الخلق عند الله تعالیٰ فکیف تنزل درجاتهم الیٰ هذه المنزلة السافلة بالاضافة الیٰ علم الدین

علمائے امت جنکی فضیلت مشہور ہے وہ فقیہہ اور متکلمین ہی ہیں اور یہی لوگ خدا کے نزدیک بہترین خلائق ہیں باوجود اسکے تم ان کا درجہ دینی حیثیت سے اس قدر گرائے دیتے ہو یہ کیوں۔

پھر نہایت تفصیل سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جسکے لئے اصل کتاب کیطرف رجوع کرنا چاہیئے امام صاحب نے علوم کی جو تقسیم کی اور ضروری غیر ضروری ہونیکے لحاظ سے انکی جو مراتب قرار دیئے اگرچہ ایسا کرنا تمام دنیا سے لڑائی مول لینی تھی چنانچہ اسی بنا پر علماء کا ایک جم غفیر ان کا دشمن ہوگیا لیکن ایک مجدد کا یہی فرض تھا کہ تمام قوم کو اس عالمگیر غلطی سے بچائے جو ایک مدت سے چلی آتی تھی اور جس نے مسلمانوں کی مذہبی علمی اور تمدنی حالت کو سخت نقصان پہونچایا تھا۔ اس غلطی کا نتیجہ تھا کہ چار سو برس کی مدت گذرنے پر بھی ایک شخص بھی ایسا پیدا نہوا جو علم عقلیہ و نقلیہ دونوں سے آشنا ہوتا۔ اسی غلطی کا نتیجہ تھا کہ سیکڑوں ہزاروں علماء نہایت چھوٹے چھوٹے جزئی مباحث عقائد میں تمام عمر صرف کر دیتے تھے اور اسکو حمایت دین سمجھتے تھے اسی غلطی کا نتیجہ تھا کہ قدریہ، جبریہ، معتزلہ کرامیہ وغیرہ کے مقابلے کیلئے دفتر کے دفتر تیار ہوگئے جنکا ماحصل صرف لفظی بحثیں تھیں اسی غلطی کا نتیجہ تھا کہ فقہائے شافعیہ و حنفیہ و حنابلہ میں برسوں نہایت ناگوار نزاعیں قائم رہیں۔

اسی غلطی کا نتیجہ تھا کہ فقہاء مذہبی اقتدار کے بل پر جس شخص کو چاہتے تھے کافر اور واجب القتل بنا دیتے اور یہ سلسلہ تھمتا تک بند نہ ہوسکا چنانچہ محدث ابن حزم ظاہری۔ شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول، منصور حلاج ابن تیمیہ ابن رشد کا جو انجام ہوا محتاج اظہار نہیں

نصاب تعلیم میں منطق وفلسفہ داخل ہوگئے

امام صاحب کی اصلاح کا اثر اگرچہ فوراً ظاہر نہیں ہوا لیکن رفتہ رفتہ اسنے تعلیم کی حالت بالکل بدل دی تعلیم کے نصاب میں فقہ و کلام کیساتھ منطق اور فلسفہ داخل ہوگیا دنیوی علوم کیلئے اتنا کافی وقت نکل آیا کہ فقہا اور محدثین بھی ریاضی دان اور حساب دان ہونے لگے، فقہ میں سے علم الخلافیات کا حصہ بالکل خارج ہوگیا۔ کلام کے بہت سے غیر ضروری مباحث چھٹ گئے۔

اخلاق کی اصلاح

اخلاق کی اصلاح

اخلاق کے متعلق اگرچہ فلسفۂ اخلاق کے عنوان میں ہم مفصل بحث کر چکے ہیں لیکن یہاں ایک دوسری حیثیت سے اسپر بحث کرتے ہیں امام صاحب نے قوم کے اخلاق کی درستی پر توجہ کی تو سب سے مقدم اور قابل غور مسئلہ یہ تھا کہ اُن بداخلاقیوں کا ذمہ دار کون ہے؟ یا یہ کہ اُنکا اصلی مخرج کیا ہے؟ امام صاحب کو اس مسئلے پر غور کرنیکے لئے کافی وقت اور سامان مل چکا تھا قوم مجموعہ کے جو اجزا تھے یعنی سلاطین، وزراء، امراء، علماء، صوفیہ، امام صاحب ان سب سے مل چکے تھے اور اس طرح ملے تھے کہ انکا کوئی اخلاقی پہلو انکی نظر سے رہ نہیں گیا تھا اس تحقیق اور تجربہ کے لحاظ سے امام صاحب نے جو فیصلہ کیا اُسکو ہم اپنے الفاظ میں ادا نہیں کرسکتے خود انکے الفاظ یہ ہیں۔

فساد الرعایا بفساد الملوک وفساد الملوک بفساد العلماء وفساد العلماء باستیلاء حب المال والجاه۔

رعایا اس وجہ سے ابتر ہوگئی کہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی اور سلاطین کی حالت اس وجہ سے بگڑی کہ علماء کی حالت بگڑ گئی اور علماء کی خرابی اس وجہ سے ہے کہ جاہ و مال کی محبت نے انکے دل کو چھا لیا

امام صاحب کو اس فیصلے کی جرأت زیادہ تر اس وجہ سے ہوئی کہ انپر خود یہ حالت گذر چکی تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

۱؎ احیاء العلوم باب امر بالمعروف

محدث عبد الغافر فارسی نے امام صاحب کے دونوں زمانے دیکھے ہیں انکا بیان[۵] ہے کہ امام صاحب جب صوفی نہیں ہوئے تھے بہت جاہ پسند اور خود پرست تھے۔ اسلام نے حکومت، تمدن، اخلاق، ہر چیز کی اصلی بنیاد اسی سبب پر رکھی تھی اسی بنا پر جو لوگ مذہبی پیشوا تھے وہ قوم کے ہر طبقہ پر ہر حیثیت سے حکمرانی کر سکتے تھے قرون اولیٰ میں علمائے دین نے اس قوت سے کام لیا اور اسکی وجہ سے قوم کی حالت بہت کچھ اصلاح یافتہ رہی علمار کا یہ اقتدار امام صاحب کے زمانے تک بھی قائم تھا یہانتک کہ جب نظام الملک سلجوقی نے تمام ملک سے اپنی نیکنامی کا محضر لکھوایا تو علامہ ابو اسحاق شیرازی نے محضر پر یہ عبارت لکھدی دو نظام الملک اور ظالموں سے اچھا ہے لیکن اکثر علما نے اپنی یہ حالت کر لی تھی کہ وہ اس اقتدار سے کام لینے کے قابل نہیں رہے تھے انکے اخلاق خود نہایت خراب ہو گئے تھے اور اس وجہ سے وہ دوسروں کے اخلاق کی اصلاح کرنیکی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس بنا پر امام غزالی کے نزدیک تمام قوم کی بد اخلاقی کے ذمہ وار علمار ہی تھے۔

علمار کی اصلاح

کوئی شخص اگر امام صاحب کے تمام حالات اور خیالات کو غور کی نگاہ سے دیکھے تو اسکو صاف نظر آئیگا امام صاحب کو سب سے زیادہ جس چیز کا رونا ہے وہ علمار کی حالت ہے یہ آگ انکے دل میں اسقدر بھری ہوئی ہے کہ ذرا سی تحریک سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے کسی قسم کا ذکر ہو کوئی بحث ہو کوئی تذکرہ ہو بہر صورت یہ رونا خواہ مخواہ انکی زبان پر آجاتا ہے اور احیار العلوم تو سر تا پا اسی نوحہ سے لبریز ہے غرور جاہ ریا وغیرہ عیوب نفسانی پر جو مضامین لکھے ہیں سب میں تصریح کی ہے کہ یہ عیوب سب سے زیادہ علمار میں ہیں۔

احیار العلوم میں ایک خاص باب غرور کے عنوان سے قائم کیا ہے اور غرور کے معنی دہوکہ میں پڑنے کے قرار دئے ہیں اس باب میں مغرورین کے چار گروہ قرار دئے ہیں، علمار، عباد، متصوفہ، امرار، علمار میں سے ہر گروہ یعنی متکلمین فقہار قرار وغیرہ کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے اور نہایت تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ لوگ کسطرح اپنے افعال اور اعمال کے متعلق دہوکے میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ایک گروہ ہے جو رات دن فتووں کے لکھنے میں مصروف ہے لیکن غرور حسد غیبت مال حرام کہانا سلاطین کی خوشامد کرنے رشا یہ تمام عیوب انمیں پائے جاتے ہیں اور انکی اصلاح کی کچھ فکر نہیں۔

مفتی

ایک گروہ ہے جو شب و روز مسائل اختلافیہ کے متعلق بحث و مناظرہ میں مصروف رہتا ہے شب و روز یہ تلاش رہتی ہے کہ فریق مخالف کو کیونکر ساکت کیا جائے انکی غلطیوں پر کسطرح مواخذہ کیا جائے اسکے اقوال میں کیونکر نقص ثابت کیا جائے۔

وھو لآء ھم سباع الانس طبعھم الایذاء وھمہم السفہ — یہ لوگ درندہ ہیں اور لوگوں کا ستانا اور بیہودہ پن کرنا انکی فطرت میں داخل ہے

[illegible]

ایک گروہ ہے جو علم کلام میں مصروف ہے انکا شغل جرح و قدح رد و اعتراض نکتہ چینی مخالف کی غلطیوں کی جستجو حریف کے ساکت کرنیکے وسائل کی تلاش ہے حالانکہ ان باتوں نے فریق مخالف کا تعصب اور بڑہتا ہے صحابہ اس قسم کے مناظرات و مجادلات سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے اور اسکو برا سمجھتے تھے

[illegible]

ایک گروہ ہے جو وعظ و پند میں مصروف ہے اور خوف و رجا صبر و شکر توکل زہد یقین اخلاص صدق وغیرہ مضامین کو نہایت موثر طریقے سے ادا کرتا ہے لیکن خود ان باتوں سے بالکل خالی ہے۔ ایک گروہ ہے جسنے وعظ میں عبارت آرائی۔ رنگینی اشعار خوانی قصہ گوئی کا طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ مجلس میں خوب جوش ہو اور مجلس وجد میں آجائے۔

[۵] احیار العلوم باب امر بالمعروف [illegible]

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فهؤلاء شياطين الانس ضلوا واضلوا عن سواء السبيل وهو وما طاهل الزمان كافة الا من عصمه الله على انه في بعض اطراف البلاد وان كان لسنا نعرفه۔

یہ لوگ شیاطین الانس ہیں جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں آجکل کے زمانے کے تمام واعظ ایسے ہی ہیں مگر ہاں کوئی شخص شاذ و نادر کسی کونے میں اسکے خلاف ہو تو ہو اگرچہ ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہیں۔

امام صاحب نے صرف نکتہ چینی اور عیب گیری پر قناعت نہیں کی بلکہ نہایت غور و نکتہ سنجی سے علماء کی اخلاق کی خرابی کے اسباب دریافت کئے تمام خرابیوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ علماء کو اپنے تمام افعال اور اعمال کی نسبت مذہبی حیثیت کا دہوکہ تھا اور اسلئے انکو اپنی برائی بھلائی کی صورت میں نظر آتی تھی مثلاً انکا مخالف پر غصہ آتا تھا اور اسکو یہ الحب للہ کہتے تھے کہ اعداء دین کو خوار و ذلیل کرنا عین حمیت اسلام ہے یا مثلاً طبیعت میں جاہ پرستی ہوتی تھی تو سمجھتے تھے کہ شان و شوکت سے رہنا مذہب کے اعزاز کیلئے ضروری ہے یا مثلاً مباحثہ و مناظرہ کے ذریعہ سے مقتدائے عام بننا چاہتے تھے تو انکا نفس انکی تائید کرتا تھا کہ اہل بدعت کے مقابلہ کرنے سے بڑھکر اسلام کی کیا خدمت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح تمام برے جذبات انکو عمدہ پیرایوں میں نظر آتے تھے۔

علما کی اخلاق کی خرابی کے اسباب

اخلاق کی خرابی کا ایک بڑا سبب مناظرہ اور مجادلہ کا رواج تھا دوسری صدی ہی میں یہ طریقہ پیدا ہوا تھا کہ سلاطین اور امراء اپنے دربار میں مجالس مناظرہ منعقد کرتے تھے اور علماء انمیں شریک ہو کر آپس میں علمی مباحثے کرتے تھے رفتہ رفتہ اس کا عام رواج ہو گیا یہانتک کہ کسی کے ہاں ماتم پرسی میں بھی علما جمع ہو جاتے تھے تو مناظرہ شروع ہو جاتا تھا چنانچہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں تصریح اسکے رواج کا ذکر کیا ہے یہ طریقہ اس قدر لازمی ہو گیا تھا کہ جب امام غزالی دوبارہ بغداد میں تشریف لے گئے تو اسی بنا پر انہوں نے انکار کیا کہ وہاں مناظرہ کے بغیر چارہ نہیں اور میں اب مناظرہ سے توبہ کر چکا ہوں۔

مناظرہ و مجادلہ

یہ طریقہ اگرچہ علم و فن کی وسعت اور ترقی کیلئے مفید تھا لیکن رفتہ رفتہ اسنے بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں امام صاحب نے خاص اس مسئلے پر احیاء العلوم میں ایک جداگانہ عنوان قائم کیا جسکے الفاظ یہ ہیں۔

الباب الرابع في سبب اقبال الخلق على علم الخلاف وتفصيل آفات المناظرة والجدل وشروط اباحتهما۔

چوتھا باب اس بیان میں کہ لوگ علم خلاف پر کیوں زیادہ گر پڑتے ہیں اور یہ کہ مناظرہ و جدل میں کیا آفتیں ہیں اور اسکے جائز و مباح ہونیکی کیا شرطیں ہیں۔

اس مضمون میں امام صاحب نے پہلے اس طریقے کے قائم ہونیکی تاریخ لکھی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد جب خلفائے راشدین نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو چونکہ انکو خود اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اسلئے مسائل فقہیہ وہ خود اپنی رائے سے فیصل کرتے تھے خلفائے راشدین کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر بیٹھے وہ علوم دینیہ سے کم واقفیت رکھتے تھے اسلئے انکو فقہاء سے استعانت کی ضرورت پیش آئی اس زمانے تک ایسے فقہا موجود تھے جنمیں صحابہ کا انداز پایا جاتا تھا اور اسلئے وہ سلطنت اور حکومت کے تعلقات سے گریز کرتے تھے لیکن چونکہ انکے بغیر افتا اور عدالت کا کام نہیں چل سکتا تھا خلفائے بنو امیہ کو انکی خدمت میں منت و سماجت کرنی پڑتی تھی۔

یہ حالت دیکھکر تمام لوگ فقہ پر ٹوٹ پڑے اور اس فن میں مہارت حاصل کر کے معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے لیکن جسقدر انکی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انکی تعداد بڑہتی گئی اُنکی قدر اور اُنکا اعزاز گہٹتا گیا۔ نوبت یہ پہونچی کہ فقہا پہلے مطلوب تھے تو اب طالب بن گئے۔ اسی زمانہ میں سلاطین کو مناظرے و مباحثے کے تماشا دیکھنے کا شوق ہوا اُنکی رغبت دیکھکر علماء نے اس طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل فن بن گیا جو آجتک برابر ترقی کرتا جاتا ہے اسکے بعد امام صاحب نے نہایت تفصیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مناظرے سے کہ مناظرے سے تفاخر، حسد، رشک، کینہ، جاہ پرستی حب مال، فضول گوئی، قساوت قلب پیدا ہوتی ہے آخیر میں لکھتے ہیں۔

ولا ينفك اعظمهم دينا و اكثرهم عقلا عن جمل من مواد هذه الاخلاق۔

بڑے سے بڑے دیندار اور بڑے سے بڑے عاقل علماء میں بھی جو مناظرے کے شغل میں رہتے ہیں ان اوصاف کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور پایا جاتا ہے۔

یہ عیوب وہ تھے جو خود علماء میں پائے جاتے تھے عام طور پر ملک و قوم کی حالت اسوجہ سے خراب تھی کہ علماء آزادی اور دلیری کے ساتھ قوم کی بداخلاقیوں کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے انکی بڑی وجہ یہ تھی کہ علماء ہر قسم کے ذرائع معاش کو چھوڑ کر سلاطین اور امراء کی وظیفہ خوار ہو گئے تھے اس وظیفہ خواری نے انکی زبانیں بند کر دی تھیں وہ ہر قسم کے ظلم، جور، تعدی کو جو رعایا پر ہوتی تھیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور زبان تک نہیں ہلا سکتے تھے سلاطین اور امراء حد سے زیادہ عیاش تھے اور شہوت پرست ہو جاتے تھے اور اُنکی دیکھا دیکھی عوام میں یہ اثر پہیلتا جاتا تھا لیکن علماء مطلق روک ٹوک نہیں کر سکتے تھے۔ اور کیونکر کرتے ؎ آنہیں شکر آلود مگس را نشود +

اس بناء پر امام صاحب نے خاص اس بحث پر کہ سلاطین کی وظیفہ خواری جائز ہے یا نہیں ایک نہایت مفصل اور مدلل مضمون لکھا۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ وظیفہ خواری (بلحاظ اغلب) حرام مطلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

ان اموال السلاطين في عصرنا حرام كلها او اكثرها كيف لا والحلال هو الصدقات والفيء والغنيمة ولا وجود لها وليس يدخل منها شيء في يد السلطان و لم يبق الا الجزية وانها تؤخذ بانواع من الظلم لا يحل اخذها به

سلاطین کی تمام آمدنیاں ہمارے زمانے میں کل یا قریب کل محض حرام ہیں اور کیوں حرام نہ ہوں حلال آمدنی صرف زکوۃ اور غنیمت ہے سو انکا سرے سے وجود نہیں رہ گیا جزیہ رہ گیا ہے وہ ناجائز ظالمانہ طریقے سے وصول کیا جاتا ہے کہ حلال نہیں رہتا

علماء وظائف کو اس بناء پر جائز سمجھتے تھے کہ قرون اولی میں صحابہ اور تابعین کو سلطنت کیطرف سے وظائف ملتے تھے اور وہ لوگ قبول کرتے تھے امام صاحب نے اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اولاً تو اُس زمانہ میں محاصل سلطنت ایسے مشتبہ نہ تھے دوسرے بڑا فرق یہ ہے کہ اس زمانے میں امراء اور حکام علماء کی استمالت اور رضا جوئی کے حاجتمند تھے خود اُن کی طرف سے درخواست اور آرزو ہوتی تھی اور علماء میں سے کوئی شخص وظیفہ قبول کر لیتا تھا تو وہ آپ ممنون ہوتے تھے اس وجہ سے صحابہ و تابعین کو باوجود وظیفہ خواری کے امر حق کے اظہار میں کبھی باک نہیں ہوتا تھا وہ بھرے درباروں میں خلفائے بنو امیہ کو زجر و توبیخ کرتے تھے اور خلفاء اُنکے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ بخلاف اسکے آجکل وظائف کے حاصل کرنے کیلئے یہ امور اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ سوال و دربار کی آمد و رفت، دعا و ثنا، بادشاہوں کے اغراض و مطالب میں اعانت۔ جلوس وغیرہ میں شرکت جان نثاری کا اظہار سلاطین کے عیوب کی پردہ پوشی، "یہ شرائط گنا کر امام صاحب لکھتے ہیں۔ لم يتيسر عليهم بل رهو واحد و لو كان في فضل الشافعي.

ترجمہ ؎۱ اگر انمیں سے ایک شرط کی بھی تعمیل نہ جائے تو سلاطین ایک درہم بھی نہ دینگے گو مولوی صاحب کا رتبہ امام شافعی کے برابر ہو۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اصلاح ملکی

اسلام اگرچہ حکومت اور سلطنت قائم کرنے کیلئے نہیں آیا تھا لیکن کچھ تو حالات موجودہ کے اقتضا سے اور کچھ اس وجہ سے کہ اسلام کا نظام ایسا واقع ہوا تھا کہ خواہ مخواہ خلافت وسلطنت کا قالب اختیار کر لیتا ابتدا ہی سے حکومت کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ لیکن یہ حکومت بالکل بالکل جمہوری تھی اور جمہوریت ہی اسلام کا اقتضا بھی تھا۔ امیر معاویہ نے جمہوریت کے بجائے شخصی سلطنت قائم کر کے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین کیا اور پھر شخصی سلطنت کا وہ دیرپا سلسلہ قائم ہو گیا جو آجتک قائم ہے شخصی حکومت کی جو خصوصیتیں ہیں اگرچہ روز اول ہی سے پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں لیکن چونکہ حکومت کے ارکان عرب تھے اور صحابہ کا وجود باوجود باقی تھا شخصیت میں بھی جمہوریت کا انداز پایا جاتا تھا ایک معمولی آدمی سر دربار خلفا کی اینٹ کو ٹوک دیتا تھا اور وہ باوجود سطوت وجباری کے گردن جھکا دیتے تھے۔

بنو امیہ کے بعد عباسیہ کا دور ہوا یہ خاندان علمی فتوحات میں نہایت نامور ہوا چنانچہ یورپ و ایشیا میں آج بھی انکی علمی یادگاریں باقی ہیں لیکن قلم کیساتھ تلوار نہ سنبھل سکی نتیجہ یہ ہوا کہ سو برس کے اندر اندر دربار پر ترک و ایرانی چھا گئے بلکہ سچ یہ ہے کہ حکومت کا تاج انکے ہاتھ میں آگیا وہ جس کے سر پر چاہتے تھے رکھ دیتے تھے اور جس کے سر سے چاہتے تھے اوتار لیتے تھے رفتہ رفتہ عرب کی تمام خصوصیات مٹ گئیں اور اس قسم کی خودمختارانہ سلطنت قائم ہو گئی جس پر گمان ہوتا تھا کہ کیقباد و کیخسرو نے طغرل و سنجر کا قالب بدل لیا ہے سلاطین کی خودمختاری کی روک ٹوک کا ایک ذریعہ صرف مذہب باقی رہ گیا تھا اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ علماء جو مذہبی اقتدار رکھتے تھے سلاطین کی بخشش و انعام نے انکی زبانیں بند کر دی تھیں۔

امام غزالی نے جس زمانہ میں نشو و نما پایا ملک شاہ سلجوقی کا زمانہ تھا جو نہایت عادل اور رحم گستر بادشاہ تھا اور اسکی حکومت اس حد تک عمدہ تھی جس حد تک ایک شخصی حکومت ہو سکتی ہے ملک شاہ نے ۴۸۵ھ میں انتقال کیا اسکے تینوں بیٹے برکیارق محمد سنجر حکومت کے دعویدار ہوئے اور جسکو جہانتک قوت و اقتدار تھا خاص خاص حصہ ملک پر قابض ہو گیا محمد اور برکیارق میں ایک مدت تک نہایت خونریز لڑائیاں قائم رہیں نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کے شہر تباہ ہو گئے دیہات اور قصبات میں خاک اڑنے لگی ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں امن و امان جاتا رہا یہ سب ہوا کیا لیکن علماء دین اس خیال سے چپ بیٹھے دیکھا کئے کہ انکا کام جنازے کی نماز پڑھانا اور وضو و طہارت کے مسائل کا بتا دینا ہے باقی عرصہ ممالکت خویش خسروان دانند۔

لیکن امام غزالی کی حالت عام علماء سے الگ تھی ایک طرف تو انکا یہ خیال تھا کہ سلاطین کو جور و تعدی سے روکنا علماء کا خاص فرض ہے اور ایسا فرض ہے جو امر بالمعروف کی حیثیت سے خود قرآن مجید میں منصوص ہے۔ دوسری طرف سلطنت کے مفاسد کا تجربہ جس قدر انکو تھا دوسروں کو نہیں ہو سکتا تھا۔ بغداد میں وہ دربار خلافت میں باریاب تھے اور ملکی معاملات میں اکثر ان سے مشورہ کیا جاتا تھا سلاجقہ کے دربار میں بھی انکی آمد و رفت تھی اور وزراء سلجوقیہ سب کے سب انکے ارادتمند اور حلقہ بگوش تھے دس بارہ برس کے متواتر سفر نے جسکی مسافت خراسان سے بیت المقدس تک تھی انکو تمام ممالک اسلامیہ کی ایک ایک جزوی حالت

سلہ ابن الاثیر واقعات ۴۹۷ھ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے واقف کردیا تھا ان تجربوں میں انکو صاف نظر آیا کہ سلطنت کے نظم ونسق میں جمہوریت کا کسی قسم کا اثر نہیں رہا تھا بیت المال کی وہ حالت تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو ۵۰۰ روپے ماہوار سے کبھی زیادہ نہ مل سکے یا یہ نوبت پہنچی کہ سلطان سنجر نے ایک دفعہ اپنے معشوق سنقر کو جو ایک ترکی غلام تھا اکمونہ زر کی جاگیرات اسباب مال ومتاع کے علاوہ سات لاکھ اشرفیاں نقد دیدیں۔

ان تمام خرابیوں کی بنیاد یہ تھی کہ حکومت وسلطنت کے متعلق رعایا اور عوام کو کسی قسم کے اظہار رائے کی آزادی حاصل نہ تھی بادشاہ وقت اگر ملک کسی مسخرے یا بھانڈ کو دیدیتا تو کسی شخص کو زبان کھولنے کی جرات نہیں ہوسکتی تھی۔ ایک مدت کے اس طرز عمل نے بادشاہ کو خدا کی طرح الاطلاق بنادیا تھا جسکے احکام میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں ہوسکتی تھی اسوقت ملک کی اصلاح کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ نہایت آزادی اور دلیری سے سلاطین کو انکے عیوب ومظالم سے مطلع کیا جائے اور عام لوگوں کو بتایا جائے کہ انمیں ہر شخص کو یہی حق حاصل ہے۔

امام صاحب نے ان دونوں فرضوں کو نہایت خوبی سے ادا کیا سلاطین کے مقابلے میں جو چیز لوگوں کو آزادی سے روکتی تھی وہ یہ تھی کہ اہل قلم وعلماء زیادہ تر سلاطین کے وظیفہ خوار تھے اور انکے دربار میں آمد ورفت رکھتے تھے اس لئے سب سے پہلے امام صاحب نے اس کا قلع قمع کیا، اور دونوں کو ناجائز اور حرام قرار دیا۔ احیاء العلوم باب خاص قرار دارات السلاطین میں لکھتے ہیں

ان اموال السلاطين في عصرنا حرام كلها او اكثرها فكيف لا والحلال هو الصدقات والفيء والغنيمة ولا وجود لها ولم يبق الا الجزية وانها تؤخذ بانواع الظلم لا يحل اخذها به

ہماری زمانہ میں سلاطین کی جسقدر آمدنی ہے کل یا قریب کل حرام ہے اور کیوں حرام نہ ہو حلال آمدنی زکوٰۃ خمس فئی مال غنیمت ہے سو ان چیزوں کا اثر نہیں موجود نہیں صرف جزیہ رہگیا وہ ایسے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا جاتا ہے کہ جائز اور حلال نہیں رہتا

اسی باب میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وجميع ما في ايديهم حرام۔

جو کچھ ان سلاطین کے ہاتھ میں ہے حرام ہے۔

سلاطین کے ہاں آمد ورفت رکھنے کے متعلق احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

الحالة الثالثة ان يعتزل عنهم فلا يراهم ولا يرونه وهو الواجب اذ لا سلامة الا فيه فعليه ان يعتقد بغضهم على ظلمهم لا يحب بقاءهم ولا يثني عليهم ولا يستخبر عن احوالهم ولا يتقرب الى المتصلين بهم۔

دوسری حالت یہ ہے کہ انسان ان سلاطین سے اسطرح الگ تھلگ رہے کہ کبھی انکا سامنا ہونے پائے اور یہی واجب العمل ہے کیونکہ اسی میں عافیت ہے انسان پر یہ اعتقاد رکھنا فرض ہے کہ انکا ظلم بغض رکھنے کے قابل ہے انسان کو نہ چاہیے کہ انکی بقاء کا خواہشمند ہو نہ انکی تعریف کرے نہ انکے حالات کا پرسان ہو نہ انکے مقربین میل جول رکھے

احیاء العلوم میں جہاں اس مضمون پر بحث کی ہے کہ سلاطین کے دربار میں جانا ناجائز ہے ناجوازی کی دلیل میں لکھتے ہیں در انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغلوب ہوتے ہیں اور زمین مغصوبہ میں قدم رکھنا گناہ ہے دربار میں پہونچکر سر جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے اور ظالم کو تعظیم کرنا گناہ ہے دربار میں ہر طرف جو چیزیں نظر آتی ہیں یعنی پردہ ہائے زرنگار البسہ ریشمین۔ ظروف زرین یہ سب حرام ہیں اور ان کو دیکھکر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چپ رہنا داخل معصیت ہے آخیر میں بادشاہ کی جان و مال کی سلامتی کی دعا مانگنی پڑتی ہے اور یہ گناہ ہے۔

چونکہ اکثر لوگ درباداری کے جواز کی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ بزرگان سلف سلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تو امام صاحب اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ہاں! بزرگان سلف سلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن کیونکر؟

ہشام بن عبدالملک حج کرنے لگا تو طاؤس یمانی کو طلب کیا انہوں نے دربار میں پہونچکر فرش کے کنارے جوتیاں اتاریں پھر السلام علیک کہکر اسکے برابر بیٹھ گئے اور کہا کیوں ہشام! تیرا مزاج کیسا ہے؟ ہشام کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ یہ کیا گستاخانہ حرکتیں ہیں تم نے مجھکو امیرالمومنین کہکر خطاب کیا نہ کنیت کیساتھ نام لیا نہ میرا ہاتھ چومے، طاؤس نے کہا ہاں تو میں نے اس لئے نہیں چومے کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ صرف دو شخصوں کا ہاتھ چومنا جائز ہے بیوی کا یا بچہ کا۔ امیرالمومنین کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ تمام مسلمان تجکو امیرالمومنین نہیں سمجھتے اسلئے میں اگر یہ لقب استعمال کرتا تو جھوٹا ہوتا کنیت کی یہ کیفیت ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے انبیا اور اولیا کے نام بغیر کنیت کے لئے ہیں مثلاً داود، سلیمان، عیسیٰ، موسیٰ۔ اور کافروں کو کنیت کیساتھ خطاب کیا ہے مثلاً ابولہب، ہشام متاثر ہوا اور کہا کہ مجھکو نصیحت کرو۔ طاؤس نے کہا کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے کہ دوزخ میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہونگے جو اُن سلاطین کو کاٹیں گے اور ڈنک ماریں گے جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں یہ کہکر اوٹھے اور چلے گئے

خلیفہ منصور جب مقام منیٰ میں پہونچا تو سفیان ثوری کو بلا بھیجا اور کہا کہ مجھسے درخواست کیجئے سفیان نے کہا خدا سے ڈر دنیا تیرے جور اور ظلم سے لبریز ہوگئی ہے" منصور نے دوبارہ کہا کہ مجھ سے کچھ مانگئے سفیان نے کہا "مہاجرین اور انصار کی تلوار کی بدولت تو آج اس رتبہ کو پہونچا ہے اور انہی کی اولاد بھوک سے مر رہی ہے" منصور نے پھر وہی درخواست کی سفیان نے کہا حضرت عمرؓ نے حج کیا تھا تو دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے تو اسقدر روپے ساتھ لئے پھرتا ہے کہ باربرداری بھی اسکی متحمل نہیں ہو سکتی،

سلیمان بن عبدالملک مدینہ گیا تو ابوحازم کو بلا بھیجا اور کہا کہ کیوں ابوحازم! ہم لوگ موت سے کیوں ڈرتے ہیں ابوحازم نے کہا چونکہ تمہاری دنیا آباد اور آخرت برباد ہے اسلئے تمکو آبادی سے ویرانے میں جاتے ڈر لگتا ہے۔

امام صاحب اس قسم کی اور چند مثالیں لکھکر لکھتے ہیں کہ علمائے سلف کا یہ طریقہ تھا لیکن آجکل کے علماء صرف اسلئے سلاطین سے ملتے ہیں کہ اپنے اغراض و مقاصد کیلئے شرعی حیلے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالیں اور کبھی علمائے سلف کی طرح آزادانہ وعظ و پند کرتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ سلاطین کے دلپر اپنی حق گوئی اور بے غرضی کا سکہ بٹھائیں۔ امام صاحب نے یہ تمام خیالات احیاء العلوم میں ظاہر کئے جو امام صاحب کے زمانہ ہی میں گھر گھر پھیل گئے تھے لیکن اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ خاص طور پر سلاطین وقت کو اس قسم کی تحریریں بھیجیں، محمد بن ملک شاہ کو سنجر کا بڑا بھائی تھا اور اپنے زمانہ کا سب سے بڑا بادشاہ ایک ہدایت نامہ لکھکر بھیجا جو ایک مختصر سی کتاب کی شکل میں ہے اور جسکا نام نصیحۃ الملوک ہے چونکہ محمد شاہ کی زبان مادری فارسی تھی کتاب بھی فارسی ہی زبان میں لکھی

بادشاہ وقت کے نام ہدایت نامہ

اس کتاب میں پہلے اسلام کے عقائد لکھے ہیں اور انکو اصول ایمان قرار دیا ہے پھر ایمان کے فروع لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ شاخیں اگر ضعیف ہونگی تو ثابت ہوگا کہ خود جڑ میں ہی ضعف ہے ان فروع کی دو قسمیں قرار دی ہیں حق اللہ مثلاً نماز روزہ حج زکوۃ مثلاً

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یعنی عدل و انصاف پھر لکھا ہے کہ حق اللہ آسانی سے معاف ہو سکتا ہے کیونکہ خدا غفور الرحیم ہے لیکن حق العباد کے معاف ہونے کی کوئی تدبیر نہیں پھر لکھتے ہیں کہ (۱) سب سے پہلے تجکو جاننا چاہیے کہ حکومت کتنا بڑا عظیم الشان اور پرخطر فرض ہے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ جسکو عذاب دیا جائیگا وہ ظالم بادشاہ ہونگے حضرت عمر فریاد کرتے تھے کہ اگر ایک خارشتی بکری کی خبر گیری مجھہ سے رہ گئی تو قیامت میں مجھہ سے مواخذہ ہوگا اے بادشاہ! دیکھ حضرت عمر کو باوجود اپنے کمالِ احتیاط، عدل و انصاف کے قیامت کے مواخذے کا کسقدر ڈر رہتا تھا اور تیرا یہ حال ہے کہ تجکو اپنی رعایا کی کچھہ پروا نہیں اور کچھہ نہیں جانتا کہ تیرے ملک والوں کا کیا حال ہے

(۲) تجکو صرف اسپر قناعت نہیں کرنی چاہیے کہ تو خود ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ تو اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے غلام خدم و حشم عہدہ دار عامل کسی پر ظلم نہ کرنے پائیں۔

ایہا السلطان! اگر تو دنیا کے حظوظ کی غرض سے لوگوں پر ظلم کرتا ہے تو غور سے دیکھو! دنیاوی حظوظ کیا ہیں اگر تو کھانے زیادہ حریص ہے تو جانور ہے اگر حریر و دیبا کے استعمال کا دلدادہ ہے تو مرد نما عورت ہے اگر اپنے غیظ و غضب کے قابو میں ہے تو آدمی کی صورت کا درندہ ہے۔

(۳) ہر معاملے میں تجکو یہ فرض کر لینا چاہیے کہ تو ایک عام آدمی ہے اور فرمانروا کوئی اور ہے اس صورت میں اپنا کا اندازہ کرے کہ جو معاملہ تو اوروں کے ساتھہ کرنا چاہتا ہے اگر تیرے ساتھہ کیا جاتا تو پسند کرتا یا نہیں۔ اگر تو اپنے حق میں اسکو جائز نہ رکھتا اور وہی معاملے اپنے زیردستوں کے ساتھہ جائز رکھنا چاہتا ہے تو تو دغاباز اور خائن ہے۔

(۴) تجکو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ تمام رعایا تجھہ سے شریعت کے اصول کے موافق راضی اور خوشنود رہے اس قسم کی بہت سی ہدایتیں امام صاحب نے لکھیں اور ہر ایک ہدایت کی ذیل میں خلفائے راشدین اور سلاطین عادل کی نہایت موثر حکایتیں نقل کیں۔

۴۹۵ھ میں جب امام صاحب کو ناگزیر اسباب کی وجہ سے جسکا ذکر کتاب کے پہلے حصے میں گذر چکا ہے محمد شاہ کے دربار میں جانا پڑا تو رو در رو جو گفتگو اس سے کی اسکے چند فقرے یہ تھے۔

سلطان ملک شاہ و الپ ارسلان و طغرل بیگ از زیر خاک بزبان حال میگویند منادی میکنند کہ ہالک! ای قرۃ العین یا فرزند عزیز ہا زنہار اگر بدانی کہ ما بر چکار رسیدیم و چہ کارے باہول دیدیم ہرگز یک شب سیر نخوری۔ آمدیم بعرض کردن حاجت کہ دو سخت یکے بدلیان رحمتے کن تا خدا تعالیٰ امام آنست کہ مردمان طوس ہوش باختہ و پراگندہ بودند در ظلم و ہرچہ بود از سرما و بے آبی تباہ شد۔ بدلشیان رحمتے کن تا خدا تعالیٰ بر تو رحمت کند گردن مومنان از بلا و محنت گرسنگی بشکست چہ باشد اگر گردن ستوران تو از ساخت زر فرو شکند"

اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام صاحب کی ان کوششوں کا کیا نتیجہ ہوا ہمارے مورخین واقعات کو اس قدر سادہ اور پراگندہ لکھتے ہیں کہ واقعہ کے اسباب یا تو بالکل نہیں لکھتے یا لکھتے ہیں تو واقعہ سے جدا لکھتے ہیں تاریخوں میں بعض واقعات ایسے موجود ہیں جن سے قیاس ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی کوشش بالکل رائگاں نہیں گئی۔ لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے یہ تصریح نہیں کی کہ واقعات کا ظہور میں آنا امام صاحب کے اثر سے تھا بہر حال وہ واقعات یہ ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملک کی تباہی اور جور و ظلم کے رواج کا بڑا سبب محمد شاہ و برکیارق کی خانہ جنگیاں تھیں ۴۹۷ھ میں دونوں میں صلح ہوئی اور امن و امان قائم ہو گیا ۵۰۱ھ میں محمد شاہ نے ہر قسم کے ٹکس محصول بیگار پروانہ راہداری وغیرہ وغیرہ معاف کر دیے اور یہ حکم تختیوں پر لکھکر بازاروں میں آویزاں کیا گیا۔

علامہ ابن اثیر نے محمد شاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی تاجر نے قاضی کے یہاں نالش پیش کی کہ فلاں عامل کو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ میرے مال کی قیمت ادا کر دے لیکن وہ ٹال مٹول کرتا ہے۔ قاضی نے اپنے غلام ساتھ کر دیے۔ اتفاق سے خود محمد شاہ کسی طرف سے آنکلا اور حقیقت حال دریافت کی غلاموں نے کہا مدعا علیہ کو عدالت میں لانے کیلئے جاتے ہیں بادشاہ نے مدعا علیہ کا نام پوچھا غلاموں نے کہا محمد شاہ بادشاہ کو نہایت رنج ہوا اور اسی وقت عامل کو طلب کیا اور سخت تنبیہ کی اس واقعہ کے بعد ہمیشہ اس بات پر افسوس کرتا رہا کہ میں عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے کیوں حاضر نہوا تاکہ آئندہ کسی کو حق کی تسلیم سے عار نہوتا۔ علامہ موصوف نے محمد شاہ کے حال میں یہ بھی لکھا ہے۔

وعلم الامراء سیرتہ فلم یقدم احد منہم علی الظلم وکفوا عنہ امرا کو جب شاہ کا مزاج اور طریقہ معلوم ہو گیا پھر کسی نے ظلم کی جرأت نہکی اور سب نے ظلم سے ہاتھ کھینچ لیا یہ وہی چیز تھی جسکے لئے امام صاحب نے ساری محنت اٹھائی تھی دولت سلجوقیہ میں چونکہ سلطنت کا تمام نظم و نسق اصل میں وزرا کے ہاتھ میں ہوتا تھا سلاطین صرف کشور کشائی میں مصروف رہتے تھے اسلئے امام صاحب نے ان تمام وزرا کو جو وقتاً فوقتاً وزارت کے رتبے پر پہونچے نہایت آزادی اور دلیری سے خطوط اور ہدایت نامے لکھے۔

وزرا اور امراء کے نام خطوط

نظام الملک کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے وزارت کا رتبہ حاصل کیا انکے نام حسب ذیل ہیں۔

فخر الملک	نظام الملک کا سب سے بڑا بیٹا تھا ۴۸۸ھ میں برکیارق کا وزیر ہوا پھر ۴۹۰ھ میں سنجر نے وزیر مقرر کیا دس برس تک وزارت کی ۵۰۰ھ میں ایک باطنی دشمن کے ہاتھ سے مارا گیا۔
صدر الدین محمد	فخر الملک کا بیٹا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد وزیر مقرر ہوا ۵۱۱ھ میں قتل ہوا۔
احمد بن نظام الملک	۵۰۰ھ میں سلطان محمد شاہ بن ملک شاہ نے اسکو وزیر مقرر کیا اور قوام الدین نظام الملک
صدر الاسلام	صدر الاسلام کا خطاب دیا ۵۰۴ھ میں وزارت سے معزول ہوا۔
	عمید الملک۔ مجیر الدین۔ شہاب الدین۔

امام صاحب ان سب وزرار کو وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعہ سے عدل اور انصاف کی پابندی کی تاکید کرتے تھے ایک خط جو فخر الملک کے نام ہے اسکی ابتدا اسطرح کی ہے۔

امیر حسام۔ نظام اور اور اسی قسم کے جتنے الفاظ ہیں سب تکلف اور بناوٹ کے الفاظ ہیں اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے بری ہیں۔ خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

صحبت کسے اختیار کن کہ وے از دست شیطان رستہ باشد تا ترانیز برہاند،

ایک دوسرے خط میں جو فخر الملک کے نام ہے لکھتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بدانکہ این شہر از قحط و ظلم ویران بود و تاجر تو از سفر این دو امتحان بود ہمہ می ترسیدند و دہقان از بیم غلہ می فروختند و ظالمان از مظلومان عذر میخواستند۔ اکنون کہ اینجا رسیدی ہمہ ہراس خوف برخاست و دہقانان و خبازان نید بر غلہ و دکان نہادند و دیگر گشتند اگر کسے کار این شہر بخلاف این حکایت میکند دشمن وین تست بدانکہ دعائے مردمان طوس بہ نیکی و بدی مجرب است و بمیدر را این نصیحت بیار کردم پذیرفت تا حال شے عبرت ہمہ گشت بشنو این سخنہائے تلخ با منفعت از کسیکہ او طمع گاہ خویش را بہمہ سلاطین وداع کردہ است تا این سخن مے تواند گفت وقدر این بشناس کہ نہمانا از کسے دیگر نشنوی۔ بدانکہ ہر کس کہ جز این میگوید با تو طمع و بے حجاب ست میان او و کلمۃ الحق۔ مجیر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

اما فریاد رسیدن خلق بعموم واجب ست کہ کار ظلم از حد درگذشتہ و بعد ازاں کہ من مشاہد این حال می بودم قریب یکسال ست کہ از طوس ہجرت کردہ ام تا باشد کہ از مشاہدہ ظالمان رہائی رحمت بر حرمت خلاص یابم چون بحکم ضروری معاودت افتاد ظلم پنہان متواتر است

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ حق کی تلخی کی برداشت کرنا نہایت مشکل کام ہے تاج الملک اس سعادت سے محروم رہا اور اپنے کردار کی سزا پائی اسکی حالت کو دیکھکر مجد الملک کو عبرت پکڑنی چاہیے تھی لیکن اسنے بھی کچھ خیال نہ کیا اور آخر تباہ ہوا۔ پھر موید الملک کی باری آئی وہ بھی غفلت سے تہ چوکا اور اسکا نتیجہ اُٹھایا۔ اب تیری باری آئی (اسکے بعد لکھتے ہیں)

و بحقیقت بشناس کہ ہیچ وزیر بدین بلا مبتلا نبود کہ تو در روزگار ہیچ وزیر آں ظلم و خرابی نرفت کہ اکنون میرود و اگرچہ تو کار داشت ولکن و زخر چنین است کہ چون ظالمان را در قیامت مواخذہ کنند ہم متعلقان را و ہم ایشان را بدان ظلم بگیرند ہا مسلمانان را کاردہ باستخوان رسید و متاصل گشتند و ہر دینارے کہ قسمت کردند اضعاف آن از رعیت بستد و بسلطان نرسید و در میانہ از زوال عوامان ظالمان

امام صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام عوم میں یہ روح پھونکنی چاہی۔ اُنہوں نے نہایت آزادی اور دلیری سے یہ خیال ظاہر کیا کہ سلاطین کی روک ٹوک ہر مسلمان کا فرض ہے احیاء العلوم میں سلاطین اور امراء کے مقابلے میں امر بالمعروف کا ایک خاص باب باندھا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ سلاطین کی روک ٹوک میں اگر فساد ملکی کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے لیکن اگر صرف اپنی جان و مال کا خطرہ ہو تو نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن ہے بزرگان سلف ہمیشہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالکر آزادی سے کام لیتے تھے اور سلاطین و امراء کو ہر موقع پر روکتے ٹوکتے رہتے تھے اسمیں اگر کوئی شخص جان سے مارا جاتا تھا تو خوش نصیبی خیال کیا جاتا تھا کیونکہ وہ شہادت کا درجہ

ایک دفعہ امیر معاویہ نے لوگوں کے وظیفے روک دیے تھے ابو مسلم خولانی نے سر دربار اُٹھکر کہا کہ اے معاویہ! یہ مال نہ تیری یا تیرے باپ کی کمائی نہیں ہے۔

ابو موسیٰ اشعری کی عادت تھی کہ خطبہ میں حضرت عمر کا نام لیکر انکے حق میں دعا کرتے تھے اور حضرت عمر کے سوا اور کسی صحابی کا ذکر نہ کرتے تھے ضبتہ بن محصن نے عین خطبہ میں کھڑے ہوکر کہا کہ تم ابو بکر کا نام کیوں نہیں لیتے کیا عمر ابو بکر سے افضل ہیں ابو موسیٰ اشعری نے یہ واقعہ حضرت عمر کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمر نے ضبتہ کو مدینے طلب کیا۔ ضبتہ نے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ تم نے کس حق سے مجکو یہاں طلب کیا ہے حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری سے تم سے کیا معاملہ پیش آیا انہوں نے واقعہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی حقیقت بیان کی حضرت عمر رونے لگے اور کہا واللہ تم برسر حق ہو، پھر کیا مجھ سے خطا ہوئی معاف کرو۔

حجاج بن یوسف نے حطیط زیات کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا کہ تم مجھکو کیا سمجھتے ہو۔ حطیط نے کہا تو خدا کا دشمن ہے۔ حجاج نے کہا اور امیر المومنین عبد الملک بن مروان؟ حطیط نے کہا اصل تو وہی ہے تو تو اسکی شرع ہے۔ حجاج نے اسپر نہایت بیدردی و بیرحمی سے طرح طرح کے عذاب دیکر انکو قتل کرادیا لیکن انھوں نے اُف تک نہ کی۔

ہارون الرشید اور سفیان ثوری میں بچپن کی دوستی تھی جب ہرون خلیفہ ہوا تو سفیان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُنھوں نے پروا نہ کی آخر ہارون نے اُنکے نام خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔ (از ہرون الرشید بنام برادرم سفیان)

برادرم! تمکو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتہ اخوت قائم کیا ہے میرے اور تمہارے جو تعلقات تھے بدستور قائم ہیں تمام میرے احباب میری خلافت کی مبارکباد دینے کو میرے پاس آئے اور میں نے اُنکو گران بہا صلے دیے افسوس ہے کہ آپ ابتک نہ آئے۔ میں خود حاضر ہوتا لیکن یہ شان خلافت کے خلاف تھا بہر حال اب ضرور تشریف لائیے۔ سفیان نے خط کا عنوان پڑھکر پھینک دیا اور کہا کہ میں اُس چیز کو ہاتھ لگانا نہیں چاہتا جسکو ظالم نے چھوا ہے پھر اُسی خط کی پشت پر یہ جواب لکھوایا۔

از بندہ ضعیف سفیان۔ بنام ہرون فریفتہ دولت۔

میں نے پہلے تمکو اطلاع دیدی تھی کہ مجھسے اور تم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تمنے اپنے خط میں خود تسلیم کیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپے کو بے موقع اور بیجا خرچ کیا اسپر بھی تمکو تسکین نہ ہوئی اور چاہتے ہو کہ میں قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں ہرون تجھکو کل خدا کے سامنے جوابدہی کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ تو تخت پر اجلاس کرتا ہے حریر کا لباس پہنتا ہے تیرے دروازے پر چوکی پہرہ رہتا ہے تیرے عمال خود شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں خود زنا کرتے ہیں اور زانیوں پر چوکی پہرہ رہتا ہے اسپر خود چوری کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں پہلے ان جرائم پر تجھکو اور تیرے عمالوں کو سزا ملنی چاہیئے پھر دوسروں کو ہرون! وہ بھی دن آئیگا کہ تو قیامت میں اس حال سے آئیگا کہ تیری مشکیں بندھی ہونگی تیرے ظالم عمال تیرے پیچھے ہونگے اور تو سب کا پیشوا بنکر سبکو دوزخ کیطرف لیجائیگا۔ میں نے تیری خیرخواہی کا حق ادا کردیا اور اب پھر کبھی خط نہ لکھنا۔

یہ خط ہرون کے پاس پہنچا تو بے اختیار چیخ اُٹھا اور دیر تک روتا رہا۔

ابوالحسین نوری ایک دفعہ دریا میں سفر کر رہے تھے کشتی میں بہت سے مٹکے دیکھے ملاح سے پوچھا کان میں کیا ہے اُس نے کہا شراب ہے اور خلیفہ معتضد باللہ نے منگوائی ہے ابوالحسین نے ایک لکڑی لیکر ایک ایک مٹکے کو توڑنا شروع کیا تمام حاضرین ڈر گئے کہ دیکھیے کیا غضب ہوتا ہے۔ معتضد کو خبر ہوئی تو اُسنے ابوالحسین کو پکڑوا بلوایا۔ یہ گئے تو معتضد ہاتھ میں ایک گرز لئے بیٹھا تھا انکو دیکھکر پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا محتسب۔ معتضد نے کہا تجھکو محتسب کسنے مقرر کیا؟ انہوں نے کہا جسنے تجھکو خلیفہ مقرر کیا۔

امام صاحب اس قسم کے اور بہت سے واقعات نقل کرکے اخیر میں لکھتے ہیں کہ علمائے سلف کا یہ طریقہ تھا۔

واما الان فقد قیدت الاطماع السن العلماء فسکتوا۔ لیکن آجکل طمع نے علماء کی زبانیں بند کردی ہیں اسلئے وہ چپ ہو گئے اور اگر کچھ کہتے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وان تنکلموا الہ قسا علی اقوالہم احوالہم — تو انکی حالت انکے قول سے مطابق نہیں ہے تو انکی اموخیہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔

امام صاحب کو ان باتوں پر بھی تسلی نہ تھی وہ دیکھتے تھے کہ موجودہ سلطنتوں کا سرے سے خمیر ہی بگڑ گیا ہوا ہے اسلئے جبتک اسلامی اصول کے موافق ایک سلطنت نئی نہ قائم کیجائے اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا لیکن امام صاحب کو ریاضت مجاہدہ اور مراقبہ سے اتنی فرصت نہ تھی کہ ایسے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکتے اتفاق یہ کہ جب احیاء العلوم شائع ہوئی اور سنہ ۵۰۳ھ میں اسپین میں پہنچی تو علی بن یوسف بن تاشفین نے جو اسپین کا بادشاہ تھا تعصب اور تنگدلی سے اس کتاب کے جلانے کا حکم دیا اور نہایت بیدردی سے اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ امام صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو سخت رنج ہوا اسی اثنا میں اسپین سے ایک شخص امام صاحب کی خدمت میں تحصیل علم کیلئے آیا جسکا نام محمد عبداللہ تومرت تھا یہ ایک نہایت معزز خاندان کا آدمی تھا اور اسکے آباؤ اجداد ہمیشہ سے آزادی پسند اور صاحب حوصلہ چلے آتے تھے۔ امام صاحب کی خدمت میں رہکر اسنے تمام علوم میں نہایت کمال پیدا کیا اور اپنے ذاتی حوصلہ یا امام صاحب کی فیض صحبت سے یہ ارادہ کیا کہ اسپین میں علی بن یوسف کی سلطنت کو مٹا کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے یہ خیال اسنے امام صاحب کے سامنے پیش کیا امام صاحب نے چونکہ خود ایک عادلانہ سلطنت کے خواہشمند تھے اس رائے کو پسند کیا لیکن پہلے یہ دریافت کیا کہ اس مہم کے انجام دینے کے اسباب بھی مہیا ہیں یا نہیں محمد بن عبداللہ نے اطمینان دلایا تو امام صاحب نے نہایت خوشی سے اجازت دی علامہ ابن خلدون اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

ولقی فیما زعموا اباحامد الغزالی وفاوضہ بذات صدرہ بذالک فارادہ علیہ لما کان فیہ الاسلام یومئذ باقطار الارض من اختلال الدولۃ وتقویض ارکان السلطان الجامع الامۃ المقیم للملۃ بعد ان ساعلہ عمن لہ من العصابۃ والقبائل التی یکون بہا الاعتزاز والمنعۃ

جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے وہ ابو حامد غزالی سے ملا اور اسنے اپنے اس خیال کے متعلق مشورہ کیا۔ امام صاحب نے اسکی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں اسلام تمام دنیا میں ضعیف ہو رہا تھا اور کوئی ایسا سلطان موجود نہ تھا جو تمام امت کو فراہم کر سکے اور دین اسلام کو قائم رکھے لیکن پہلے امام صاحب نے اس سے پوچھ لیا کہ تمہارے پاس اتنا سر و سامان اور جمعیت ہے یا نہیں جس سے قوت اور حفاظت ہو سکے۔

لہ شرح احیاء العلوم ٢٥ چونکہ محمد بن عبداللہ نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی اور سیاسی اصول پر قائم کی جو امام غزالی کا منشا تھا محمد بن عبداللہ اقصائے مغرب کا رہنیوالا تھا اور اپنے وطن میں نشو نما پایا۔ پھر مشرق کا سفر کیا اور فقہ و کلام کی تحصیل کی وہ نہایت پرہیزگار عابد اور قناعت پسند تھا فارغ التحصیل ہو کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کمر بستہ ہوا مصر میں پہونچا تو اس سختی سے لوگوں کو منع کرتا کہ لوگ اسکے دشمن ہو گئے اور اسکو شہر بدر کر دیا مصر سے اسکندریہ گیا اور چند روز وہاں اقامت کی پھر اہل مغرب کی طرف روانہ ہوا سنہ ۵۰۵ھ میں مہدیہ پہنچا اور اپنے کام میں مشغول ہوا وہاں سے چلکر بجایہ اور بجایہ سے مراکش گیا یہاں بھی نہایت آزادی سے امر بالمعروف کی خدمت انجام دی یہانتک کہ خود شاہی خاندان سے معترض ہوا بادشاہ وقت یعنی علی بن یوسف تاشفین نے اسکو دربار میں طلب کیا دربار کے علماء نے اس سے کہا کہ ایسے عادل اور منصف بادشاہ کی حکومت سے ناراضی کی کیا وجہ بیان کر سکتے ہو محمد بن عبداللہ نے نہایت جوش کے ساتھ کہا کہ کیا اس شہر میں علانیہ شراب کی خرید و فروخت نہیں ہوتی اور کیا یتیموں کے مال پر دست درازی نہیں کیجاتی اسکی پر جوش تقریر سے بادشاہ بھی متاثر ہوا یہانتک کہ اسکی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے محمد مراکش سے نکلکر اغمات میں آیا اور رفتہ رفتہ ایک جماعت کثیر اسکے ساتھ ہو گئی پھر تینمل میں قیام کر کے قبیلہ مصامدہ کی اعانت سے سلطنت کی بنیاد ڈالنی شروع کی اور بڑا کامیاب ہوا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

غرض محمد بن عبد اللہ بن تومرت نے والیٹ جا کر امر بالمعروف کے شعار سے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جو مدت تک قائم رہی اور موحدین کے لقب سے پکاری جاتی تھی علی بن یوسف کی حکومت میں جور و تعدی بہت پھیل گئی تھی۔ فوج کے لوگ علانیہ لوگوں کے گھر میں گھس جاتے تھے اور عفت مآب خاتونوں کے ناموس کو برباد کرتے تھے علی بن یوسف کے خاندان میں ایک مدت سے یہ الٹا دستور چلا آتا تھا کہ مرد منھ پر نقاب ڈالتے تھے اور عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں اسی لحاظ سے یہ لوگ ملثمین کہلاتے تھے۔ محمد بن تومرت نے اول اول انھی دونوں بدعتوں کے مٹانے پر کمر باندھی اور رفتہ رفتہ اسی سلسلہ میں ملثمین کی حکومت برباد ہو کر ایک نئی سلطنت قائم ہو گئی محمد بن تومرت نے خود فرمانروائی کا قصد نہیں کیا بلکہ ایک لائق شخص جسکا نام عبد المومن تھا تخت نشین کیا۔ عبد المومن اور اسکے خاندان نے جس طرز پر حکومت کی وہ بالکل اس اصول کے موافق تھی جو امام غزالی کی تمنا تھی ابن خلدون کتاب ثالث اخبار بربر فصل ثالث میں عبد المومن اور اسکی اولاد کے متعلق لکھتے ہیں انکی حکومت یہ اندازہ تھا کہ علما کی عزت کیجاتی تھی اور تمام واقعات اور معاملات میں ان سے مشورہ لیکر کام کیا جاتا تھا۔ داد خواہوں کی فریاد سنی جاتی تھی۔ رعایا پر عمال ظلم کرتے تھے تو ان کو سزا دیجاتی تھی۔ ظالموں کا روکنا دیا گیا تھا۔ شاہی ایوانوں میں مسجدیں تعمیر کیگئی تھیں تمام سرحدی ناکے جہاں یورپ کا ڈانڈا ملتا تھا فوجی طاقت سے مضبوط کر دیئے گئے تھے اور غزوات و فتوحات کو روز افزوں ترقی تھی یعقوب جو اس سلسلے کا تیسرا تخت نشین تھا۔ اسکے حالات میں ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ عادل بادشاہ تھا شریعت کا پابند تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتا تھا اور اس باب میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتا تھا پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔ موٹا موٹا پہنتا تھا کمزور سے کمزور فریاد لاتا تھا تو راہ میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور اسکی پوری دادرسی کرتا تھا اپنے خاندان میں حدود شرعیہ کو جاری کرتا تھا تمام ملک کو نماز کا پابند بنا دیا تھا شراب خوری کی سخت سزا مقرر کی تھی بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ تمام علما اور فقہا کو حکم دیا تھا کہ مسائل فقہیہ میں کسی کی تقلید نہ کریں بلکہ خود قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے مسائل کا استنباط کریں۔ چنانچہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علما مثلاً علامہ ابو الخطاب بن وحیہ ابو عمر حضرت شیخ محی الدین اکبر کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ یہ تو اسکی دینداری کا حال تھا۔ ملکی حالت یہ تھی کہ اس نے یورپ کے مقابلہ میں بڑی بڑی عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ اسکی تفصیل تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔

امام صاحب پر اسباب خارجی کا اثر

امام صاحب کے حالات پر خارجی اسباب کا اثر

امام صاحب کی تعلیم و تربیت کے جو حالات تاریخ و رجال کی کتابوں کے منظر عام پر نمایاں ہیں اُسکا اقتضا یہ تھا کہ امام صاحب بہت سے بہت ایک فقیہ۔ یا اصولی یا صوفی یا واعظ ہوتے اس سے بڑھکر یہ کہ ان تمام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اوصاف کے جامع ہوتے اور ہر صنف میں اجتہاد کے رتبہ تک پہنچتے۔ جیسا کہ ان کے ہمعصر جو طباعی اور ذہانت میں ان کے برابر تھے اس حد تک پہنچے لیکن امام صاحب نے بخلاف اپنے ہمعصروں کے اقلیم کمال کے بہت سے ایسے نئے ملک فتح کئے جنکا خیال بھی اُنکے ہمعصروں کو نہیں گذرا تھا وہ ایک نئے علم کلام کے موجد ہوئے فلسفہ کو مذہب سے آشنا کیا، معقول و منقول کے تطبیق کی بنیاد ڈالی علم اخلاق کو وسعت دی۔ نظام سلطنت کو اصلاح کی نظر سے دیکھا ان باتوں کے لحاظ سے یہ امر قابل تفحص ہے کہ امام صاحب میں ان غیر معمولی اوصاف کے پیدا ہونے کے کیا اسباب تھے؟

اس سوال کا اگرچہ مختصر جواب یہ ہے کہ امام صاحب کو خدا نے فطرۃً مجدّد اور رفارمر پیدا کیا تھا اور یہی قابلیت تھی جو مختلف صورتوں میں مختلف ناموں سے پکاری گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجدد اور رفارمر بھی واقعات خارجی سے متاثر ہوتا ہے اور ان واقعات کو اسکی ترقی خیالات میں بہت دخل ہوتا ہے۔

امام صاحب کی ترقی خیالات کا زمانہ بغداد سے شروع ہوتا ہے۔ بغداد دنیا کی ہر قوم و فرقہ ہر مذہب کے علماء و فضلاء کا دنگل تھا جہاں ہر شخص اپنے معتقدات و خیالات کو نہایت آزادی سے ظاہر کر سکتا تھا۔ امام صاحب کی طبیعت میں تحقیق حق کا مادہ پہلے سے موجود تھا اسکے ظہور کا موقع آیا یہ موقع اور علماء اور اہل فن کو بھی ہاتھ آسکتا تھا لیکن علماء دوراں اپنے گروہ کے سوا اور کسی سے ملنا یا کسیکے معتقدات و خیالات سے واقف ہونا مذہبی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ بہر حال امام صاحب ہر فرقہ کے علماء سے ملے اور انکے خیالات سے واقفیت حاصل کی انکا خود بیان ہے کہ بیس برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک یہ شغل رہا کہ باطنی، ظاہری، فلسفی، متکلم، صوفی، زندیق ایک ایک سے ملا اور ایک ایک کے عقائد کا تہ تک سراغ لگایا۔ تحقیقات کا پہلا اثر یہ تھا کہ تقلید کی تمام بندشیں ٹوٹ گئیں اور قدیم خیالات کی بنیاد متزلزل ہوگئی۔[۱]

تحقیقات کے شوق میں امام صاحب نے فلسفہ اور عقلیات کی کتابیں بھی پڑھیں اور ان فنون مجتہدانہ کا کمال پیدا کیا۔ فلسفہ کی تصنیفات میں سے جو کتابیں زیادہ تر اُنکے مطالعے میں رہیں بو علی سینا کی تصنیفات اور ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق تھی، امام رازی شارح صحیح مسلم کا بیان ہے کہ میں نے غزالی کے شاگردوں سے سنا کہ وہ اخوان الصفا کے رسالے اکثر دیکھا کرتے تھے۔ امام صاحب نے خود بھی ایک موقع پر اخوان الصفا کا ذکر کیا ہے۔

ان تصنیفات کو پڑھکر امام صاحب کو نظر آیا کہ فلسفہ کی نسبت علماء کی بدگمانی کہ وہ تمامتر مخالف مذہب ہے صحیح نہیں چنانچہ منقذ من الضلال میں فلسفہ کے تمام اقسام کو الگ الگ لکھکر تصریح کی کہ چند مسائل کے سوا باقی کوئی چیز مذہب کے خلاف نہیں فلسفہ کے عام انکار سے ایک بڑا ضرر جو اسلام کو پہنچ رہا تھا۔ امام صاحب نے اس کو نہایت آزادی سے ظاہر کیا چنانچہ لکھتے ہیں کہ ایک بڑا نقصان جو اسلام کو پہنچ رہا ہے یہ ہے کہ بہت سے لوگ اسلام کی حمایت یہ معنی سمجھتے ہیں۔

[۱] منقذ من الضلال ۱۳

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ فلسفہ کے تمام مسائل کو مذہب کے مخالف ثابت کیا جائے لیکن چونکہ فلسفہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں اسلئے جو شخص ان دلائل سے واقف ہو وہ انکو قطعی سمجھتا ہے اسکے ساتھ جب اسکو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ یہ مسائل اسلام کے خلاف ہیں تو اسکو بجائے اسکے کہ ان مسائل میں شبہ پیدا ہو خود اسلام میں شبہ پیدا ہوتا ہے اس بنا پر نادان دوستوں سے اسلام کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ امام صاحب کی طبیعت خود فلسفیانہ واقع ہوئی تھی عام علماء فلسفہ سے جو بدگمانی رکھتے تھے تحقیقات کے بعد غلط نکلی اسکا یہ اثر ہوا کہ امام صاحب پر فلسفہ کا پورا رنگ چڑھ گیا منقذ من الضلال اور مضنون کبیر میں روح کی حقیقت روح کے جوہر ہونے پر استدلال خرق عادت کی تقسیمیں (عقلی اور خیالی) عذاب اُخروی کی حقیقت ان تمام مسائل کی بعینہ وہی تشریح کی جو بوعلی سینا نے شفا اور اشارات میں کی تھی، احیاء العلوم میں اخلاق کی ماہیت اخلاق کے اقسام اخلاقی عیوب پر مطلع ہونیکے طریقے اولاد کی تربیت، یہ تمام مضامین سرتاپا ابن مسکویہ سے ماخوذ ہیں جو نکات خود امام صاحب کے ایجاد ہیں انکا مایۂ خمیر بھی فلسفہ ہے، امام صاحب کی تصنیفات اگرچہ فلسفہ سے لبریز ہو گئی تھیں تاہم خوش اعتقاد بزرگونکو یہی ضد رہی کہ مانتا امام صاحب کو فلسفہ سے کیا تعلق امام مازری نے جو بہت بڑے محدث تھے امام صاحب کی نسبت لکھدیا تھا کہ انکی تصنیفات میں بڑے زور شور سے مازری کی مخالفت کی علامہ موصوف کا استدلال یہ ہے کہ امام غزالی تمام فلاسفہ کو کافر سمجھتے ہیں پھر فلسفہ کیطرف کیونکر التفات کر سکتے تھے خود امام صاحب کے زمانہ میں لوگونکو یہ بدگمانی پیدا ہو گئی تھی کہ امام صاحب اپنی تصنیفات میں فلسفہ کا عنصر ملاتے جاتے ہیں اور چونکہ چونکہ یہ امر اس زمانہ میں تقدس اور تشریح کے خلاف سمجھا جاتا تھا امام صاحب کو اسکی معذرت کرنی پڑی چنانچہ منقذ میں لکھتے ہیں۔

امام صاحب پر فلسفہ کا اثر

ولقد اعترض على بعض الكلمات المبثوثة في تصانيفنا في اسرار علوم الدين طائفة من الذين لم تستحكم في العلوم سرائرهم ولم تنفتح الى اقصى غايات المذاهب بصائرهم وزعمت ان تلك الكلمات من كلام الاوائل مع ان بعضها من مولدات الخواطر ولا يبعد ان يقع الحافر على الحافر وبعضها يوجد في الكتب الشرعية واكثرها موجود معناها في كتاب الصوفيه

میری بعض تصانیف جو اسرار شریعت میں ہیں (یعنی احیاء العلوم) انکے متعلق بعض لوگوں نے جو علم میں پختہ کار نہیں ہیں اور مذہب کے انتہائی مقصد تک انکی نگاہ نہیں پہنچی یہ اعتراض کیا کہ ان میں بہت سی باتیں حکماء قدیم سے ماخوذ ہیں، حالانکہ انمیں سے بعض باتیں عکمار قدیم میری طبعزاد ہیں اور ممکن ہے کہ قدم پر قدم پڑ گیا ہو (یعنی قدماء سے توارد ہو گیا ہو) اور بعض کتب شرعیہ میں موجود ہیں اور اکثر باتیں ایسی ہیں جنکی اصلی صوفیہ کی کتابوں میں موجود ہے

اس بات کے اندازہ کرنیکے لئے امام صاحب کو حکماء سے کہانتک توارد ہوا انکی تعلیم و تربیت کے متعلق احیاء العلوم اور ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق کی عبارتیں ہم اس موقعہ پر نقل کرتے ہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ابن مسکویہ نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جو کچھ لکھا ہے وہ ابن مسکویہ کے خیالات نہیں بلکہ برُدسن (یونانی حکیم تھا) سے ماخوذ ہیں چنانچہ خود ابن مسکویہ نے تصریح کردی ہے۔

تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ

ويعلم ان اولى الناس بالملابس الملونة والمنقوشة النساء التي يتزين للرجال وان الاحسن باهل النبل والشرف من اللباس البياض .

ويجنب المنظر في الاشعار السخيفة وما فيها من ذكر العشق واهله وما يوهم اصحابها انه ضرب من الظرف ورقة الطبع فان هذا الباب مفسدة للاحداث جداً

ثم يمدح بكل ما يظهر منه من خلق جميل وفعل حسن ويكرم عليه فان خالف في بعض الاوقات ما ذكرته فالاولى ان لا يوبخ عليه بل يتغافل عنه لا سيما ان ستره الصبي واجتهد في ان يخفي ما فعله عن الناس فان عاد فليوبخ عليه سراً وليعظم عنده ما اتاه ويحذر من معاودته وينبغي ان يعود ان لا يبصق في مجالسه ولا يتمخط ولا يتثاءب بحضرة غيره ولا يضع رجلاً على رجل ولا يضع تحت ذقنه ساعده ولا يعمد راسه بيده فان ذلك دليل الكسل

احياء العلوم

وان يحبب اليه من الثياب البيض دون الملون والابريسم ويقرر عنده ان ذلك شان النساء ويحفظ من الاشعار التي فيها ذكر العشق واهله ويحفظ من مخالطة الادباء الذين يزعمون ان ذلك من الظرف ورقة الطبع فان ذلك يغرس في قلوب الصبيان بذر الفساد -

ثم مهما ظهر من الصبي خلق جميل فينبغي ان يكرم عليه فان خالف ذلك في بعض الاحوال فينبغي ان يتغافل عنه ولا سيما اذا ستره الصبي و اجتهد في اخفائه فعند ذلك ان عاد ثانيا فينبغي ان يعاتب سرا ويعظم الامر ويقال له اياك ان تعود وينبغي ان يعود ان لا يبصق في مجلسه ولا يتمخط ولا يتثاءب بحضرة غيره ولا يضع رجلا على رجل ولا يضع كفه تحت ذقنه ولا يعمد راسه بساعده فان ذلك دليل الكسل

اختصار کے لحاظ سے ہم نے تھوڑی سی عبارت پر اکتفا کیا ورنہ پورا مضمون کا مضمون اسی طرح لفظاً اور معنیً مطابق ہے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو توارد قرار دیں یا نقل یا اقتباس توارد کا عذر صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اسی ضمن میں امام صاحب نے ایک ایسی سچی بات کہی جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔

وهب انها لا توجد الا في كتبهم فاذا كان ذلك الكلام معقولا في نفسه مؤيدا بالبرهان ولم يكن على مخالفة الكتاب والسنة فلم ينبغي ان يهجر وينكر

اچھا فرض کرو کہ جو باتیں میں نے لکھیں وہ حکما کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں لیکن اگر وہ باتیں معقول ہیں اور دلائل سے ثابت ہیں تو قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہیں تو پھر انکے چھوڑنے اور اُنکے انکار کرنے کی

فلو فتحنا هذا الباب وتطرقنا الى ان نهجر كل حق سبق الیہ خاطر مبطل للزمنا ان نهجر کثیرا من الحق ۱ھ

کیا وجہ ہو اگر ہم ایسا کرنے پر آئیں اور تمام سچی باتوں کو رد کیا کریں جو پہلے کسی باطل عقیدے کے خیال میں گذر چکی ہیں تو ہمکو بہت سی سچی باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔

فلسفہ کے متعلق امام صاحب کا یہ بھی خیال تھا کہ سیاسیات اور اخلاق کا حصہ زیادہ تر انبیائے سابقین اور صوفیہ الٰہیہ کے اقوال سے ماخوذ ہے جسمیں فلاسفہ نے اپنی ایجادات بھی ملا دی ہیں۔ منقذ من الضلال میں اس خیال کے ظاہر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ اختلاط فلسفہ کے معتقد اور منکر دونوں کے حق میں مضر ہوا، اور معتقد کے بہ نسبت منکر کو زیادہ نقصان پہنچا کیونکہ ضعیف العقل لوگ قابل کے اعتبار سے بات کی صحت کا اندازہ کرتے ہیں اور چونکہ یہ باتیں اول اول انہوں نے فلاسفہ ہی کی زبان سے سنیں انکو خیال ہوا کہ سب غلط اور باطل ہیں لیکن عاقل کا یہ کام ہے کہ صرف بات کو دیکھے کہ اصل بات صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو اسکو غرض نہیں ہونی چاہیے کہ اسکا قائل دیندار ہے یا گمراہ بلکہ عاقل کو یہ تلاش رہتی ہے کہ گمراہوں میں سے بھی کوئی کام کی بات نکل آئے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کان کی مٹی میں سے سونا نکل آتا ہے۔ فلسفہ ہی نے امام صاحب کو نئے علم کلام کی بنیاد ڈالنے کا خیال دلایا کیونکہ انکو فلسفہ کی واقفیت سے ثابت ہو چکا تھا کہ فلسفہ کے جو مسائل صحیح ہیں وہ مذہب کے مخالف نہیں اور جو مخالف ہیں وہ صحیح نہیں معتزلہ اس قسم کی تصنیفات کر چکے تھے جنمیں معقول و منقول میں تطبیق دیگئی تھی لیکن اہل سنت اس لیے متنفر تھے کہ انکی تصنیفات کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہ تھے اور دیکھتے تھے تو انکو ہر بات کفر و ضلالت نظر آتی تھی لیکن امام صاحب کی طبیعت سے اس قسم کا تعصب جاتا رہا تھا اسلئے انہوں نے خذ ما صفا پر عمل کر کے انکی تصنیفات سے بھی فائدہ اٹھایا۔ فن اخلاق کے متعلق امام صاحب کے جو کارنامے ہیں سب تصوف کی بدولت ہیں امام صاحب نے جب تصوف کو عملاً سیکھنا چاہا تو اسکا پہلا مرحلہ تزکیۂ اخلاق تھا اس بنا پر انکو تحلی بالفضائل اور تخلی عن الرذائل کی ضرورت پڑی اس ضرورت نے انکو علم اخلاق کی تصنیفات کی طرف متوجہ کیا انہوں نے قوت القلوب زیادہ متداول اور مقبول تھی اور چونکہ بہت بڑے مشہور صوفی کی تصنیف تھی امام صاحب نے خاص توجہ سے اسکو دیکھا۔ لیکن اسمیں سرسری اور ظاہری باتیں تھیں علم اخلاق کے دقائق کا پتہ نہ تھا۔ امام صاحب فلسفہ سے آشنا ہو چکے تھے سلاطین کے دربار تعلیم و تعلم سفر کی وجہ سے مختلف طبقوں کے آدمیوں سے ملنے اور انکے اخلاق سے مطلع ہونیکا کثرت سے موقعہ پیش آیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان پر مختلف حالتیں گذر چکی تھیں اور طالب علمی کے زمانہ میں بہت بڑے مناظرہ ہو چکے تھے۔ نظام الملک کے دربار میں پہونچکر امیرانہ جاہ و حشمت حاصل کی تھی بغداد میں مدتوں وعظ کہا تھا۔ عوام کی استمالت کیلئے جو باتیں درکار تھیں سب کرنی پڑی تھیں۔ غرض مناظرہ و مباحثہ جاہ پرستی مقبولیت عام و دولت و مال کے تعلق سے اخلاق پر جو اثر پڑ سکتے ہیں سب کا ذاتی تجربہ ہو چکا تھا ان باتوں نے اخلاق کے تمام دقیق نکات ان پر منکشف کر دئے اور یہی نکات جنہوں نے علمی صورت پکڑ کر احیاء العلوم کے قالب میں ظہور کیا۔

سلاطین کے مقابلہ میں آزادی کی جرأت بھی انکو تصوف ہی کے صدقے میں حاصل ہوئی تصوف کے عالم میں آکر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دنیا انکی نظروں میں ہیچ ہوگئی تھی اور وہ نہایت زاہدانہ زندگی پر قانع ہوگئے تھے اس بنا پر انکو سلاطین اور امرا سے کسی قسم کی توقع یا کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا تھا ان کے پیر و طریقت شیخ ابو علی فارمدی ہیں یہ ایک خاص صفت تھی کہ وہ سلاطین کی پرواہ نہیں کرتے تھے چنانچہ نظام الملک سلجوقی کے دربار میں جب جاتے تھے تو ہمیشہ علانیہ اسکے جور و تعدی کا اظہار کرتے تھے یہ نمونہ بھی انکے پیش نظر تھا ان باتوں نے انکو آزادی اور حق گوئی کی جرأت دلائی اور انھوں نے وہ کام کئے جنکا ذکر اصلاح ملکی کے ذکر میں

امام صاحب کا اثر

عقائد۔ علوم فنون۔ اور شاعری

عقائد و کلام۔ آج تقریباً تمام دنیا میں الہیات نبوت اور معاد کے متعلق مسلمانوں کے جو معتقدات اور مسلمات ہیں وہی ہیں جو امام صاحب کے مقرر کردہ عقائد ہیں۔

علم کلام کی بحث میں تم پڑھ آئے ہو کہ امام صاحب نے عقائد اور اصول کی تشریح دو مختلف مذاق پر کی ظاہر و باطن اور جن عقائد کو کثرت اور عمومیت کیساتھ بیان کیا وہ ظاہری عقائد تھے اسکا یہ اثر ہوا کہ اس زمانہ سے آجتک جسقدر فقہا و علمائے کلام گذرے اور عام نصاب تعلیم کیلئے جسقدر کتابیں تصنیف ہوئیں سب انھیں ظاہری عقائد کی آواز بازگشت ہیں عقائد نسفی مواقف۔ مقاصد۔ معارف۔ تمہید۔ مسامرہ۔ غرض علم کلام کی جسقدر مشہور تصنیفات ہیں سب امام صاحب کے ہی عقائد کے گویا شروح و حاشیے ہیں شاید کسیکو یہ خیال ہو کہ یہ در اصل امام ابو الحسن اشعری کا اثر ہے امام غزالی کی پیروی بھی جو لوگوں نے کی اسیوجہ سے کی کہ وہ خود اشعری کے پیرو تھے چنانچہ انکا نام ہمیشہ متکلمین اشاعرہ کے زمرہ میں لیا جاتا ہے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے شبہ امام صاحب نے زیادہ تر اشعری ہی کے عقائد اختیار کئے لیکن بہت سے ایسے مہتم بالشان مسائل ہیں جنمیں انھوں نے علانیہ اشعری کی مخالفت کی اور ان تمام مسائل میں امام صاحب ہی کا مذہب تمام اشاعرہ کا مذہب بنگیا مثلاً استوار علے العرش کا مسئلہ امام اشعری نے اپنی تصنیفات میں تصریح کیساتھ لکھا ہے کہ استوار کے معنی استیلا اور قدرت کے نہیں ہیں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے بلکہ وہی ظاہری معنی مراد ہیں جو عام طور پر مستعمل ہیں چنانچہ کتاب المقالات[1] میں لکھتے ہیں وقالت المعتزلۃ فی قول اللہ عز وجل الرحمن علی العرش استوی۔ یعنی استولی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کے اس قول میں الرحمن علے العرش استوی استوار کے معنی استیلار کے ہیں۔

لیکن امام غزالی نے اسی قول کو جسکو امام اشعری معتزلہ کیطرف منسوب کرتے ہیں سنیوں کا خاص عقیدہ قرار دیا چنانچہ احیاء العلوم باب العقائد میں لکھتے ہیں کہ استوی کا لفظ ظاہری معنوں میں مستعمل نہیں ہے ورنہ محال لازم آتا۔ بلکہ اسکے معنی قہر اور استیلار کے ہیں۔ اسیطرح قرآن مجید میں خدا کے متعلق ید۔ وجہ۔ عین۔ (ہاتھ۔ منہ۔ آنکھ) وغیرہ جو الفاظ آئے ہیں امام اشعری نے اپنی تصنیفات میں صاف تصریح کی ہے کہ حقیقی معنوں میں مستعمل ہیں صرف یہ فرق ہے

[1] اس کتاب کا قلمی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گذرا لیکن ابن القیم نے اپنی کتاب اجتماع الجیوش الاسلامیہ میں بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ امرتسر صفحہ ۱۱۸

کہ ہمارے جیسے ہاتھ منہ اور آنکھیں نہیں ہیں لیکن امام غزالی نے الجام العوام وغیرہ میں صاف تصریح کی کہ ان الفاظ سے مجازی معنی مراد ہیں۔ ان تمام مسائل کے متعلق جو کچھ امام غزالی نے کہا وہی آج تمام اشاعرہ بلکہ تمام سنی مسلمانوں کا عقیدہ مسلمہ ہے یہانتک کہ آج ہر شخص کو یہ دہوکا ہے کہ یہ عقائد خود امام ابوالحسن اشعری کے عقائد ہیں۔

ارباب ظاہر کے سوا دوسرا گروہ جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے یعنے حضرات صوفیہ اور حکمائے اسلام وہ متاثر اُس آئینہ کے پیرو ہیں جسکو امام غزالی نے اسرار شریعت سے تعبیر کیا ہے اور جسکی نسبت انکو نہایت اصرار ہے کہ عام نہونے پائے حضرات صوفیہ اور فلاسفہ اسلام کے سرگروہ مولانا روم۔ شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں ان بزرگوں کی تصنیفات درحقیقت امام صاحب ہی کے خیالات کا نمونہ ہیں، تعجب یہ ہے کہ علامہ صدرالدین شیرازی باوجود اختلاف مذہب کے اپنی تصانیف میں امام غزالی کے خوشہ چین ہیں اور سند کے طور پر امام صاحب کی عبارت صفحے کے صفحے نقل کرتے چلتے ہیں

امام صاحب نے الہام اور وحی کی جو حقیقت بیان کی ہے یعنی یہ کہ انسان کو خدا نے حواس خمسہ کے سوا ایک اور روحانی حواس دیا ہے جو بغیر تعلم و تعلیم کے اشیا کا ادراک کرتا ہے مولانا روم اسکو اسطرح ادا کرتے ہیں۔

پنبۂ وسواس بیرون کن ز گوش | تا بگوش آید ز گردون خروش
پس محل وحی گردد گوش جان | وحی چہ بود؟ گفتن از حس نہان
گوش جان و چشم جان جز این حس است | گوش عقل و چشم ظن زان مفلس است
پنج حس ہست جز این پنج حس | آن چو زر سرخ وانہا ہمچو مس
حس ابدان قوت ظلمت میخورد | حس جان از آفتابے می چرد
آئینۂ دل چون شود صافی و پاک | نقشہا بینی برون از آب و خاک

نبوت وحی الہام حالات، بعد الموت معاد قضا و قدر، خیر و شر کی حقیقت جو امام رازی شیخ الاشراق ابن رشد شاہ ولی اللہ نے بنائی ہے اسکو ہم علم کلام کی تاریخ میں مفصل لکھینگے جس سے ظاہر ہوگا کہ ان بزرگوں نے اس باب میں جو کچھ کہا ہے امام غزالی ہی سے سنکر کہا ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں میں جو دو گروہ ارباب ظاہر و باطن یا حکما و متکلمین کے نام سے موجود ہیں امام صاحب ہی کے خیالات کی تصویر کے دو رخ ہیں۔

فلسفہ و کلام

فلسفہ و کلام — اسلام میں فلسفہ کی ترویج اگرچہ مدت سے ہو چکی تھی لیکن نہایت قلیل التعداد فرقہ میں محدود تھی محدثین اور فقہا نے تو اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا متکلمین البتہ اس سے واقفیت پیدا کرتے تھے لیکن صرف رد و ابطال کیلیے اور اسمیں انکو اسقدر غلو تھا کہ استدلال اور اثبات مطالب میں منطق اور فلسفہ کی اصطلاحوں سے بھی پرہیز کرتے تھے اور اس غرض کیلیے اپنی جدا اصطلاحیں قائم کی تھیں یہ مذاق ایک مدت تک قائم رہا یہانتک کہ شیخ الاشراق جو امام غزالی سے متاخر ہیں اپنی کتاب حکمۃ الاشراق میں مطابقہ تضمن التزام کلی جزئی کے بجائے دلالۃ القصد حیطہ

؎ اس کتاب کے دو حصے دوم علم کلام کتب نبوت میں یہ مسئلہ بتفصیل مذکور ہے ؎ مثنوی دفتر اول ؎ گفتن عمر با رسول قصہ ؎ شرح احیاء العلوم مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۶

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تطفل عام شاخص استعمال کرنے میں خود امام صاحب بھی ابتدا میں یہ پردہ رکھا قسطاس مستقیم میں اشکال اربعہ کی سب صورتیں بیان کیں لیکن سب کے نام بدل دئے متکلمین نے خاص فن منطق کی رد میں کتابیں لکھیں سب سے پہلے ابو سعید سیرافی نحوی نے ایک کتاب لکھی جس میں قواعد منطقیہ کی غلطیاں ظاہر کیں پھر قاضی ابو بکر باقلانی۔ قاضی عبد الجبار معتزلی جبائی امام الحرمین ابو القاسم انصاری وغیرہ نے منطق کی مخالفت میں طبابعیاں دکھائیں۔ ان باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ عام مسلمان اور خصوصاً فقہا و محدثین فنون عقلیہ کے دشمن بنگئے اور سمجھنے لگے کہ منطق و فلسفہ کے اکثر مسائل مذہب اسلام کے خلاف ہیں امام غزالی نے جب خود فلسفہ کی تحصیل کی تو معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کی محض بدگمانی تھی۔ چنانچہ منقذ من الضلال میں فلسفہ کے تمام اجزاء یعنی طبعیات الہیات۔ ریاضیات۔ اخلاق ہر ایک کے متعلق الگ ریویو کیا اور صاف لکھدیا کہ بجز الہیات کے باقی تمام فلسفہ میں مذہب اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں اس کے بعد خود منطق فلسفہ میں متعدد کتابیں لکھیں اور مستصفی کے دیباچے میں لکھدیا کہ منطق کے مسائل تمام علوم کے لئے ضروری ہیں اور جسکو واقفیت نہو وہ اپنی معلومات سے کچھ کام نہیں لے سکتا ہے اول اول تو ابن الصلاح اور دیگر محدثین نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب کی راست گوئی بے اثر نہیں رہ سکتی تھی تھوڑے ہی دنوں میں منطق کی تمام اصطلاحیں عام طور پر متداول ہوگئیں علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں۔

وما زال نظار المسلمین یعیبون طریقة اهل المنطق وانما اکثر استعمالها من ابی حامد فانه ادخل مقدمة من المنطق الیونانی فی اول کتابه المستصفی الخ

مسلمان ارباب نظر ہمیشہ منطقیوں کے طریقے کو برا سمجھتے آتے تھے اس کا استعمال جو رائج ہوا۔ ابو حامد (غزالی) کے زمانے سے ہوا کیونکہ انہوں نے منطق یونانی کا مقدمہ اپنی کتاب مستصفی کے دیباچہ میں شامل کر دیا۔

امام صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خاص مذہبی تصنیفات میں منطقی اصطلاحیں داخل کردیں علامہ ابن تیمیہ کتاب مذکورہ بالا میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

واول من خلط منطقهم باصول المسلمین ابو حامد الغزالی

پہلا شخص جسنے یونانیوں کی منطق کو مسلمانوں کے اصول میں مخلوط کر دیا وہ امام غزالی ہیں

امام صاحب کے اس طرز عمل سے طرز تعلیم کا ایک نیا دور شروع ہوا اسوقت تک عام تعلیم کا جو نصاب مقرر تھا علوم عقلیہ سے بالکل خالی تھا نظامیہ جیسے بڑے دار العلوم میں معقولات کی ایک کتاب بھی درس میں داخل نہ تھی محدثین مفسرین فقہا علوم عقلیہ سے ناآشنا محض ہوتے تھے امام صاحب کے زمانہ سے دفعتہً یہ حالت بدلگئی اب معقول و منقول کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی یہانتک کہ ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ شیخ الاشراق اور امام فخر الدین رازی جیسے لوگ پیدا ہونے لگے جو عقل و نقل دونوں اقلیم کے شاہنشاہ تھے۔ اس اصلاح کا بڑا اثر اسپین میں ہوا اسوقت تک اس ملک میں علوم عقلیہ سے یہ تعصب تھا کہ امام غزالی کی کتابیں جب وہاں پہنچیں تو اس شبہ پر کہ انمیں فلسفہ کی آمیزش ہے تمام نامور علماء نے ان کے جلائے جانے کا حکم دیا اور اسکی تعمیل بھی کی گئی لیکن جب ابو بکر عربی وغیرہ امام صاحب سے تحصیل علوم کرکے اسپین کو واپس گئے تو یہاں بھی نئے مذاق کا چرچا ہوا اور اگرچہ اخیر زمانہ تک بھی فلسفہ کا عام رواج نہو سکا تاہم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خواص نے بڑے ذوق شوق سے اس فن کو سیکھنا شروع کیا اور اس تحریک نے سو ہی ڈیڑھ سو برس میں ابن رشد ابن طفیل ابن ماجہ جیسے نامور پیدا کردئیے۔

فارسی لٹریچر اور شاعری

فارسی لٹریچر اور شاعری امام صاحب کے زمانہ تک فارسی کا لٹریچر عربی علوم و فنونکے فیض سے بالکل محروم تھا ابن سینا نے علاء الدولہ کی خاطر سے فلسفہ میں ایک مختصر سی کتاب حکمۃ علائیہ کے نام سے فارسی زبان میں لکھی تھی لیکن وہ عسیر الفہم ہونیکی وجہ سے متداول نہو سکی اور اس لئے تقلید یا اقتباس سے فارسی زبان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

شاعری میں بھی قصائد مدحیہ کے سوا کسی صنف کو ترقی نہیں ہوئی تھی رزمیہ مثنوی اگرچہ سینکڑوں برس پہلے شروع ہوچکی تھی لیکن یہ کمان فردوسی نے اس حد تک زہ کی تھی کہ پھر کسی کو حوصلہ نہوا۔

امام غزالی نے احیاء العلوم کو جب فارسی کا لباس پہنایا اور کیمیائے سعادت لکھی تو فارسی زبان میں کثرت سے اخلاقی تصنیفات لکھی جانے لگیں جنمیں سے اخلاق ناصری۔ اخلاق جلالی اخلاق محسنی عام طور پر مشہور اور متداول ہیں اخلاقی نظم کا بھی اسی زمانہ میں آغاز ہوا یعنی حکیم سنائی المتوفی ۵۲۶ھ نے حدیقہ لکھی جو تمام تر اخلاق و پند و موعظت ہے۔ حکیم سنائی کو امام غزالی سے ایک قسم کا رابطہ بھی تھا جسنے انکو امام صاحب کی اتباع و تقلید پر آمادہ کیا ہوگا وہ یہ کہ حکیم موصوف ابو یوسف ہمدانی کے مرید تھے اور ابو یوسف شیخ ابو علی فارمدی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پیر تھے اس رشتہ سے حکیم سنائی امام غزالی کے بھتیجے ہوئے امام صاحب کے زمانہ میں شاعری کے دریا کا بہاؤ قصیدہ گوئی کی طرف تھا اور سلاجقہ کا سیلاب کرم اسکے زور کو روز بروز بڑھاتا جاتا تھا امام صاحب کی بدولت جب فلسفۂ اخلاق نے لٹریچر پر اثر ڈالنا شروع کیا تو گو انکے قریب العصر شعراء مثلاً امیر معزی عبد الواسع جبلی نظامی عروضی لامعی۔ کرمانی۔ انوری ادیب صابر کے کلام میں کوئی جدت پیدا نہیں ہوئی لیکن انکے بعد ہی شاعری کے درخت میں اخلاقی شاخیں پھوٹنی شروع ہوگئیں۔ یہانتک کہ خواجہ فرید الدین عطار، مولانا روم۔ سعدی شیرازی کی آبیاری نے اس میں برگ و بار پیدا کردئے۔

ایک بڑا عظیم الشان اثر جو فارسی لٹریچر اور بالخصوص فارسی شاعری پر پڑا وہ تصوف کے مذاق کا شامل ہونا تھا اس وقت تک اشعار میں شاعری کا اصلی جوہر یعنی جذبات انسانی کا اظہار بالکل نہیں پایا جاتا تھا اور اسوجہ سے شاعری بالکل ایک صدائے بے اثر تھی غزل گوئی اگرچہ شروع ہوگئی تھی لیکن چونکہ اسکی بنیاد ایک خلاف فطری جذبہ یعنی امردستائی پر رکھی گئی تھی اس لئے تاثیر کا نام و نشان تک نتھا۔ امام صاحب نے جب فارسی زبان کو تصوف سے آشنا کیا اور فارسی لٹریچر کے رگ و پے میں صوفیانہ خیالات سرایت کرگئے تو شاعری میں بھی سچے جذبات اور احساسات آگئے۔

امام صاحب کا اثر فارسی شاعری پر

خواجہ فرید الدین عطار المتوفی ۶۲۷ھ نے جو اس طرز کے بانی تھے سادگی کیساتھ صوفیانہ خیالات ادا کئے عارف روم نے اسمیں گرمی پیدا کی اور پھر سعدی و حافظ و عراقی نے اس شراب کو اس قدر تیز کردیا کہ ع حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

غرض فارسی شاعری میں تاثیر کا جو نشہ پیدا ہوا وہ تصوف کی بدولت ہوا اور تصوف کا مذاق جو زبان میں آیا امام غزالی کی بدولت آیا

(۱) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ذکر حکیم سنائی۔ ۱۲

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امام صاحب کی مخالفت

امام صاحب کی مقبولیت کے اگرچہ بہت سے اسباب فراہم تھے جنکا یہ اثر ہوا کہ انکی زندگی ہی میں انکو حجۃ الاسلام کا لقب ملا جو آجتک قایم ہے لیکن مخالفت کے بھی کچھ کم اسباب نہ تھے۔

(۱) سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے اشاعرہ کی پابندی سے اپنے آپکو آزاد کرلیا تھا بہت سے مسائل میں اشاعرہ کے مخالف تھے اور جن مسائل میں متفق تھے انہیں بھی اشعری کے مقلد نہ تھے بلکہ انکا اجتہاد اشاعرہ سے متوارد ہو گیا تھا۔ (۲) بعض مضامین فلسفیانہ مذاق پر لکھے تھے اور فلسفہ کے اصول بعینہ تسلیم کر لئے تھے۔ (۳) مروجہ فقہ و کلام کا رتبہ بہت گھٹا دیا تھا۔ (۴) عقائد کیطرح فقہ میں بھی کسی کے مقلد نہ تھے۔ (۵) احیاء العلوم۔ باب المغرورین میں فقہاء متکلمین واعظین متصوفہ کے بہت سے عیوب ظاہر کئے تھے۔

ان اسباب نے ایک جم غفیر کو برافروختہ کیا اور ہر فرقہ کے بڑے بڑے علماء مخالفت پر کمربستہ ہو گئے فقہانے فتویٰ دیا کہ انکی تصنیفات اور خصوصاً احیاء العلوم کا مطالعہ کرنا گناہ ہے۔ اسپین کے علماء نے جنکے سرگروہ قاضی عیاض تھے انکی تصنیفات بادشاہ وقت کے سامنے پیش کیں اور رائے دی کہ سب جلا دینے کے قابل ہیں چنانچہ کل کی کل جلا دی گئیں یہ واقعہ ۵۰۳ھ میں بمقام مریہ وقوع میں آیا محمد شاہ سلجوقی کے دربار میں بھی فقہا کے ایک بڑے گروہ نے انکی شکایت کی جسکی تفصیلی کیفیت ہم امام صاحب کے حالات زندگی لکھ آئے ہیں۔

مخالفت کا سلسلہ امام صاحب کی وفات کے بعد بھی مدت تک قائم رہا۔

مخالفین کی تعداد اگرچہ بہت ہے لیکن انہیں سے جو لوگ علم وفضل میں ممتاز اور نامور تھے انکی یہ تفصیل ہے۔ ابوبکر بن العربی مازری۔ طرطوشی۔ قاضی عیاض (مصنف شفا) ابن المنیر۔ محدث ابن الصلاح۔ یوسف دمشقی۔ بدر زرکشی۔ برہان بقاعی۔ محدث ابن جوزی۔ علامہ ابن تیمیہ۔ ابن قیم۔

جن لوگوں نے محض حسد و بغض کیوجہ سے مخالفت کی تھی۔ انکا ذکر تو بیفائدہ ہو لیکن جن لوگوں کی مخالفت نیک نیتی پر مبنی تھی انکے خیالات اور رائیں لحاظ کے قابل ہیں انہیں سے محدث مازری بہت بڑے پایہ کے محدث تھے انکی شرح صحیح مسلم تمام شروح سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ محدث موصوف نے امام صاحب کے متعلق نہایت مفصل رائے دی ہے جسکو علامہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں تمامہا نقل کیا ہے ہم اسکا خلاصہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں اسمیں بعض الفاظ امام صاحب کی نسبت نہایت سخت ہیں لیکن وہ محدث موصوف کے خاص الفاظ ہیں۔ میں صرف ناقل ہوں۔

غزالی کے شاگردوں کو میں نے دیکھا ہے اور انسے غزالی کے حالات وخیالات اس کثرت سے سنے ہیں کہ گویا میں نے خود غزالی کو دیکھا ہو اس لحاظ سے میں انکی نسبت اپنے خیالات تفصیل ظاہر کرتا ہوں۔ غزالی کو فقہ میں اصول فقہ کی بہ نسبت زیادہ کمال ہے۔ علم کلام میں بھی انکی تصنیفیں ہیں لیکن اس فن میں انکو کمال نہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قبل اسکے کہ علم کلام میں مہارت حاصل کی ہو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فلسفہ کی کتابیں دیکھیں اس کا یہ اثر ہوا کہ فلسفہ کے خیالات ان پر اثر کر گئے مجکو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ اخوان الصفا کے رسائل کو اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے ان رسالوں کا مصنف ایک فلسفی ہے جسنے فلسفہ کو دین میں ملانا چاہا اور اس پردے میں فلسفہ کی حمایت کی اسی زمانے میں بو علی سینا پیدا ہوا جو فلسفہ کا امام تھا۔ اسنے چاہا کہ عقائد اسلام کو بالکل فلسفہ کے قالب میں ڈھال دے چنانچہ زور قابلیت سے اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب ہوا۔

غزالی کے بہت سے مسائل بو علی سیناہی کے خیالات پر مبنی ہیں۔

تصوف کے مسائل جو غزالی نے لکھے ہیں مجکو معلوم نہیں کہ اس فن میں انکا ماخذ کیا ہے قیاس غالب ہے کہ ابو حیان توحیدی

غزالی نے احیاء العلوم میں نہایت ضعف اور موضوع حدیثیں نقل کی ہیں۔

غزالی جا بجا تصریح کرتے ہیں کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جنکو کتاب میں درج نہیں چاہیئے۔ لیکن اسکی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی وہ مسائل اگر غلط ہیں تو ضرور اس قابل ہیں لیکن اگر صحیح ہیں جیسا کہ غزالی کا خیال ہے تو کیوں نہ ظاہر کئے جائیں یہ امام رازی کی رائے تھی مخالفین میں ایک اور بڑے پایہ کے شخص ابو الولید طرطوشی ہیں وہ خود امام صاحب سے ملے تھے اور انکے خیالات و معتقدات انکی زبانی سنے تھے وہ خود لکھے ہیں۔

مینے غزالی کو دیکھا ہے بے شبہ نہایت ذہین، فاضل اور واقف ہیں ایک مدت تک وہ علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن اخیر میں سب چھوڑ چھاڑ کر صوفیوں میں جا ملے اور فلسفہ کے خیالات اور منصور حلاج کے معمّے مذہب میں مخلوط کر دئے فقہا و متکلمین کو برا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ مذہب کے دائرے سے نکل جائیں۔ احیاء العلوم لکھی تو چونکہ تصوف میں پوری مہارت نہیں تھی اسلئے منہ کے بل گرے اور تمام کتاب میں موضوع حدیثیں بھر دیں۔

علامہ ابن السبکی نے امام مازری اور طرطوشی کے اقوال نقل کر کے نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے لیکن بعض جواب ایسے دئے ہیں جنکی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ فلسفہ کی آمیزش کا الزام تھا اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ امام غزالی فلسفہ کے دشمن ہیں انکی تصنیفات کو فلسفہ سے کیا تعلق لیکن جس شخص نے امام صاحب کی تصنیفات کو دیکھا ہے اور فلسفہ سے واقفیت رکھتا ہے وہ کیونکر اس واقعہ کا انکار کرسکتا ہے محدث ابن الصلاح امام صاحب سے ہیں سیات پر ناراض ہیں کہ انہوں نے منطق میں کیوں کتاب لکھی منطق کا سیکھنا بالکل حرام ہے کیا ابن السبکی اسکے جواب میں امام صاحب کی منطقی تصنیفات سے بھی انکار کریں گے۔

محدث ابن جوزی نے احیاء العلوم کی غلطیوں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا نام اعلام الاحیاء باغلاط الاحیاء رکھا ابو بکر محمد بن عبد اللہ مالقی نے مضنون کا رد لکھا چنانچہ کشف الظنون نے مضنون کے ذکر میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔

امام صاحب پر جو نکتہ چینیاں اور اعتراضات کئے گئے اکثر بیجا اور غلط تھے لیکن ایسے اسبات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان اسوقت تک اشخاص پرستی میں مبتلا نتھے بلکہ آزادی رائے کا جوہر انمیں باقی تھا امام صاحب کا فضل و کمال تمام عالم

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں مسلم ہو چکا تھا خود سلاطین وقت انکے حلقہ بگوش ہو چکے تھے تاہم آزادی رائے نے لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ ان کی رائے میں امام صاحب نے جو غلطیاں کیں تھیں بے تکلف ظاہر کر دیں۔

اس واقعہ سے یہ سبق سیکھنا چاہیئے کہ صحیح واقفیت کے بغیر کسی چیز کی نسبت جو خیالات قائم کئے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتے محدث ابن الصلاح قاضی عیاض مازری ابن جوزی کس رتبے کے لوگ ہیں لیکن چونکہ فلسفہ و منطق نہیں جانتے تھے اس لئے کس قدر غلط رائیں قایم کیں اور امام صاحب پر کیسے بیجا الزام لگائے ہمارے زمانہ کے علماء کا بھی یہی حال ہے چونکہ انکو علوم و فنون جدیدہ سے مطلق واقفیت نہیں اسلئے علوم جدیدہ کے متعلق انکو عجیب عجیب بدگمانیاں ہیں۔

آخیر میں اسبات کا بھی اعتراف کرنا ضروری ہے کہ امام صاحب کی بعض تصنیفات میں بعض باتیں مواخذہ کے قابل ہیں مثلاً احیاء العلوم میں احادیث کے نقل کرنے میں نہایت بے احتیاطی کی ہے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں موضوع اور ضعیف نقل کردی ہیں جنکا کتب احادیث میں کہیں پتہ نہیں احادیث پر موقوف نہیں۔ بزرگان سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں اکثر دور از کار اور بعید از عقل ہیں اور بجز عوام کے کوئی شخص انپر یقین نہیں کر سکتا اسی کے ساتھ زہد اور مجاہدہ کے بیان میں ایسی باتیں لکھدی ہیں جو اعتدال سے متجاوز ہیں۔ علامہ ابن القیم کا رد تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ علامہ موصوف نے ابن القیم کے ہر اعتراض کا جواب بھی دیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ بعض اعتراض لاجواب ہیں۔

بہر حال امام صاحب امام تھے پیغمبر نہ تھے اور پیغمبر کے سوا کسی شخص کو عصمت کا رتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شبلی نعمانی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نام کتاب	قیمت
لیکے قاصد سے مرنامہ ہوتے ہیں برجستہ ہیں۔ چار سطر و نہیں وہ ہا ہے سارے دفتر کا جواب دوسرا رنگ اور ملاحظہ ہو۔ تصور میں تری انگڑائیاں ہیں گیسو! اندھیری رات ہے بیٹھا ہوں محراب عبادت میں قیمت فی جلد	عہ؍
فردوس آسیہ۔ مولفہ مولانا مولوی عبد الرب صاحب واعظ دہلوی اسکے پانچ حصص ہیں، حصہ اول اسمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے حالات ہیں مع بیان ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و واقعات خلافت وغیرہ۔ حصہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی سوانحعمری معہ واقعات قبول اسلام و غزوات و شہادت وغیرہ وغیرہ۔ حصہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی سوانحعمری معہ حالات شہادت وغیرہ حصہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے حالات مع شہادت وغیرہ۔ حصہ پنجم۔ حالات اہل بیت رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور اس حصہ کے دو جزو کر دیئے ہیں اول حصہ میں تو جملہ اہل بیت کے حالات اور حصہ دوم میں حضرات حسنین کے حالات ہیں مع واقعات شہادت اگر کسیکو شہادت حضرت امامین حسنین رضوان اللہ تعالی عنہم کا بیان مفصل اور صحیح دیکھنا ہو تو اس حصہ کو دیکھئے مولف صاحب نے نہایت واضح اور مستند اس بیان کو جمع کیا ہے قیمت	عہ؍
تحفۃ الہند معہ کتھا سلونی مصنفہ جناب مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم یہ وہ کتاب ہے جو پچاسوں مرتبہ چھپکر ملک میں بک چکی ہے۔ اننت رام نے جبکہ اسلام قبول کیا تھا اسوقت یہ کتاب لکھکر آریوں کے روبرو پیش کیگئی تھی۔ اس کتاب نے آریوں کے منہ پر قفل لگا دیا۔ السداد اتحاد کے لیے بہترین کتاب ہے ہر مسلمان کو خریدنا چاہیئے ہے ہیں کتھا سلونی نہایت دلچسپ ہے کاغذ سفید عمدہ قیمت	۱۰؍
بہشتی زیور۔ مولفہ جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ اس مفید و مقبول عام کتاب کی تعریف و توصیف خارج از بیان ہے ہر شخص پر آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات روشن ہے کہ یہ دینیہ صلاح عادات و آداب معاشرت و مسائل دینیہ میں کسقدر مفید ثابت ہوا ہے خاصکر عورتوں کے حق میں تو اکسیر کا کام دیا ہے۔ اسکے گیارہ حصے ہیں اول تو دس حصے خاص عورتوں کی تعلیم و تربیت کیلئے و درستی حالات میں بینظیر ہیں گیارہواں حصہ خاص مردوں کے مسائل میں بے بدل ہے کامل ۱۱ حصے قیمت	عہ؍
ہشت بہشت یعنی سوانح عمری خواجگان چشت قیمت	عہ؍
یادگار امیر مینائی مرحوم قیمت	۵؍
امہات الامہ از شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم	۱۲؍
سوانح عمری کلاں قیمت	۱۲؍
الہارون یعنی سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید قیمت	عہ؍
تاریخ اجمیر اور بڑی سوانح عمری حضرت خواجہ غریب نواز مع نقشہ جات	۱۲؍

ملنے کا پتہ:- نذیر حسین و شریف حسین تاجران کتب محلہ گوڑھیا دہلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف

الفاروق } حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل سوانح عمری اسلامی قوانین کا اجراء۔ رسول خدا کی وفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تقریباً ۰۰۳ صفحات۔ قیمت دو روپیہ (عہ) 1

سیرۃ النعمان } حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ کے حالات اور فن فقہ پر تفصیلی ریویو۔ کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت تقریباً ۰۰۲ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) 2

الغزالی } حضرت امام غزالیؒ کے حالات زندگی۔ امام غزالیؒ کی ولادت، غزالی کی وجہ تسمیہ۔ امام صاحب پر ایک قزاق کے طعنہ کا فوری اثر ۔ ۱۴۴ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) 3

سوانح مولوی روم } مثنوی شریف پر نہایت تفصیل سے تقریظ اور تبصرہ۔ مولانا کی پیدائش سے وفات تک کے مفصل حالات شمس تبریز کا قتل یا گم ہو جانا۔ ۱۳۶ صفحوں پر قیمت (عہ) 4

المامون } یعنی نامور فرمان روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ۔ خلیفہ مامون رشید کی مکمل سوانحعمری کاغذ چکنا ولایتی۔ ضخامت ۱۶۸ صفحے قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) 5

سفرنامہ } روم و شام و مصر۔ حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ نے ممالک اسلامیہ کے جو سفر کئے ہیں ہر مقام کے تفصیلی حالات نہایت تحقیق سے فراہم کئے ہیں ۱۶۸ صفحے قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) 6

اورنگ زیب پر ایک نظر } شہنشاہ عالمگیر پر ہندو طبقہ کی طرف سے جو تعصب آمیز اعتراضات کئے جاتے ہیں انکا جواب نہایت استدلال سے دیا ہے ۱۰۴ صفحے $\frac{18}{22}$ قیمت (۸/) 7

رسائل شبلی } یہ گیارہ رسالوں کا مجموعہ ہے جس کا ہر عنوان قابل دید ہے۔ ضخامت ۲۶۴ صفحے تقطیع ۱۸+۲۲۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) 8

اغاز اسلام } ترجمہ بدء الاسلام جسکو خبا بہ میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ بیگم بھوپال نے مسلمان لڑکیوں کے واسطے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ۷۶ صفحے۔ قیمت (۸/)

بیان خسرو } طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ کے کلام پر محققانہ ریویو اور پیدائش سے وفات تک کے مفصل حالات زندگی ۸۴ صفحے۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

مقالات شبلی } اس میں تیرہ رسائل ہیں اور ہر باب اپنی نوعیت میں لاجواب ہے۔ ضخامت ۱۲۴ صفحوں پر قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

مجموعہ نظم شبلی } اس میں مولانا کی وہ تمام نظمیں درج ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں۔ ۸۰ صفحے قیمت آٹھ آنہ (۸/)

حیات سعدی۔ حضرت سعدی شیرازیؒ کی سوانح عمری قیمت آٹھ آنے (۸/)

حیات حافظ۔ حضرت حافظ شیرازیؒ کے حالات زندگی۔ قیمت آٹھ آنے (۸/)

ملنے کا پتہ } شیخ نذیر حسین تاجر کتب زیر جامع مسجد دھلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

12 سیرۃ النبی [illegible]

13 علم الکلام [illegible]

14 موازنہ انیس و دبیر [illegible]

15 شعر العجم پانچ جلد [illegible]

16 تاریخ اسلام

17 مجموعہ کلام شبلی ۱۲

18 دستۂ گل فارسی [illegible]

19 مثنوی صبح امید اردو [illegible]

مکاتیب شبلی [illegible]

کلیات شبلی

22 رسائل الندوہ

کل تصنیفات تقریباً [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri